تذکرہ

غوث و قطب

سید احمد سعید ہمدانی

تذکرۂ

غوث و قطب

سید احمد سعید ہمدانی
ایم۔ اے (اردو) ایم۔ اے (انگریزی)

• تعداد ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ایک ہزار •

• بار اوّل ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء •

• کتابت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ افضل الکتابت۔ بلاک نمبر ۱۹، سرگودھا •

• پرنٹر ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ جوہر پریس جوہر آباد •

• قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ مجلد : ۱۸ روپے •

• قیمت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ غیر مجلد : ۱۵ روپے •

ملنے کا پتہ :

* دربار کلیانوالہ شریف تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد *

* کتابستان، مین بازار جوہر آباد *

* ادارہ المعارف، گنج بخشؒ، لاہور *

فہرست

۱۔ اسلام۔ تصوّف۔ سلسلہ چشتیہ (صابریہ و نظامیہ)

۲۔ حضرت حاجی عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث و قطب" قدس سرہٗ

۳۔ حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ قطب العالم والزماں

۴۔ دربار کلیا نوالا شریف

۵۔ اوّلین مقرّبین و متوسّلین دربار عالیہ

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	پیش لفظ	5
2	اسلام، تصوف اور سلسلہ چشتیہ	25_11
3	شجرہ ہائے طریقت: 1۔ صابریہ	29_25
4	2۔ نظامیہ، 3۔ اویسیہ، 4۔ قادریہ	36_30
5	حضرت حاجی عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ	69_37
6	حضرت سید وراثت حسین شاہ بخاریؒ	140_70
7	دربار کلیانوالہ شریف	144_141
8	اولین مقربین و متوسلین دربار عالیہ	152_144
9	تصاویر مشائخ کلیانوالہ شریف و دربار کلیانوالہ	168_153
10	آغاز کتاب: سرگرم سفر	صفحہ 169 کے بعد

وقت آں آمد کہ ما با پاک بازاں دم زنیم
از گروہِ جاہلاں یکسو شویم و خُم زنیم
ہر چہ اسباب است بروی خطِ بیزاری کشیم
ہمچو منصورانِ خود بیں طعنہ بر عالم زنیم

(احمد جامؒ)

پیش لفظ

مرشدی و مولائی حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب قدس اللہ سرہٗ غوث الاغیاث تھے۔ اور آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ قطب العالم والزماں ہوئے۔

ان بزرگوں کے حالات قلم بند کرنے سے ایک تو اس حقیقت کا اظہار مقصود ہے۔ کہ دنیا کبھی اللہ کے نیک بندوں اور معلموں سے خالی نہیں رہتی۔ دوسرے درجہ پر یہ خیال بھی کچھ کم اہم نہ تھا۔ کہ ان بزرگوں کی سیرت و سوانح کو وقت پہ ضبطِ تحریر میں لانا چاہیئے۔ ورنہ وقت گذرنے کے ساتھ عین ممکن ہے کہ ان ولیوں کے حالات ظن و ابہام کی نذر ہو جائیں۔

اس تذکرہ کی تالیف میں جن ماخذوں سے مدد لی گئی ہے۔ ان میں سرِفہرست تو وہ ارشادات ہیں۔ جو اس فقیر نے مختلف صحبتوں میں حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سُن کر جمع کیئے۔ اور اُن کو ساتھ ساتھ لکھتا رہا۔ رام پور سے جناب سجاد علی خان صاحب قیصر نے اپنی تحقیق و تفتیش کے مطابق کچھ کوائف معلوم کیئے۔ اور خطوط میں وہ سب لکھ بھیجے۔ ان سے بھی بہت سی گمشدہ کڑیوں کو ملانے میں مدد ملی۔ تیسرے درجے پر اُن محبوں اور عزیزوں کی روایات سے استفادہ کیا گیا جو ان بزرگوں کی صحبت میں رہے اور خود ان کی زبانی کچھ واقعات و حالات سُنے۔

بعض حلقوں میں شاید ایک بات محسوس کی جائے گی۔ تذکرے میں رویا، مکاشفات اور کرامات وغیرہ کے بارے میں عمداً کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس لئے نہیں۔ کہ یہ بالکل ہی غیر ضروری ہیں۔ بلکہ صرف اس لئے کہ ان کو جمع کرنا خاصا صبر آزما کام ہے۔ جب کبھی تمام معلومات جمع ہو جائیں گی۔ تو ان کو بھی اگلے ایڈیشن میں شامل کر لیا جائے گا۔ فی الحال تو جیسا اوپر اشارۃً ذکر ہوا۔ مقصود یہ تھا۔ کہ بعض بنیادی حقائق ان بزرگوں کی زندگی کے بارے میں حیطۂ تحریر میں آجائیں۔ اور اندریں بارہ حافظہ میں نسیاں یا رد و بدل کی بنا پر غلطی کا امکان نہ رہے۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ قدس سرہٗ کے حالات لکھنے سے پہلے ایک سلام نقل کیا گیا ہے۔ یہ جناب سجاد علی خاں صاحب قیصر نے کہا تھا۔ آپ تحصیل ملک (رام پور میں) میں مدرس تھے۔ اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے مرید باصفا۔ عقیدت کے جذبات سے مملو یہ سلام ہر عرس کے موقعہ پر پڑھا جاتا ہے۔

دوسرا نذرانۂ عقیدت حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ قطب العالم رح کی خدمت میں جناب پروفیسر وقار احمد نے پیش کیا۔ یہ نظم حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد عرس کے موقعہ پر مہر ذوالفقار علی بھروانہ صاحب نے چھپوا کر زائرین میں تقسیم کی تھی۔ اب یہاں شکریہ کے ساتھ نقل کی جا رہی ہے۔

یہ دو تصویریں بھی حاضر ہیں۔ حضرت حاجی عبداللہ شاہ قدس سرہٗ کی

یہ ایک ہی تصویر ہے جو حج کے لیئے پاسپورٹ کے حصول کی خاطر آتاری گئی تھی۔ اس کی ایک کاپی جناب ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہ کے پاس تھی۔ ان کی اجازت سے پیشِ خدمت ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کئی تصویریں ہوں گی۔ جو عقیدت مند چوری چھپے یا تقاضا کر کے باجازت آتارتے رہے۔ یہ ایک قدرے صاف عکس ہے۔ جو حاضر ہے۔ اس کے لئے ہم جناب خواجہ اشتیاق احمد اجمیری کے ممنونِ احسان ہیں۔

یہ فقیر حضرت ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ کا خاص طور پر شکر گذار ہے۔ مستقل طور پر مقیم نہ ہوتے کے باوجود کلیانوالا شریف کی درگاہ میں آپ کی وہی حیثیت ہے۔ جو المغرب کے زاویوں میں شیخ الرواق کو حاصل ہوتی ہے۔ آپ نے نہ صرف یہ تذکرہ لکھنے کی اجازت عطا فرمائی۔ بلکہ مسوّدہ کو شروع سے آخر تک پڑھنے کے بعد بعض مقامات پر ترمیم و اضافہ کا مشورہ دیا۔ حضرت حاجی عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث و قطب" قدس سرہٗ کے بارے میں ایک معلوماتی خاکہ بھی تحریر فرمایا جو متعلقہ باب میں شامل ہے۔

جناب پروفیسر وقار احمد بالخصوص شکریہ کے مستحق ہیں۔ کہ انہوں نے پورا مسوّدہ بغور پڑھا۔ بعض باتوں کی نشاندہی کرتے ہوئے رہنمائی فرمائی۔ آپ کے بعض رشحاتِ قلم بھی شاملِ کتاب ہیں۔ اس تذکرہ کی تالیف و ترتیب میں ہر مرحلے پر وہ معاون و مددگار رہے۔ اللہ انہیں

بجزائے خیر عطا کرے۔

میں عزیزم اختر جاوید صدیقی کا شکر گذار ہوں۔ کہ انہوں نے کتابت شدہ اوراق کی نظرِ ثانی میں میری مدد کی۔

آخر میں اپنے متعلق یہ فقیر یہی عرض کر سکتا ہے۔ کہ تذکرہ نگاری کے دوران میں ترتیب و تدوین ابتداء سے انتہا تک ایک روحانی تجربہ تھی۔

قبل از آنکہ کنی بردلم القائے مقام
از خیالِ تو شود کشف مقامِ عالی

بہرصورت یہ مختصر تذکرہ پیشِ خدمت ہے۔
گر قبول افتد زہے عز و شرف

۵ ربیع الثانی ۱۳۹۸ھ
۱۵ مارچ ۱۹۷۸ء

احمد سعید ہمدانی

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ
فِیْ زُجَاجَۃٍ ؕ اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ
زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ؕ
نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰہُ
الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

(قرآن مجید)

تمام تعریف اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین، رحمان اور رحیم ہے
اللہ زمین اور آسمانوں کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کہ ایک طاق جس میں ایک چراغ ہو، وہ چراغ شیشے میں ہو، شیشہ ایسا کہ جیسے ایک چمکتا ہوا تارہ۔ اُس میں زیتون کے مبارک درخت کا تیل جلایا گیا ہو۔ جو نہ شرقی ہے نہ غربی۔ ایسا تیز کہ ابھی آگ نے اُس کو مس نہ بھی کیا ہو لیکن وہ جل اُٹھے۔ نورٌ علیٰ نور۔ اللہ جس کو چاہتا ہے، اپنے نور کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے اور اللہ ہر شے کو جاننے والا ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی طَلْعَۃِ الذَّاتِ الْمُطَلْسَمِ ۔ وَالْغَیْثِ الْمُطَلْطَمِ

وَالْكَمَالِ الْمُكْتَتِمِ وَنَاسُوْتِ الْوِصَالِ وَطَلْعَةِ الْحَقِّ وَ هُوِيَّةِ اِنْسَانِ الْاَزَلِ فِيْ نَشْاءَةٍ مَنْ لَمْ يَزِلْ مَنْ اُقِيْمَتْ بِهٖ نَوَاسِيْتِ الْفَرْقِ اِلٰى طَرِيْقِ الْحَقِّ فَصَلِّ اللّٰهُمَّ بِهٖ مِنْهُ فِيْهِ عَلَيْهِ وَسَلِّمْ تَسْلِيْمًا۔

شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی)

اے اللہ! رحمت نازل فرما (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر) جو صورتِ مظہر عجائب ہیں اور (رحمتِ کاملہ کی) بارانِ کثیر، جو مخفی کمال کا نمونہ ہیں۔ جن کا جسم پاک مجسم وصال ہے اور لطیف روحِ وصال، جن کی صورت میں حق نے ظہور فرمایا جو انسان ازلی کی ماہیت کی حقیقت ہیں، جن کے ذریعہ مظاہر کو یکسو کو تو نے طریقِ حق پر قائم کیا پس انہی کی وساطت سے، خود انہی سے، اُن پر رحمتیں نازل فرما۔ اور اُن پر تیری طرف سے سلامتی ہو۔ اعلیٰ درجہ کی سلامتی۔

اسلام ـــ تصوّف ـــ طریقۂ چشتیہ صابریہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم | آج سے چودہ سو برس قبل ایک ایسی عظیم و جلیل ہستی کو اللہ نے مبعوث فرمایا جس کا وجود تمام کائنات کے لئے وجہ آفرینش بنا۔ کیونکہ اگر آپ کی بعثت مقدر نہ ہوتی۔ تو افلاک وجود میں نہ آتے ـــ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے تنہا آپ کو اس طرح برگزیدہ کیا۔ کہ آپؐ وَحیدُ الخلق تھے یعنی مخلوق میں سے ہونے ہوئے بھی مخلوق جیسے نہیں تھے[1] ـــ آپ کا منصب ابتداء و انتہاء پر محیط ہے جب آدم ابھی مٹی اور پانی کے درمیان تھا۔ تو آپ کی نبوت اُس وقت بھی ثابت اور برحق تھی۔ پھر نبوت کے کمالات آپ کی ذات میں انتہا تک پہنچے۔ اور دین کی تکمیل کا وہ درجہ آگیا کہ آپ نے فرمایا۔ اب میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔

اس نبئ عظیم نے جو دنیا کے لئے رحمت بن کر آیا۔ مکّہ کی بستی میں چالیس برس کی عمر میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ غیب کے علوم آپ پر کھلنے لگے۔ قرآن آپ کے قلبِ اطہر پر نازل ہونے لگا۔ اور ساتھ ہی مخالفت کا طوفان بھی اپنی پوری طاقت کے ساتھ اُٹھا۔ یہاں تک کہ مکّہ میں تیرہ سال آپ کو سیلِ بلا اور دریائے ملامت

---

[1] اِصْطَفٰی وَاحِدًا مِنْ خَلْقِهٖ ، هُوَ مِنْهُمْ وَلَیْسَ مِنْهُمْ۔" (ابن العربیؒ)

ہیں سے گذرنا پڑا۔ تفصیلات کتبِ تواریخ وسِیَر میں موجود ہیں۔ مکّہ کے باشندوں میں سے بعض نے فی الفور وحیِ الٰہی کو قبول کر لیا۔ اور دوسروں نے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ آپ کو اور آپ کے ماننے والوں کو مکّہ سے باہر مدینہ میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا گیا۔

مدینہ میں رہ کر آپ نے دنیا کے سامنے امن و جنگ کے حالات میں اصلاحِ احوال کی روشن نظیر پیش کی۔ آپ نے یہود اور مشرکین کی سازشوں کو ناکام بنایا۔ قریشِ مکّہ کے حملوں کا مقابلہ کیا۔ عرب کے بدوؤں کی لوٹ مار کا سدِّ باب کیا۔ روم و فارس کو دینِ نو اور قوم کی نئی حیثیت کا احساس دلایا۔ عرب و عجم کے امراء و کبار کو تبلیغی خطوط بھیجے۔ اور عرب قبائل کے نمائندوں کے ساتھ مل کر ایک نیا ماحول پیدا کرنے کی جدوجہد کی۔

قیادت و سیادت کی ان تمام مصروفیات کے باوجود سیّد العرب والعجم نے اپنی روزانہ زندگی میں ایک عام انسان کے لئے قابلِ عمل نمونہ بھی پیش کیا۔ شادیاں کیں۔ بچوں کی پرورش اور تربیت کی۔ گھر والوں کے اخراجات کا خیال رکھا۔ طرزِ زندگی اتنا سادہ اختیار کیا۔ کہ نبیوں میں فقر آپ کا طرّۂ امتیاز ٹھہرا۔ اور اسے آپ نے اپنے لئے باعثِ فخر کہا۔ آپ خواہ گھر میں رہے یا مسجد میں، بستی میں رہے یا میدانِ جنگ میں آپ کی پاکیزہ زندگی اپنوں اور بیگانوں سب کے لئے ایک روشن مثال رہی۔ مخالفت کے تمام طوفانوں میں کسی حاسد یا دشمن کو آپ کی زندگی کے معمولات میں معمولی سی خامی بھی نہ مل سکی جس کی وہ نشاندہی کرتے یا جسے آپ کی تعلیم کے خلاف بہانہ کے طور پر پیش کرتے۔

آپ کے گرد جو لوگ اکٹھے ہوئے۔ اور جن لوگوں نے آپ کے ساتھ جدوجہد میں حصہ لیا۔ اور امن و جنگ کے ماحول میں آپ کی پیروی کی۔ تاریخ میں ایسے مرتبہ کے مالک بنے کہ لوگ بڑے بڑے مرتبے پائیں گے۔ مگر اب ان جیسا کوئی نہ ہوگا۔ آپ نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ مل کر دین کو مستحکم کیا۔ کفار مغلوب ہوئے۔ مکہ فتح ہو گیا۔ اور بیت اللہ کو خدائے واحد کی عبادت کے لئے پاک و صاف کر دیا گیا۔

آپؐ نے مدینہ میں وفات پائی اور مدینہ میں ہی آپ کا روضۂ مطہر تمام جہاں کے روحانیوں یعنی ولیوں اور فرشتوں کی محبّت کا مرکز ہے۔ جس کی تاثیر کا یہ عالم ہے۔ کہ محض اُس کے تصوّر سے ہی دل پر نور برسنے لگتا ہے۔ وفات کے بعد آپ کی روحانی تاثیر ایک ایسا بھید ہے۔ جس سے واقف ہونے کے لئے صرف صاحب جذب و ذوق ہونا شرط ہے۔

تاریخ کا وہ دور جس میں اللہ نے آپ کو مبعوث فرمایا۔ مسلمانوں کی دینی و دنیوی زندگی کا سرمایہ ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے۔ کہ یہ دور انسانی تہذیب کے ارتقاء کا حاصل ہے۔ بعد میں آنے والے اس قافلے سے دُور کے تعلق کو بھی اپنے لئے باعثِ صد عزّ و شرف تصوّر کرتے رہے۔ اور کرتے رہیں گے۔

در قافلۂ کہ اوست، دانم نرسم،
ایں بس کہ رسد ز دُور بانگ جرسم

ابھی یہ دنیا شاید ہزارہا مہ و سال کی گردشوں سے گذرے گی۔ مگر تاریخ کے اس مخصوص دور میں اعلیٰ ترین عالمگیر تہذیبی و ثقافتی اقدار کی حفاظت کرنے والے

اس گروہ اور اس کے سالار کی فضیلت کو کوئی نہ پہنچ پائے گا۔ یہ بات طے ہو چکی ہے کہ بعد میں آنے والوں کی عظمتیں صرف اُن کی اطاعت و متابعت پر منحصر رہیں گی۔

تعلیماتِ محمدیؐ کا اثر و نفوذ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد طلوعِ آفتاب کی مانند تھی کہ ہر قسم کی ظلمت چھٹ گئی۔ اور کوئی کونا ایسا نہ رہا۔ جو روشنی سے محروم رہ گیا ہو۔ حقیقتِ محمدیہ جو تمام نبیوں کی ذات میں زمانے کی مقتضیات کے مطابق جھلک دکھلاتی رہی تھی۔ آپ کی ذاتِ اقدس میں مکمل طور پر جلوہ گر ہوئی۔ اور آپ کے اِن کامل و اکمل خصائص کی وجہ سے آپ کی اُمت بھی فضیلت کی مستحق ٹھہری، آپ کی عظیم شخصیت روحانیت کے انوار کا مہبط بنی۔ اور آپ کے ماننے والوں کے قلوب اِن الوہی انوار سے منور ہو گئے۔

آپؐ کی تعلیمات کو دنیا نے اس طرح قبول کیا۔ جس طرح ایک تشنہ لب مسافر تازہ پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لیتا ہے۔ اس تعلیم میں کوئی تضاد ہے نہ اختلاف ہر بات اس میں واضح ہے۔ اگر ظاہر کی آراستگی کے بارے میں بیّن احکام موجود ہیں۔ تو باطن کی صفائی کے بارے میں بھی تاکید موجود ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس عظیم نبی، عظیم انسان اور حقیقتِ محمدیہ کے مظہرِ تامہ کی تعلیم سے کہیں بھی کوئی کچھ بہرہ ور ہوا۔ تو اس کی شخصیت ایک ایسا چراغ بن گئی جس سے کئی چراغ جل اُٹھے۔ بادشاہ، سپہ سالار، متقنّن، مفکر، معلم، درویش، عابد و زاہد سب حیثیات محمد رسول اللہ کی شخصیت میں جمع ہو گئی تھیں۔ لیکن بعد میں یہی خصوصیات آپ

کی اُمت کے افراد میں فرداً فرداً بھی ظاہر ہو کر چمکیں۔ تو رفعتوں نے اُن کے قدم چومے۔

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود،
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی رسالت میں انسانیت کے تمام اعلیٰ مراتب جمع ہو گئے تھے۔ آپ کے مرتبہ رسالت کو کوئی دوسرا نام دیا جا سکتا ہے۔ تو وہ ہے معلم۔ حدیث "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" اسی امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

بنی علم لدنی کا مدعی ہوتا ہے۔ وہ ایسے مقام علم پر فائز ہوتا ہے۔ کہ تمام اوہام و عقائد باطلہ اُس کی سیدھی سادھی ستھری تعلیم کے سامنے معدوم ہو جاتے ہیں، اس کی تعلیم کا ایک ظاہر ہے۔ اور ایک باطن۔ ظاہر کا حصّہ طریق عبادات، قانون اور معاشرتی عدل و انصاف سے تعلق رکھتا ہے اور باطن کا حصّہ قلب و روح کی پاکیزگی نیت و ارادہ کی یکسوئی اور دینی جذبہ و احساس سے متعلق ہے۔ دراصل یہی حصہ پیغمبر کی تعلیم کا مغز یا اصل روح ہوتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا علم جب نسلوں میں منتقل ہوا۔ تو دو طبقے اس کے وارث بنے۔ علماء اور فقراء کے طبقے۔ مگر واضح رہے کہ یہ دو طبقوں کی بات محض تفہیم کی خاطر یا مطلب کی وضاحت کے لئے ہے ورنہ دراصل یہ ایک ہی گروہ ہے۔ صرف بعض خصائص کی کمی بیشی یا تاکید و تائید کی وجہ سے ہم دو طبقے کہہ رہے ہیں۔ علماء نے علوم ظاہری یعنی فقہ و قانون وغیرہ کی تدوین و تدریس کا کام اپنے ذمہ لیا۔ اور فقراء دینی نفسیات کے ماہر اور روحانی واردات و تجلیات

کے مورد قرار پا گئے۔ اسی بات کو اس طرح کہا جاتا ہے۔ کہ علماء رسول اللہؐ کے قال کے وارث ہیں۔ تو فقراء رسول اللہؐ کے حال کے وارث ہیں۔

جس طرح علماء کی مساعی سے فقہ و حدیث اور تفسیر و تاریخ کے علوم مدوّن ہوئے اسی طرح فقراء نے قرب الہیٰ، روحانی انعامات اور مکارم اخلاق کے علم و عمل سے دنیا کو مستفیض کیا۔ مگر جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اِن طبقوں کے افراد کی حیثیت میں کوئی واضح خط منارکہ موجود نہیں ہے۔ فقراء کے طبقے میں تو سبھی ایسے ہوتے ہیں۔ جن کے قلوب ذوق و شوق اور اتباع سنت کے فیض کی وجہ سے براہِ راست علوم شریعت سے مطلع رہتے ہیں۔ مگر علماء کے طبقہ میں بھی کئی ایسے باعمل ہوتے ہیں۔ جو فقراء کامل کے مراتب حاصل کر لیتے ہیں۔

فقراء نے اپنے تزکیہ کے لئے جو ضابطہ مرتب کیا۔ اور اس کے اصولوں کو جس موضوع کے تحت یکجا کیا۔ اُسے اُنہوں نے تصوّف کا نام دیا۔

تصوّف کی تعلیم

تصوّف کی اصطلاح پر بعض لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ یہ ایک نیا نام ہے۔ لیکن انہی لوگوں نے فقہ، علم کلام یا علم حدیث و تفسیر پر اعتراض نہیں کیا۔ یہ بھی تو نئے نام تھے دراصل فتوے کے اجراء کے معاملہ میں آدمی کے لئے نکتہ چیں ہونے کی بجائے مخلص ہونا شرط ہے اگر ایسا ہو تو سب باتیں سمجھ میں آسکتی ہیں۔

تصوّف کو درجۂ احسان کہیئے یا طریقت یا محض فقر، بات تو صرف اس قدر ہے۔ کہ تفہیم کی خاطر ہم نے دینی علوم کو شعبوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اصل دین تو اسلام ہی ہے۔ اسلام کے ظاہری حصۂ احکام کو ہم شریعت کہہ دیتے ہیں۔ اور داخلی حصّہ

یعنی دینی نفسیات و روحانیت کو ہم نے تصوّف یا طریقت کا نام دے رکھا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے الفاظ میں اسلام ہی کے داخلی پرت کا نام تصوّف ہے[1]۔ دین پر عمل کرنے کے لئے جب ہم خلوص نیّت، توجہ تام، تزکیۂ نفس، فیض و تاثیر صحبت، مجاہدہ و ریاضت نیز واردات و تجلیات اور مکالمہ و مخاطبۂ الٰہیہ کے بارے میں سوچتے ہیں تو ان سب موضوعات کو تصوف کے عنوان کے تحت مدوّن کرتے ہیں۔

تاریخ اسلام کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ کہ طبقۂ صوفیاء و فقراء نے جو خدمت اسلام کی تبلیغ میں سر انجام دی۔ وہ بے مثال ہے۔ فقراء تعلیمات اسلامی کے چلتے پھرتے ادارے تھے۔ جو جہاں بیٹھ گئے۔ وہاں نہ صرف مدرسے کھل گئے بلکہ ایسی تربیت گاہیں بھی وجود میں آگئیں۔ جہاں درندے انسان بن گئے۔ اور حیوانی جذبے اعلیٰ انسانی جذبوں میں ڈھل گئے۔ ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو ان ہستیوں کو شرک و گمرہی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔

تصوّف کی اہمیت اور صوفیا کی مساعی کے جواز میں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ صوفیوں کی خانقاہوں سے لوگوں نے دینی و تہذیبی اقدار کو اپنے اندر جذب کیا۔ اور تصوّف کے ضابطۂ آداب کو عمل میں لا کر فقراء انبیاء کے علوم کے وارث بن گئے۔ ان میں بیشتر ایسے تھے کہ محمدؐ رسول اللہ کا قال بھی ان کے حصّہ میں آیا۔ اور محمدؐ رسول اللہ کے حال سے بھی کامل طور پر بہرہ مند ہوئے۔

---

[1] اردو ترجمہ "ہمعات"، از محمد سرور ص ۳۶

دیکھا جائے۔ تو تصوّف کی بنیاد دو باتوں پر ہے۔ اور یہ دونوں عبادت اور تربیتِ روحانی کی بنیاد ہیں۔ یعنی ذکر اور صحبت۔

ذکر وہ دائمی فرض ہے جسے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے مومن کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح تزکیۂ نفس کے لئے نیکوکار اور متقی و صالح لوگوں کی صحبت کے اثر اور اس کی شدید ضرورت سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا۔ قرآن کے دورِ نزول میں لوگوں کو مخاطب کر کے کہا گیا۔ کہ پیغمبر کے پاس آؤ۔ کہ وہ تمہیں "زندہ کرے" یہ اخلاقی و روحانی زندگی ہے۔ جس کے لئے صحبتِ پیغمبر شرط قرار دی گئی۔ یہ شرط اب بھی برقرار ہے۔ اور اب ایسی زندگی کے لئے پیغمبر کے اخلاق و روحانیت کے وارثوں کی صُحبت ضروری ہے۔ ورنہ محض کتب کی تدریس و تعلیم سے روحانی اقدار شخصیت و کردار میں نہیں ڈھل سکتیں۔

طریقہ ہائے تصوّف

ذکر کا دوام اور صحبت کا فیضان تصوف میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب ذکر کے کئی طریقے ہیں، جن میں معروف اور ارفع طریقے تو نماز، تلاوت قرآن، درود خوانی اور مسنون دعائیں ہیں۔ مگر یہ سب حال و مقام سے مخصوص ہیں۔ وہ ذکر جو اٹھتے بیٹھتے جاری رہے۔ اور ہر سانس کے ساتھ اللہ اللہ کا ورد ہوتا رہے۔ فرض ہے۔ چنانچہ مبتدی کو ذکر کا عادی بنانے کے لئے اور توجہ کو اس پر مرکوز کرنے کے لئے اکابر ذاکرین نے کچھ طریقے وضع کئے۔ اسی طرح صحبت کے آداب کے لئے بھی کچھ ضابطے مرتب کئے گئے ان میں بنیادی طور پہ کوئی اختلاف نہیں۔ منزل و مراد اور مقصود سب کا ایک ہے۔ لیکن طریق مختلف ہو جاتے ہیں۔

اور ایسا ہونا ہی چاہیئے تھا۔ جس طرح انسانی طبائع سب ایک نہیں، اسی طرح ابتدائی تعلیم و تربیت کے لئے بھی ہر ایک کے لئے ایک جیسا ضابطہ نہیں ہو سکتا۔

اس بارہ میں مرکزی حیثیت شیخ کو حاصل ہوئی۔ شیخ وہ فقیر کامل ہے۔ جو فقر کی راہوں اور واردات و تجلیات کے بارے میں پورا تجربہ رکھتا ہے۔ وہ قربِ الٰہی کی راہوں سے واقف ہے۔ اس لئے وہ مُبتدی کو ریا کی پُرپیچ راہوں سے بچا کر شاہراہ اخلاص سے منزلِ مقصود تک لے جاتا ہے۔

مشائخ مُبتدی کی نفسیاتی حالت دیکھ کر ذکر کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اس کے اوقات متعین کرتے ہیں۔ اور اس کے وجدان کو بیدار کر کے اللہ سے باطنی رابطہ کی راہیں آسان کر دیتے ہیں۔

مشائخ طریقت نے خانقاہوں میں بیٹھ کر لوگوں کی روحانی تربیت کی۔ جن میں غیر معمولی استعداد دیکھی۔ اُن کو خلافت عطا کر کے روحانی تربیت کی ذمّہ داریاں سونپیں۔ اور عام لوگوں کے دلوں کو جو اُن کے پاس آئے، سکون بہم پہنچایا۔ اور خوفِ خدا کا احساس دلا کر گناہوں سے بچنے کی تلقین کی۔ کتنے ہی مجرم تھے۔ جو جرائم سے باز آ گئے۔ اور کتنے ہی گمراہ تھے۔ جنہوں نے توبہ کر کے راہ راست کو پا لیا۔ مشائخ کے تذکروں میں بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

بہر حال مشائخ نے جو طریقہ ہائے اذکار مرتب کیے۔ ان کے پیشِ نظر تصوف میں مختلف طریقوں کی ابتداء ہوئی۔ اُویسی، جنیدی، بسطامی، رفاعی، شاذلی، کبروی، قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی طریقے اسی طرح وجود میں آئے۔ مشائخ اپنے جماعت خانوں، زاویوں اور خانقاہوں میں بیٹھ گئے۔ اور اپنے آپ کو تعلیم و تربیت

اور صحبت روحانی کے لئے وقف کر دیا۔ جہاں کسی کی طبیعت ٹھہری۔ وہ شیخ کے پاس جا کر قیام پذیر ہوا۔ اور تعلیم و تربیت سے مکمل طور پر فیض یاب ہونے کے بعد وہاں سے رخصت ہوا۔

جب مسجدیں فرقوں کی عصبیت کی نذر ہوگئیں۔ اور عبادت کے لئے لوگ ٹولیوں میں بٹنے لگے۔ تو ان خانقاہوں نے مسلمانوں کو معاشرتی و روحانی طور پہ یکجا رکھنے میں بڑا اہم کارنامہ سر انجام دیا۔ اس خانقاہی نظام نے مسلمانوں میں ایسی عظیم ہستیاں پیدا کیں۔ جن کی روحانیت آفتاب کی مانند تھی اور جن کے نفوس قدسیہ کی لطیف تاثیر نے مسلمانوں کے دین کو ان کے قلوب میں زندہ رکھا۔

طریقہ چشتیہ

اس خانقاہی نظام میں ایک طریقہ سلسلۂ چشتیہ کے نام سے موسوم ہوا پانچویں اور چھٹی ہجری میں بعض بزرگوں نے خراسان کے ایک قصبہ چشت میں رشد و ہدایت کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ جو دور دور تک پھیلتا چلا گیا حتیٰ کہ شیخ معین الدین چشتیؒ ۵۸۹ھ میں ہندوستان میں وارد ہوئے اور ان کے آنے سے چشتیہ سلسلہ کو برصغیر میں بھی فروغ حاصل ہوا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے جب توفیق الٰہی شاملِ حال ہوئی۔ تو باغبانی اور فصلوں کی نگہبانی چھوڑ کر درویشی اختیار کر لی۔ یہ سب کچھ ایک مجذوب کا فیضانِ نظر تھا۔ مجذوب تو اپنا کام کر کے چلتا بنا۔ لیکن خواجہ معین الدینؒ بھی اب ایک جذبِ قلندرانہ کے ساتھ گھر سے باہر نکلے اور دور دراز کے علاقوں کا سفر اختیار کیا۔ طلبِ حق کی خاطر سمرقند و بخارا گئے۔ کچھ عرصہ وہاں پڑھتے رہے۔ پھر نیشاپور آئے۔ تو انہیں خواجہ عثمان ہرونیؒ ملے۔ جنہوں نے ان کی نظر سے سارے حجابات دور کر دیئے

بیس سال وہ اپنے مرشد کی صحبت میں رہے۔ اور بالآخر چھٹی صدی ہجری کے اواخر میں ہندوستان میں بغرض تبلیغ و اعلائے کلمۃ الحق تشریف لائے۔ مستقل قیام اجمیر میں رہا اور وہیں وصال فرمایا۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہندوستان میں ورود کے ساتھ ہی راجپوتوں کی طاقت اور شوکت ختم ہونے لگی۔ یہ آپ کی ہمت اور توجہ کا ہی نتیجہ تھا۔ کہ چند ہی سالوں میں مسلمانوں کی حکومت کو استحکام ہوا۔ اور غیر مسلموں کی طاقت ٹوٹ گئی۔

ظاہری طور پر حضرت خواجہ کی زندگی ایک زاہد و مرتاض درویش کی زندگی تھی جس کا ظاہری جاہ و جلال یا تکلف سے کوئی تعلق نہ تھا۔ تاریخ مشائخ چشت کے مصنف لکھتے ہیں :-

"خواجہ اجمیری کی زندگی بہت سادہ لیکن دلکش تھی ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک پھٹی ہوئی دوتہی میں لپٹا ہوا بیٹھا رہتا تھا۔ پانچ مثقال سے زیادہ کی روٹی کبھی افطار میں میسر نہ آتی۔ لیکن نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے۔ معصیت کی سوت اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔ رسالہ احوال پیران چشت میں لکھا ہے، "نظرِ شیخ معین الدین بہ ہر فاسقے کہ افتادے۔ در زمان تائب شدے و باز گرد معصیت نگشتے " (ص ۱۴۶)

آپ کے خلفاء میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ بزرگ ترین واسطہ فیض بنے۔ وہ سلطان التمش کے دور میں ترکستان سے دہلی میں پہنچے۔ خلق خدا سلطان اور

اُس کے امر اہمیت اس نوجوان درویش کی اس قدر گرم دیدہ ہوئی۔ کہ بعض لوگ آپ سے حسد کرنے لگے۔ حتیٰ کہ خواجہ معین الدین چشتیؒ ایک بار جب دہلی آئے تو اُن سے شکایت کی۔ کہ اُن کے خلیفہ کی وجہ سے اُن کی مقبولیت ماند پڑ گئی ہے۔ خواجہ بزرگ نے فیصلہ کیا۔ کہ وہ خواجہ قطبؒ کو اجمیر ساتھ لے چلیں۔ لیکن جب "شیخ قطب الدین اپنے شیخ کے ہمراہ اجمیر روانہ ہوئے تو اس خبر سے تمام شہر دہلی میں تہلکہ پڑ گیا۔ اور ہر طرف کہرام مچ گیا۔ تمام اہلِ شہر مع سلطان شمس الدین آپ کے پیچھے نکلے۔ جس جگہ شیخ قطب الدینؒ قدم رکھتے۔ لوگ اُس جگہ کی خاک کو تبرکاً اُٹھا لیتے تھے۔ اور انتہا درجے کی بے قراری وزاری کرتے تھے۔ شیخ معین الدینؒ نے جب یہ صورت دیکھی تو فرمایا۔ بابا بختیار تم یہیں رہو۔ کیونکہ خلقت تمہارے جانے سے اضطراب و بیقراری میں ہے۔ میں ہرگز اس کو جائز نہیں سمجھتا۔ کہ اتنے دل خراب و کباب ہوں۔ جاؤ، میں نے اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا"۔

خواجہ قطب الدینؒ کے انتقال کے بعد اُن کے خلیفۂ بزرگ خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ پہلے ہانسی میں رہے۔ اپنے مرشد کی وفات پر کچھ عرصہ دہلی میں قیام فرمایا لیکن پھر ہانسی چلے گئے۔ کچھ لوگوں نے اعتراض کیا۔ کہ آپ کے پیر و مرشد نے تو اسی مقام پر آپ کو نیابت عطا فرمائی ہے۔ تو آپ نے کہا۔ "میرے پیر نے جو نعمت مجھے عطا فرمائی ہے وہ محدود نہیں۔ شہر میں بھی وہی ہے۔ اور جنگل و بیابان میں بھی وہی"۔ آخری سال میں آپ اجودھن (پاکپٹن) میں قیام پذیر رہے۔ اور اپنی خانقاہ کے دروازے ہر کہ و مہ کے لئے کھول دیئے۔ اللہ نے آپ کو ایسی قوت قدسیہ عطا کی تھی۔

کہ چند ہی سالوں میں گرد و نواح کے لوگوں کے دل اسلام کے لئے نرم ہو گئے اور اُن کے سینے اُس کے نور سے روشن ہونے لگے۔ آپ کی سعیٔ تبلیغ اور روحانی تاثیر کے طفیل چشتیہ سلسلہ کے رو نظام اصلاح و تربیت نے ایک مستقل شکل اختیار کر لی۔ اور مریدین کا ایک ایسا طبقہ تیار ہو گیا۔ جس نے ملک کے گوشہ گوشہ میں چشتیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم کر دیں"۔

آپ کی وفات کے بعد دو خلفاء کے ناموں سے چشتیہ سلسلہ منسوب ہو کر شہرت پذیر ہوا۔ آپ کے خلیفہ خواجہ نظام الدین والحق رح کی وجہ سے چشتیہ نظامیہ سلسلہ کہلایا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو اللہ نے وہ بخت عطا کیا تھا۔ کہ ایک زمانے میں تقریباً تمام ہندوستان ہی آپ کا مرید ہو گیا۔ آپ کی تلقین اور پند و نصائح کے زیرِ اثر جانے کس قدر لوگ بُرے کاموں سے تائب ہوئے اور بے شمار روحانی لحاظ سے بلندیوں پہ پہنچے۔ آپ کی زندگی بھی نہایت سادہ تھی۔ اور ساری عمر آپ نے خانقاہ دہلی میں بیٹھ کر رشد و ہدایت کے کاموں میں گذار دی۔

چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی برکات کا دائرہ تمام ہندوستان میں پھیل گیا۔ مشائخ طریقہ نے شمالی ہندوستان اور دکن میں مختلف مراکز قائم کر کے رشد و ہدایت کا جو سلسلہ جاری کیا۔ اُس کا فیض آج تک چلا آرہا ہے۔

بابا فریدؒ کے دوسرے مشہور خلیفہ ان کے بھانجے اور داماد حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ تھے۔ ان پر اکثر جذب و استغراق کا غلبہ رہتا تھا۔ آپ کلیر (ضلع سہارن پور۔ بھارت) میں اصلاحِ احوال کے لئے بھیجے گئے تھے۔ لوگوں نے آپ کے پند و نصائح کی طرف توجہ نہ دی۔ اور تکبر و تمرد سے اپنے طریقۂ زندگی

کو نہ چھوڑا۔ تو آپ کی بد دعا سے ہلاک ہوئے۔ آپ نے کلیر کے ویران و غیر آباد علاقے میں گولر کے پھلوں پر گذران کی۔ اور ساری عمر وہیں عبادت و ریاضت میں گذار دی۔

آپ سے چشتیہ صابریہ سلسلہ چلا حضرت صابرؒ کے غلبۂ جذب و استغراق سے اس سلسلہ کی روحانی تربیت کے طریق میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی۔ کہ اس سلسلہ میں مرید ہونے والوں کی ہدایت کا سامان عام طور پر باطن کی راہ سے ہوتا ہے۔ الہام و رؤیا، کے ذریعہ سے رہنمائی ہوتی رہتی ہے۔ اور روحانی مقامات طے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ کے درویش اکثر اپنے خواب لکھ لیا کرتے ہیں۔ اور اُن کی تعبیر کی مدد سے اُن کی ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پہلے پہل چشتیہ صابریہ سلسلہ محدود رہا۔ مگر بعد ازاں اسے فروغ حاصل ہوا۔ اور باہمت افراد نے اس سلسلہ کے فیض سے کامران ہو کر روحانی بلندیوں کو چھو لیا۔

چشتیہ صابریہ سلسلہ کے بزرگوں کے خصائص جذب و شوق، غلبۂ استغراق، کثرتِ اذکار، ذکاوت وجدان و تخیل اور ہمت و تصرف وغیرہ ہیں۔ ان خصائص کے ساتھ جہاں بھی یہ بزرگ گئے، ان کے فیضانِ نظر سے پُراسرار طریقہ پر خلقت کی باطنی ہدایت کا سامان ہوتا چلا گیا۔ دیکھا گیا ہے۔ کہ اس طریقہ کے بزرگ عام طور پر خلقت سے الگ تھلگ رہ کر اپنی ہمت کو خلقِ خدا کی ظاہری و باطنی تربیت کے فروغ پر صرف کرتے رہے۔ وہ زاویوں میں مقیم رہے یا قلندرانہ سیر و سیاحت میں مشغول رہے۔ اُن کا فیض بہر صورت خواص و عوام تک پہنچتا رہا۔

البتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ چشتیہ صابریہ اور چشتیہ نظامیہ دونوں سلسلے اکثر

بیک وقت اور بیک جا فیض رساں رہے۔ چنانچہ ان ہر دو طریقوں کے عامل دو بزرگ حضرت حاجی عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ "بادشاہ غوث و قطب" اور ان کے خلیفہ حضرت سید محمد وارث حسین شاہ "قطب زمان" تھے۔ جو ہندوستان سے کلیانوالا (پنجاب) میں تشریف لائے۔ اور اب یہیں ان کے مزار مرجع خلائق ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کو فیض گو دوسرے طریقوں سے بھی پہنچا۔ مگر انھوں نے تکمیل چشتیہ صابریہ و نظامیہ میں پائی۔ ان طریقوں کے شجرے حسب ذیل ہیں۔

چشتیہ صابریہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم

|

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ

حضرت خواجہ حسن بصریؒ

حضرت خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ

حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ

حضرت خواجہ ابراہیم ادہم البلخیؒ

حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشیؒ

حضرت خواجہ ابو ہبیرۃ البصریؒ

حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ

حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامیؒ
حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ
حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ
حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ
حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ
حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ
حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ
حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ
حضرت خواجہ علاؤ الدین علی احمد صابرؒ
حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ
حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ
حضرت شیخ احمد عبد الحق ردولویؒ
حضرت شیخ احمد عارفؒ
حضرت شیخ محمدؒ
حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ
حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ
حضرت شیخ نظام الدین بلخیؒ

حضرت شیخ ابو سعید گنگوہی رح

حضرت شیخ محمد صادق رح

حضرت شیخ محمد داؤد رح

حضرت شیخ ابو المعالی رح

حضرت میر شاہ بھیک رح

حضرت میر شاہ عنایت رح

حضرت شاہ عبد الکریم رح

حضرت شاہ غلام شاہ رح

حضرت شاہ امیر شاہ رح

حضرت محمد حسن رح

حضرت احمد حسن رح

حضرت محب حسن رح

حضرت حاجی عبد اللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب رح
حضرت قطب العالم سید محمد وراثت حسین شاہ رح
(مزار دربار کلیانوالا شریف)

حضرت قبلہ ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب دامت برکاتہٗ

جناب پروفیسر وقار احمد صاحب نے بڑے ذوق وشوق سے اسی شجرہ کو منظوم صورت دی ہے۔ سلسلہ سے منسلک مریدین یا عقیدت مند حضرات صعودی ترتیب کے ساتھ اسے اپنے دیگر اوراد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

الٰہی بحرمتِ رسولِؐ خدا — مری بخش دے آج ساری خطا
توسّل مرے شاہ ابرار کا — اُویسی و نہٹوری دربار کا[لہ]
وسیلہ وراثت حسین شاہ کا — جو ہیں قطبِ عالم سید الاتقیاء
طفیل حاجی عبداللہ شاہ نیک نام — کہ ہیں غوث الاغیاث عالی مقام
نگاہِ کرم شاہ محبِّ حسن — نوازش ہو شاہ احمد حسن
ہیں مخدوم محمد حسن صابری — کہ معشوقِ الٰہی ہے شان آپکی
محمد امیر ہیں معلی مقام — غلام شہا ہیں ہمارے امام
ہیں میراں بھیک شاہ عالیجناب — شہ ابوالمعالی چمن میں گلاب
خواجہ محمد داؤد شاہ — ہے جائے امن آپ کی بارگاہ
محمد صادق گہرِ باصفا — خواجہ ابو سعید دُرِ باصفا
خواجہ نظام الدین شہِ اولیاء — خواجہ جلال الدین ہیں رہنما
حضور عبدالقدوس گنگوہ میں — قمر ہیں ستاروں کے انبوہ میں
خواجہ محمد جی شیخ عظیم — حضور احمد عارف جی مثلِ شمیم
ردولی کے شیخ احمد عبدالحق — کھلی صحنِ گلشن میں ان کی شفق

لہ اُویسی کا اشارہ تو اُویسی فیض کی جانب ہے۔ جو حضرت خواجہ محب حسن رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ حضرت پیر ابراہیمؒ سے پہنچا۔ اور نہٹوری سے جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ کی سادات نہٹور (نہٹور واقع یو۔پی حال بھارت) سے خاندانی نسبت مراد ہے (ہمدانی)

خواجہ جلال الدین پانی پتی — ولایت میں بے مثل شان آپ کی
خواجہ شمس الدین ترک ولی — ہیں صاحبِ ولایت بحرف جلی
علاؤ الدین صابر ہیں مخدوم ہیں — زمانے میں ان جیسے معدوم ہیں
خواجہ فرید الدین گنجِ شکر — تصدق دل و جان ہیں آپ پر
خواجہ قطب الدین بختیار ہیں — کُھلے قطبِ عالم کے دربار ہیں
خواجہ معین الدین ہند الولی — ہے سلطانیٔ ہند کنیز آپ کی
در چشتیہ خواجہ خواجگاں — جھکا جن کی چوکھٹ پہ سارا جہاں
ہیں عثمان ہارونی والا تبار — سلاطین ہیں آپ کے چوبدار
نگہبان حاجی شریف زندنی — مددگار ہیں وقت جان کندنی
خواجہ قطب دین مودود ہیں — جو وقتِ مصیبت میں موجود ہیں
در ناصر الدین چشتی کھلا — درِ یوسفی بو محمد کھلا
محمد زاہد ہیں مقبول ہیں — نرالے ولایت کے اک پھول ہیں
ابی احمد ابدال ہیں آویں — کہ ثانی ولایت میں جن کا نہیں
ابو اسحٰق شامی عدیم المثال — علو ممشاد دینوری، باکمال
ہبیرۃ البصری ہیں دیں کے امیں — حذیفۃ المرعشی ہیں فانوسِ دیں
ابراہیم ادھم بلخ کے بادشاہ — فضیل بن عیاض ولایت پناہ
امام عبد الواحد بن زید ہیں — زمانے میں ان جیسے ناپید ہیں
حسن بصری خواجہ بزرگ جلیل — ہیں تقویٰ میں لاثانی و بے عدیل
ہیں مولا علیؑ میرے مشکل کشاؑ — ولایت کا چشمہ جہاں سے چلا

بحرمتِ جنابِ رسولِ کریم
ہو بارانِ رحمت بفضلِ رحیم
آمین ثم آمین

چشتیہ نظامیہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ
حضرت خواجہ حسن بصریؒ
حضرت خواجہ عبد الواحد بن زیدؒ
حضرت خواجہ فضیل بن عیاضؒ
حضرت خواجہ ابراہیم ادہم البلخیؒ
حضرت خواجہ حذیفۃ المرعشیؒ
حضرت خواجہ ابو ہبیرۃ البصریؒ
حضرت خواجہ ممشاد علو دینوریؒ
حضرت خواجہ ابو اسحٰق شامیؒ
حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتیؒ
حضرت خواجہ ابو محمد چشتیؒ

حضرت خواجہ ابو یوسف چشتیؒ

حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتیؒ

حضرت خواجہ حاجی شریف زندنیؒ

حضرت خواجہ عثمان ہرونیؒ

حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجریؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ

حضرت خواجہ نظام الدین والحقؒ

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ

١ حضرت خواجہ محمد شادیؒ

٢ حضرت خواجہ اختیار الدینؒ

3 حضرت خواجہ حسن سالارؒ

۴ حضرت خواجہ سالار سرمستؒ

۵ حضرت خواجہ خانونؒ [illegible]

6 حضرت شیخ اسمٰعیلؒ

7 حضرت شاہ نظام الدین نارنولیؒ — صفحہ 395 گلزار ابرار

8 حضرت شاہ قطب الدینؒ

۹ حضرت شاہ فرخ شاہؒ

١٠ حضرت محمد عاشقؒ

(11) حضرت محمد صادقؒ

(12) حضرت شاہ عبد الباقیؒ

(13) حضرت شاہ ابو الفتحؒ

حضرت شاہ عبد الکریمؒ

حضرت شاہ غلام شاہؒ

حضرت شاہ امیر شاہؒ

حضرت شاہ محمد حسنؒ

حضرت شاہ احمد حسنؒ

حضرت شاہ محب حسنؒ

حضرت حاجی عبد اللہ شاہ بادشاہ غوث و قطبؒ } مزار دربار کلیانوالا شریف
حضرت قطب العالم سید محمد وراثت حسین شاہؒ

حضرت قبلہ ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب دامت برکاتہٗ

جن دوسرے طریقہ ہائے سلوک کا فیض اِن بزرگوں کے توسط و توسل سے جاری ہوا۔ اُن کے شجرے یہ ہیں:۔

شجرۂ اویسیہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

خواجہ اویس قرنیؓ

خواجہ عبد الخالقؒ

خواجہ محکم دینؒ

خواجہ بالا دینؒ

خواجہ شہاب الدینؒ

خواجہ غلام حسین اویسیؒ

پیر ابراہیم اویسیؒ

خواجہ محب حسنؒ

حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث وقطبؒ
سید محمد وارث حسین شاہؒ
} مزار دربار کلیانوالا شریف

ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ دامت برکاتہٗ

شجرۂ طریقۂ قادریہ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

خواجہ حسن بصریؒ

شیخ حبیب عجمیؒ

شیخ داؤد طائیؒ

شیخ معروف کرخیؒ

شیخ سری سقطیؒ

شیخ جنید بغدادیؒ

شیخ ابو بکر شبلیؒ

شیخ عبدالواحد تمیمیؒ

شیخ ابوالفرح طرطوسیؒ

شیخ ابوالحسن علیؒ

شیخ ابو سعید مخزومیؒ

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ

خواجہ شاہ دودہ ولیؒ

خواجہ شاہ سنور صاحبؒ

خواجہ شاہ عبدالکریمؒ

خواجہ غلام شاہؒ

خواجہ محمد امیر شاہؒ

خواجہ محمد حسنؒ

خواجہ شاہ احمد حسنؒ

خواجہ محب حسنؒ

حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطبؒ } مزار دربار کلیانوالا شریف
سید محمد وراثت حسین شاہؒ }

ڈاکٹر سید [illegible]

اُمتِ مُسلِمہ کے افراد کو جہاں کہیں بھی ظاہری و باطنی یا دینی و دنیوی فیض پہنچ رہا ہے۔ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ رحمت کی تجلیات کا پرتو ہے۔ علم کی دنیا میں علماءِ دین رسول اللہ کے قال کے وارث ٹھہرے۔ جن کے متعلق داناؤں نے کہا ہے۔ کہ اِن کی مجلس میں زبان کا خیال رکھو، کیونکہ کوئی بے تحقیق بات زبان سے نکلی، تو اُن کی طرف سے گرفت ہوگی۔ عالمِ معرفت میں صوفیائے کرام رسول اللہ کے حال کے وارث ہیں۔ وہ ان مواجید و کیفیات اور واردات و تجلیات کے مورد ہیں، جو رسول اللہ کی تعلیمات پر پُر خلوص عمل کے نتیجہ میں قلب و روح پر وارد ہوتی ہیں۔ ان کی مجلس میں دل کا خیال رکھنا چاہیئے کہ یہ ایک عارف کے قول کے مطابق دِلوں کے جاسوس ہیں۔ دلوں پر گذرنے والا ہر وسوسہ اور ہر خطرہ ان کی نظر میں رہتا ہے۔

جس طرح قال کی سند مسلّمہ ہے اور محدثین اسناد کے ساتھ روایت کرتے ہیں۔ اسی طرح حال کی بھی سند ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام کے شجرہ ہائے طریقت اسی سند کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ کیونکہ حال بھی ایک روایت ہے۔ جس کی عمل گاہ صوفیاء کے قلوب ہیں، حال وہ ورثہ ہے۔ جو قلوب سے قلوب میں منتقل ہوتا چلا آیا ہے۔ اِن اسناد سے قطع نظر کر کے کوئی فرد بھی باطنی فیض تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر رحمتِ حق کی خاص عنایت ہو تو اِن اسناد تک رسائی کا بندوبست خود بخود بھی ہو جاتا ہے۔

طے شود جادۂ صد سالہ بآہے گاہے

ظاہر ہے۔ یہ شجرہ ہائے طریقت وہ اسناد ہیں جن کا سلسلہ اوپر رسول اللہ

سے جاملتا ہے۔ اور نیچے اُس بزرگ تک پہنچتا ہے۔ جو اپنے طریقے میں فیض روحانی کو منتقل کرنے میں صاحبِ اجازت ہے۔ اگر کوئی معرفت و حکمت کی جستجو میں سرگرداں ہو۔ اور ذوق و شوق اُسے اِن بزرگوں کی درگاہوں پر لے آئے۔ تو وہ کسی زندہ ولی کی صحبت میں رہے۔ یا متوفی بزرگ کے مزار پر حاضر ہو کر اُن کے توسل سے عالمِ معرفت کے اسرار کا ادراک کرے۔

انشاءاللہ اپنے مقصد کو پالے گا۔ اور حکمتِ الٰہیہ کے نور سے اُس کا قلب منور ہو جائے گا۔

سلام بحضور حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب قدس سرہٗ

سلام اے خضرِ راہِ اولیاء یا شاہ عبداللہ
سلام اے ساکنِ ملکِ بقا یا شاہ عبداللہ

سلام اے مظہرِ نورِ صفا یا شاہِ عبداللہ
سلام اے سالکوں کے پیشوا یا شاہِ عبداللہ

سلام اے پرتوِ نورِ خدا یا شاہِ عبداللہ
سلام اے نورِ چشمِ مصطفٰےؐ یا شاہِ عبداللہ

سلام اے زندگی کے آسرا یا شاہِ عبداللہ
سلام اے عاجزوں کے مدعا یا شاہِ عبداللہ

سلام اے منبعِ لطف و عطا یا شاہِ عبداللہ
سلام اے مرکزِ جود و سخا یا شاہِ عبداللہ

میں آدابِ گدائی سے بھی ناواقف ہوں اے آقا
ادھر بھی اک نظر بہرِ خدا یا شاہِ عبداللہ

حریمِ قدس کے آگے کھڑا ہے دیر سے قیصرؔ
تمہارے آستانے کا گدا یا شاہِ عبداللہ

مرے سینے کو اپنے عشق سے معمور کر دیجے
تجلّی ایک فرما کر مثالِ طور کر دیجے

(جناب سجاد علی خاں قیصرؔ رامپوری)

حضرت حاجی عبداللہ شاہ قدس سرہٗ

"بادشاہ غوث وقطب"

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ اُس برگزیدہ گروہ میں سے تھے۔ جس کے افراد بت خانوں کی مشرکانہ فضا میں جنم لیتے ہیں۔ اور جب توفیق ایزدی شامل حال ہوتی ہے۔ تو مسجدوں اور خانقاہوں میں امامت و مشیخت کے مناصب تک پہنچتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ط

پس کیا اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے واسطے کھول دیا۔ اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہو گیا (وہ اندھے منکر کے برابر ہو سکتا ہے ؟)

حضرت عبداللہ شاہ رام پور کے ایک ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے جس کے افراد برتنوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتے تھے۔ آپ کی تاریخ پیدائش کے بارے میں اندازہ لگایا جاتا ہے۔ کہ آپ کا سن پیدائش غالباً ۱۸۹۴ء یا ۱۸۹۵ء ہوگا۔

آپ کا ایک بھائی بھی تھا۔ مگر سارے خاندان میں اسلام پر ایمان صرف آپ کی قسمت میں لکھا تھا۔ آپ کی پیدائش پر کسے معلوم ہوگا۔ کہ یہ بچہ بڑا ہو کر نہ صرف یہ کہ دینِ حقہ پر ایمان لائے گا۔ بلکہ ایسا عالی ہمت ہوگا۔ کہ دینِ مبین پر

ایمان لانے کے بعد روحانیت کے اعلیٰ ترین مقامات پر فائز کیا جائے گا۔

جب اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے تحت کسی کے لئے ذریعۂ ہدایت فراہم کرتا ہے۔ تو ایک معمولی سا واقعہ بھی ایک عظیم انقلاب کے لئے اولین سبب بن جاتا ہے۔ مثلاً ہندوستان کے شہری معاشرے میں ادبی ذوق عام تھا۔ ہندو مسلم سبھی غزل گوئی کے دلدادہ تھے۔ مشاعرے ہوتے تھے۔ لوگ سنتے تھے۔ اور داد دیتے تھے۔ اس فضا میں حاجی عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جب کہ وہ بارہ تیرہ سال کے ہوں گے۔ کسی سے ایک غزل کے چند شعر سُنے۔ تو اُن اشعار نے دل میں ایک گونہ گداز پیدا کر دیا۔ انہی دنوں اپنے کسی ہم سبق سے ایک کتاب عاریتہً پڑھنے کے لئے لی۔ تو اتفاق سے اس کے ساتھ نماز با ترجمہ کا کتابچہ بھی جلد کرا یا گیا تھا۔ وہ بھی آپ کی نظر سے گذرا۔ نماز کا طریقہ پڑھا۔ اور پھر مسلمانوں کو مسجد میں نماز پڑھتے دیکھا۔ تو یہ طریق آپ کے دل میں گھر کر گیا۔ اور ایمان کی روشنی نظر آنے لگی۔

آپ کے مکان کے قریب منظور حسین خان صاحب قانون گو کا گھر تھا۔ بچپن میں آپ ان کے گھر جاتے رہتے تھے۔ ان کی کمسن والدہ فاطمہ بی (جو ہو سکتا ہے کابل ولیہ ہوں) آپ پر بہت شفقت فرماتی تھیں۔ انہیں آپ "ممّیا" کہتے تھے۔ رام پور میں بوڑھی دادی یا نانی کو چھوٹے بڑے "ممّیا" ہی کہتے تھے۔ جو بڑی بی کے مترادف ہے۔ خان صاحب موصوف کی بیوی بھی آپ سے پیار کرتی تھیں۔ انہیں آپ چچی کہا کرتے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت میں فاطمہ بی کا بہت بڑا حصہ ہے۔ جب آپ پر اسلام کی سچائی واضح ہو گئی۔ تو آپ نے

خفیہ طور پر اِن سے کلام پاک پڑھا اور در پردہ عباداتِ اسلامی کے ارکان ادا کرنے لگے۔

اُس دور کے معاشرتی ماحول میں جہاں مشاعرے ہوتے تھے، وہاں قوالی کی محفلیں بھی عام تھیں سماع کی مجلسوں میں ہر قسم کے لوگ آتے اور بقدر ظرف سوز و ساز سے لطف اندوز ہوتے تھے، آپ بھی اِن محفلوں کی طرف راغب ہوئے اور اِن میں آنے جانے لگے۔ اس طرح دل کی دنیا بدلتی چلی گئی، اور اسلام کی محبّت پوری طرح آپ کے قلبِ مبارک میں جاگزیں ہو گئی۔

پندرہ سولہ برس کی عمر میں آپ پلیگ کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ مگر اللہ نے آپ کو شفا عطا فرمائی اس موقع پر آپ کے اہلِ خاندان نے غسلِ صحت کی تقریب کا اہتمام کیا، مگر آپ نے اللہ کے حضور میں اپنی صحت یابی پر تشکر و امتنان کے جذبات کا یوں اظہار کیا۔ کہ کوتوالی پہنچ کر آپ نے اپنا بیان درج کرایا کہ میں بلا جبر و اکراہ اپنی خوشی سے مسلمان ہوتا ہوں۔ اُن دنوں مظہر حسین خان صاحب کے ہی ایک عزیز تفضل حسین خاں کوتوال شہر تھے، ہو سکتا ہے، انہی کے مشورہ سے یہ بیان درج کرایا گیا ہو۔ کیونکہ ایسے مواقع پر ہمیشہ یہ خدشہ رہتا تھا، کہ ہندو مسلم فساد نہ ہو جائے۔ بہرحال بیان کے اندراج کے بعد ایک مسجد کے امام کے ہاتھ پہ باقاعدہ اسلام قبول کر کے اعلان کر دیا۔ ظاہر ہے۔ تقریب کا حشر کیا ہوا ہو گا، افراتفری میں انجام پذیر ہوئی ہو گی۔ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ہ (اور کہہ دے کہ حق آیا اور باطل نیست ہو گیا۔ اور باطل تو نیست ہونے والا ہی تھا) اعلان کے بعد آپ اخفاء کو ترک کر کے کھلم کھلا مساجد میں نماز یں ادا کرنے لگے۔

ہندوؤں کو پتہ چلا، تو انہوں نے سخت مخالفت کی۔ خاندان والوں نے دباؤ ڈالا۔ آپ کے والد اور بھائی نے ڈانٹا، پھٹکارا، چمکارا، منت سماجت کی، غرضیکہ ہر قسم کے حربے آزما ڈالے مگر آپ کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی۔ بالآخر والد نے آپ کے اخلاص کو دیکھ کر کہا۔ کہ مجھے معلوم ہے تو نے حق کو قبول کیا ہے۔ مگر میں برادری کے سامنے مجبور ہوں۔ متعصب ہندو آپ کے دشمن ہو گئے۔ اور آپ کی جان کے درپے ہو گئے۔ بلکہ ایک بار آپ کو کھانے میں زہر ملا کر دے دیا۔ اللہ نے اس زہر کی ہلاکت سے آپ کو بچا لیا۔ مگر اس زہر کی گرمی کا اثر عمر بھر آپ کے جسم پر رہا۔ بدن میں اس قدر گرمی بڑھ گئی کہ سخت جاڑے میں بھی آپ روزانہ نہاتے تھے۔ اور گرمیوں کے موسم میں آپ جہاں بیٹھتے تھے۔ وہاں پانی کی کئی بالٹیاں چھڑک دیتے۔ اور ذکر الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔

ہندوؤں نے اس حد تک آپ کے لئے جینا دوبھر کر دیا، کہ ایک بار رام پور سے باہر ایک ویران مسجد میں آپ کو پناہ لینا پڑی۔ تین دن آپ بھوکے پیاسے اُس مسجد میں بیٹھے یادِ الٰہی میں مصروف رہے۔ تیسرے دن کوئی آدمی بچوں میں مٹھائی بانٹتا ہوا گذرا۔ تو اُس نے کچھ مٹھائی آپ کو بھی دی۔ اور یوں غذا کا کچھ سامان ہو گیا۔ اب خطرہ بھی کچھ ٹل گیا تھا۔ اس لئے وہاں سے آپ باہر نکل آئے۔

جب ایذا رسانی انتہا تک پہنچی اور آپ کی زندگی خطرے میں پڑ گئی۔ تو منظہر حسین خان صاحب قانون گو کے خاندان نے آپ کو مکمل طور پر اپنی سرپرستی اور تحویل میں لے لیا۔ آپ کی تعلیم ساتویں جماعت تک رہ گئی۔ منظہر حسین خان صاحب

نے آپ کو اسٹیٹ ہائی اسکول میں جہاں آپ پڑھتے رہے تھے۔ پڑھائی جاری رکھنے کے لئے کہا۔ بلکہ یہاں تک پیش کش کی۔ کہ آپ جہاں تک چاہیں، تعلیم حاصل کیجئے۔ آپ کے اخراجات کے ذمہ دار وہ خود ہوں گے۔ مگر آپ نے فیصلہ کیا۔ کہ باقی عمر محض یادِ خدا میں صرف کریں گے۔ منظر حسین صاحب کے گھر کے لوگ آپ کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اور آپ ہمیشہ ان کے مکان میں یا قریب کی کسی مسجد میں ذکرِ الہٰی میں مشغول رہتے تھے۔ شروع سے ہی آپ کو اس قسم کا حق الیقین حاصل تھا۔ جو صرف صاحبِ مشاہدہ درویشوں کو نصیب ہوتا ہے۔

منظر حسین خان صاحب کے صاحبزادے اختر مہدی صاحب کا بیان ہے کہ جب وہ بچے تھے۔ تو ایک مرتبہ موضع سگرہ میں جہاں خان صاحب کی زمینیں تھیں، آپ کے ساتھ چلے گئے۔ اور رات وہیں قیام کیا۔ انہیں تو ایک صاف ستھری جگہ میں سائبان کے نیچے سلا دیا گیا۔ لیکن آپ سامنے ایک چھپر میں جہاں سانپ بچھو عام تھے۔ جا ٹھہرے۔ رات گئے کہیں ان کی آنکھ کھلی، تو ڈر سا لگا۔ اور یہ اٹھ کر آپ کے پاس چلے آئے۔ آپ کے پاس آکر لیٹ گئے اور پوچھا۔ "آپ کو یہاں ڈر نہیں لگتا؟" تو آپ نے فرمایا۔ "جہاں میں ہوتا ہوں وہاں فرشتے آتے ہیں۔ پھر ڈر کیسا؟"

کچھ عرصہ آپ خان صاحب موصوف اور ان کے اہلِ خاندان کی حمایت میں وہاں رہے۔ اور پھر سعی وطلب کے جذبہ نے زور پکڑا۔ تو ادھر اُدھر آنے جانے لگے۔ البتہ جب بھی رام پور لوٹتے تو انہی کے مکان پر تشریف لاتے۔

سلوک میں آپ کی ابتداء اور جہد و ریاضت کے بارے میں حضرت

سید محمد وراثت حسین شاہؒ فرماتے تھے۔ کہ ہمارے پیر صاحبؒ دگفتگو میں جب وہ حضرت عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے تھے تو انہیں در ہمارے پیر صاحب" ہی کہا کرتے تھے) چار جگہوں پر بیعت کی۔ پہلی بار تو ان صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی جن کے سامنے اسلام قبول کیا تھا۔ انہوں نے کچھ دعائیں بتائی ہوں گی۔ لیکن بعد میں جب ان سے ملنا چاہا۔ تو تلاش بسیار کے باوجود وہ کہیں نہ مل سکے۔ دوسری بار دہلی میں ایک مسجد کے امام سے ملاقات ہوئی۔ وہ نیک اور صالح بزرگ نظر آئے تو ان سے بیعت کر لی۔ انہوں نے کچھ ورد و وظائف بتائے۔ جن کو آپ نے جاری رکھا۔ مگر عجیب اتفاق یہ ہوا۔ کہ جب ان سے ملنے کی ضرورت محسوس کی۔ تو ان کا پتہ بھول بیٹھے۔ معلوم ہوتا ہے ان دنوں آپ پر جذب کی کیفیت زیادہ غالب تھی۔ ابتدائے سلوک میں مشائخ پر جذب وشوق کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو سوائے ذکرِ الٰہی کے ہر چیز کی یاد اُن کے دل سے محو رہتی ہے۔ حتیٰ کہ بنیادی ضروریات کے خیال سے بھی بے نیاز رہتے ہیں۔ ایسی ہی کچھ حالت ہو گی۔ کہ آپ اُن بزرگ کا ٹھکانا فراموش کر بیٹھے۔ اب بہت پریشان ہوئے۔ کہ کیا کیا جائے ادھر معرفت حق میں سعی وطلب کا جذبہ تھا۔ کہ بے تابی و بے قراری میں اضافہ کئے دے رہا تھا، اور مرشد مل نہیں رہا تھا۔ غرضیکہ جنون کی حالت تھی۔ مگر عشق و جنون کی خصوصیت ہے۔ کہ یہ اپنے لئے خود راستہ نکال لیتا ہے۔ تقدیر ساتھ ہو لیتی ہے۔ اور ایسے میں تدبیر خود سامان لے کر سامنے آجاتی ہے۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ دہلی میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے مزار پر اُداس بیٹھے تھے۔ کہ انہوں نے مشائخ میں سے ایک کو مزار پہ حاضری

دیتے دیکھا۔ رشد و ہدایت کے آثار اُن کی پیشانی پر ہویدا نظر آئے۔ تو اُن کے پاس آکر مدعا عرض کیا اور اوراد و وظائف کی تلقین کی درخواست کی۔

یہ بزرگ حضرت پیر ابراہیم اُویسی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ابھی دو سال ہوئے ہیں، کہ پیرو کر (ضلع فیصل آباد) میں اُن کا انتقال ہوا۔ یہ مقام کلیانوالا سے دس میل دور واقع ہے اور وہیں اب ان کا مزار ہے۔ حضرت پیر ابراہیمؒ اویسیہ طریقہ کے مشائخ میں سے تھے۔ نہایت صالح بزرگ اور پابند شریعت ولی اللہ تھے۔ ظاہر کی درستی پر بہت زور دیتے تھے۔ حضرت حاجی عبداللہ شاہؒ جب آپ سے ملے تو اس وقت اُن کے ساتھ ان کے ایک درویش سائیں فقیر اللہ بھی تھے۔ ان کے ساتھ حاجی صاحب قبلہ کو قلبی طور پر موانست پیدا ہو گئی۔ جو دیرپا تعلق کا باعث بنی۔ ان کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ اور علی پور چٹھہ میں ان کا مزار ہے۔

حضرت پیر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے جب سلوک میں آپ کی شدتِ طلب دیکھی۔ تو کہا کہ ہمارے ساتھ رہیئے۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے۔ تلقین کریں گے۔ چنانچہ آپ حضرت پیر ابراہیمؒ کے ساتھ ہو لئے۔ اور انہی کے ہمراہ یہاں آ گئے۔ کچھ عرصہ ان کی ہدایات کے مطابق مجاہدہ و ریاضت میں مشغول رہے۔ دریا کے کنارے اُس ویران مقام پر جہاں آپ مصروفِ عبادت رہے۔ وہاں اب ایک بستی آباد ہے۔

یہاں سے آپ غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری دینے کے لئے روانہ ہوئے۔ اور کراچی پہنچے۔ اُن دنوں بصرہ سے کشتیوں پر کھجور کراچی لائی جاتی تھی۔ بوجھ اُتار دینے کے بعد عموماً یہ کشتیاں خالی

واپس جاتی تھیں۔ قدرت کی طرف سے سامان ہو رہا تھا۔ آپ نے کسی کشتی والے سے بصرہ سے جانے کے لئے کہا۔ تو اُس نے آپ کو اپنی کشتی میں بٹھا کر بصرہ پہنچا دیا۔ اور وہاں سے کسی نہ کسی طرح آپ بغداد پہنچ گئے۔

بغداد پہنچ کر آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر معتکف ہو گئے۔ کچھ دن وہاں بیٹھ کر آپ عبادت میں مشغول رہے۔ ایک دن رحمتِ حق جوش میں آئی۔ تو آپ نے حضرت غوث الاعظمؒ کو کشف میں دیکھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہندوستان واپس جاؤ اور سلوک میں تربیت حاصل کرو۔ ساتھ ہی ایک بزرگ کی طرف اشارہ فرمایا۔ جن کی صورت سامنے آ گئی۔ کہ اِن کے پاس رہ کر تربیت پاؤ۔ اگرچہ ارشاد بالکل واضح تھا۔ مگر دربار سے مراجعت پر آپ کی طبیعت مانتی نہ تھی۔ آپ نے درخواست کی۔ کہ آپ کو وہیں رہنے دیا جائے۔ اور جو کچھ مقدر ہے وہیں سے ملے۔

ابھی کچھ جواب نہ ملا تھا۔ کہ ان دنوں ترکوں اور انگریزوں میں جنگ چھڑ گئی۔ جوشِ جہاد میں آپ ترکوں کی فوج میں شامل ہو گئے۔ اور انگریزوں سے جنگ کرتے رہے۔ جنگ میں آپ نے قتل و خونریزی کے مناظر دیکھے۔ اور مسلمانوں کو میدانِ کارزار میں تڑپتے اور شہید ہوتے ہوئے دیکھا۔ ان حالات سے آپ کی طبیعت پر بہت اثر ہوا۔

پھر ایک دن یوں ہوا۔ کہ آپ ترکی فوج سے نکل کر آ رہے تھے۔ تو آپ پر پے درپے گولیاں چلنے لگیں۔ خدا کی قدرت سے آپ کے کوئی گولی نہ لگی۔ البتہ ایک گولی آپ کی ٹوپی اڑا لے گئی۔ جب آپ قریب آ گئے۔ اور فائر کرنے والوں نے پکار کر نام و پتہ پوچھا۔ تو آپ نے اُردو میں جواب دیا۔ اتفاق سے وہ ایک ہندوستانی

رجمنٹ تھی۔ انہوں نے آپ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ اس اثناء میں ان کے کچھ سپاہی ہندوستان آرہے تھے۔ ان کے ساتھ آپ کو بمبئی پہنچا دیا گیا۔ بمبئی سے پولیس کی نگرانی میں رام پور لائے گئے۔ آپ نے سرپرست کے طور پر مظہر حسین خاں صاحب کا نام بتایا۔ وہ اس وقت تحصیل ملک میں تعینات تھے۔ ایک روز شام کے وقت نگران سپاہیوں نے آپ کو مظہر حسین خاں صاحب کے ہاں پہنچا دیا۔ اور مظہر حسین خاں صاحب سے آپ کے پہنچنے کی تحریراً تصدیق لے لی۔ رام پور سے اختر مہدی صاحب نے مطلع کیا ہے۔ کہ وہ ٹوپی جس میں گولی سے سوراخ ہو گیا تھا۔ اب تک ان کے پاس موجود ہے۔

یہاں پہنچ کر آپ پھر ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گئے۔ مکان کے نزدیک آپ مسجد میں معتکف رہتے۔ اور خوراک بہت کم ہو گئی تھی۔ عام طور پر آپ کا کھانا مسجد میں ہی بھیج دیا جاتا تھا۔ مسلسل روزے رکھنے سے کمزوری بھی لاحق ہو جاتی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ نفس کشی کے اِن مراحل سے کامران گذرے۔ اس دوران میں آپ رام پور سے باہر مختلف بزرگوں کے مزاروں پر بھی جاتے رہے۔ اور وہاں چلّہ کشی رہے۔

آپ کو اپنا وہ کشف یاد تھا۔ جو آپ نے حضرت غوث الاعظمؒ کے مزار پر دیکھا تھا۔ اب آپ اس انتظار میں تھے کہ مرشدِ کامل نظر آئے۔ تو اس کی زیرِ ہدایت سلوک کی منازل طے کریں۔ سلوک کا راستہ مرشد کے بغیر طے نہیں ہوتا شوق اور جذبے کے ساتھ ظاہری طور پر بھی مرشد کا ہونا بہت ضروری ہے۔ وگرنہ یہ راستہ خطرات و وساوس سے پُر ہے۔ کتنے ہی نہنگ منہ پھاڑے منتظر ہوتے ہیں۔

کہ مردِ راہ کو لقمۂ اجل بنادیں۔

دامِ ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گذرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کو شروع سے ہی یہ ضرور معلوم تھا۔ کہ آپ روحانی دنیا میں بلند مقام حاصل کریں گے۔ آپ نے ایک بار رؤیا میں دیکھا کہ ایک کاغذ کے دونوں طرف کچھ لکھا ہوا ہے۔ ایک طرف لکھا ہوا دیکھا "خاتمہ خراب ہوگا"۔ دوسری طرف لکھا تھا۔ "بادشاہِ غوث وقطب ہوگا"۔ پہلی بات آپ کے بھائی کے بارے میں تھی جس کے متعلق آپ سوچتے ہوں گے۔ کہ شاید کبھی مسلمان ہوجائے۔ اُس کے بارے میں بتادیا گیا۔ کہ ایسا نہیں ہوگا۔ دوسری بات آپ کے اپنے بارے میں بشارت تھی۔ کہ اولیاءاللہ میں بھی آپ کا شمار خواص میں ہوگا۔

رامپور میں ایک دن آخر وہ بزرگ مل گئے جس کی صورت بغداد میں کشف میں نظر آئی تھی۔ ان کا نام خواجہ محب حسن عرف پیارے میاں تھا۔ ان کے خاندان میں سلوک وتصوّف کی تعلیم وتلقین کا سلسلہ چلا آرہا تھا۔ روحانی تربیت کے معاملے میں آپ بڑے سخت گیر تھے۔ اپنے مریدوں کو کسی رورعایت کے بغیر ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رکھتے تھے۔ کئی سالکین ان کی کڑی نگرانی اور یا ضابطہ طبیعت کی شدّت کی تاب نہ لاکر چلے بھی جاتے تھے۔ یا راہ میں رہ جاتے تھے۔ اِن بزرگ کا انتقال رام پور میں ہی ہوا۔ رام پور میں "لال کواڑوں والے پیارے میاں" مشہور ہیں[ل]۔

[ل] اصل میں آپ کے خاندان کے تمام بزرگ "لال کواڑوں والے" باقی حاشیہ پیج ۵۴ دیکھیو

حضرت حاجی عبداللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ رویا میں دیکھی ہوئی شکل پہچان کر حضرت خواجہ محب حسنؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے بیعت ہو گئے اور پھر بارہ سال اُن کے ساتھ سفر و حضر کی حالت میں رہ کر روحانی سلوک میں تربیت پائی۔

آپ نے ایک مرید کی حیثیت سے تمام آداب ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے مرشد کی مکمل اطاعت کی۔ بارہ سال کی طویل مدت میں آپ اس طرح مرشد کے زیر فرمان رہے۔ جیسے ایک شیخ طریقت کے قول کے مطابق مردہ غسال کے ہاتھ میں ہوتا ہے یا کپڑا دھوبی کے ہاتھ میں سخت ترین ریاضتوں

(گذشتہ سے پیوستہ) کے نام سے معروف ہیں۔ رام پور میں یہ ایک مشہور فیض رساں خاندان تھا جس کے مشائخ حق کے طالبوں کو سلوک کی تعلیم دیتے تھے۔ لیکن اب اس خاندان کا فیض صرف حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے توسل سے ہی جاری ہے۔ کیونکہ خواجہ محب حسن رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ایک تو کوئی ایسا باصلاحیت سجادہ نشین نہ نکلا۔ جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی ہمت طالبوں کی تعلیم و تربیت پر صرف کرتا۔ اور دوسرے کچھ عرصہ کے لئے گدی چلتی رہی۔ مگر اب سنا ہے۔ لال کوارٹر والے بزرگوں کے آخری سجادہ نشین شاہ محمد میاں صاحب کا بھی انتقال ہو چکا۔ مکانات وغیرہ بک چکے۔ اور اب وہاں تالا پڑا رہتا ہے۔

میں سے سلامتی کے ساتھ گذرے۔ کثرت سے ذکر کیا۔ اور قلب کو اپنی ہمت سے اس قدر مصفا و متجلّٰی کر دیا۔ کہ اُس میں آفتاب سے زیادہ روشنی پھیل گئی اور کشف کا ملکہ اس قدر قوی ہوا۔ کہ دنیا و مافیہا کے اسرار منکشف ہونے لگے۔ مگر ضبط کا یہ عالم رہا۔ کہ محبوب کے سرّ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیا۔ صرف مرشد کو علم تھا۔ کہ اُن کا مرید کن احوال و مقامات سے گذر رہا ہے۔ آپ کے مرشد کہتے تھے۔ کہ یہ شخص اس قدر مقبول ہے۔ کہ اس کے متعلق کوئی شکوہ بارگاہِ الٰہی میں نہیں سنا جاتا۔ سر تا سر مقبولیت کی اس سے بڑی مثال اور کہاں سے مل سکتی ہے۔

تمام روحانی تجربات یعنی مجاہدہ و مشاہدہ اور مواجید و کیفیات سے گذر کر آپ چشتیہ صابریہ سلوک میں انتہائی منزل تک پہنچے۔ آپ کے ساتھ جس قدر ہم طریقت تھے۔ ان میں سے کوئی ابتداء میں رہ گیا۔ اور کوئی وسط میں۔ حتّٰی کہ جب آپ قطبیت کے مقام سے گذرے۔ تو صرف آپ ہی اس مقام پر کامران و بامراد رہے۔ ورنہ باقی سب کے سب محاسبے کی زد میں آکر گر گئے یا پیچھے رہ گئے۔

سلوک کی تکمیل کے بعد آپ قلندرانہ سیر و سیاحت میں رہتے تھے۔ آپ کے پاس صرف ایک تھیلا ہوتا تھا۔ اس کے اندر ایک دو کپڑے اور ضروری چیزوں کے علاوہ قلم دوات اور ایک نوٹ بک ہوتی تھی۔ جس میں آپ اپنے رویا لکھ لیا کرتے تھے۔ یہی رویاء باطنی ہدایت کا ذریعہ بھی تھے۔ اور انعامات الٰہی کی بشارت کے لئے واسطۂ پیغام بھی۔ چونکہ شروع سے اس طرح رویاء کی یادداشتیں تحریر کرنے کا طریق رہا۔ اس لئے بہت سی خوابوں کی کتابیں

جمع ہو گئیں۔ جن میں سے بعض ضائع بھی ہوئیں اور بعض احباب کے پاس محفوظ رہ گئیں۔ عمر کے آخری سال میں جب آپ ملک (رام پور) سے روانہ ہوئے تو اس قسم کی بہت سی کتابیں آپ نے جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین قبلہ کے سپرد کر دی تھیں۔ وہ اب تک ان کی تحویل میں ہیں۔ جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ کی عنایت و شفقت کے طفیل اس فقیر کو بھی بعض کتابیں دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔ پڑھ کر اندازہ ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ کو قرب کا وہ مقام حاصل تھا۔ جو صرف اُمت کے نہایت برگزیدہ اور منتخب افراد کو ہی ملتا ہے۔ اپنے رویاء میں دنیا و آخرت کے بھیدوں سے بھی آپ کو خبر دی جاتی تھی۔ اور محبتِ الٰہی کے اسرار بھی آپ پر کھلتے تھے۔ روحانی مناصب کی خوشخبری سے بھی آپ کو سرفراز کیا جاتا تھا۔ اور تقدیر الٰہی کی کارکردگی کے بارے میں بھی آپ کو مطلع کیا جاتا تھا۔ ان رویاء میں وہ تمام باتیں مل جاتی ہیں۔ جو اس اُمت کے اولیاء اللہ کے موعودہ انعامات و نوازشات میں سے ہیں۔ اور جن کی بناء پر اس اُمت کے اولیاء کو بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

ان رویاء کی کتب سے آپ کے سفر و حضر کی تاریخ ترتیب دینے میں بھی آسانی پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ جب آپ خواب لکھتے تھے۔ تو اس کے ساتھ مقام و تاریخ بھی تحریر فرما دیتے تھے۔ چودھویں صدی کی تیسری دہائی کے اوائل سالوں کے رویاء سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ پہلے قطب کے مقام پر فائز ہوئے اور پھر آپ کو اللہ نے غوثیت کا منصب عطا فرمایا۔

آپ کو اللہ نے وہ تمام روحانی قوتیں عطا فرمائیں۔ جو رتبۂ غوثیت کے

ولی کو حاصل ہوتی ہیں۔ مثلاً آپ کو طئے ارض کی طاقت دی گئی تھی۔ آپ مختلف جگہوں پر بیک وقت حاضر ہو کر عالم ظاہر و باطن میں تصرّف کر سکتے تھے حضرت ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ بیان کرتے ہیں، کہ ایک بار حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت کچھ علیل تھی۔ اور وہ آپ کا بدن دبا رہے تھے۔ کہ انہوں نے اولیاء اللہ کے طبقۂ ابدال کی بات شروع کر دی۔ اور اثنائے گفتگو میں پوچھ لیا۔ کہ آپ بیک وقت کتنی جگہ حاضر رہ کر کام کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا "سات جگہ" ڈاکٹر صاحب قبلہ نے پوچھا "اللہ کا ایک ولی بیک وقت کتنی جگہ حاضر ہو سکتا ہے؟" آپ نے جواب دیا۔ "اکیس ۲۱ جگہ"

فقیر کے نزدیک سات جگہوں سے مراد ہفت اقلیم ہے۔ آپ غوث الزمان تھے۔ اس لئے پوری دنیا جسے قدیم جغرافیہ داں سات خطوں میں تقسیم کر کے ہفت اقلیم کہتے تھے۔ آپ کے تصرّف میں تھی۔ اکیس جگہوں پہ حاضری سے مراد شاید صالحین اور روحانیین کے اُن دیوانوں یا درباروں کی طرف اشارہ ہو۔ جو ظاہری و باطنی عوالم میں منعقد ہوتے ہیں۔ اور جہاں شرکاءِ صالحین کی رضا و رائے اللہ کی تقدیر کی ہم معنیٰ ہو جاتی ہے[۱]۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۱] یوں تو بے شمار کتب و رسائل صوفیاء میں غوث و قطب اور ابدال و اوتاد اور دیگر اہلِ خدمات اولیاء اللہ کے بارے میں معلومات مل سکتی ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں "ابریز" کا مطالعہ شاید زیادہ مفید ثابت ہو۔ جو حضرت سید عبدالعزیز دباغؒ کی تعلیم و سوانح کے بارے میں اُن کے ایک فقیہہ و عالم مرید احمد بن مبارک سلجماسی

(باقی ص۵۲ پر)

ان روایات کی یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں شاید ہی کسی ولی اللہ کا مزار ہوگا، جہاں آپ نہ گئے ہوں۔ اکابر مشائخ اور خاص طور پر چشتیہ طریقہ کے بزرگوں کے مزاروں پر تو آپ بار بار جاتے تھے۔ اور کئی کئی دن یا بعض دفعہ مہینوں وہاں معتکف رہتے تھے۔

سجاد علی خان قیصر رام پوری سے روایت ہے۔ کہ حضرت حاجی عبداللہ شاہؒ دہلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کئی سال معتکف رہے۔ ایک زمانے میں وہاں کے لنگر کا انتظام بھی آپ کے سپرد رہا۔ خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر ایک رسم چلی آرہی ہے کہ عرس سے پہلے خواجہ قطب صاحبؒ کے دربار سے کچھ درویش مہندی لے کر چلتے ہیں۔ اور جب تک وہ اجمیر شریف نہیں پہنچ جاتے۔ وہاں عرس کی تقریبات شروع نہیں کی جاتیں۔ ان درویشوں کا جو مہندی لے جاتے ہیں سرگروہ ہمیشہ وہ درویش ہوتا ہے۔ جو خواجہ قطبؒ کے دربار سے متعلق درویشوں میں کامل ہو۔ کئی سالوں تک یہ قافلہ حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی سرکردگی میں اجمیر جاتا رہا۔ آپ کا یہ منصب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ کے تحریری ریکارڈ میں درج ہے۔ قیصر صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اب بھی جب کوئی عقیدت مند

(گذشتہ سے پیوستہ) نے لکھی۔ اردو میں "خزینۂ معرفت" کے نام سے اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ اولیاء اللہ کی قوتِ سریان کے متعلق مذکورہ کتاب کا صفحہ ۷۹ اور دیوانِ صالحین کے لیے صفحہ ۳۸۳ کا مطالعہ خاصا معلومات افزا ہوگا۔

آپ کے حوالے سے وہاں حاضر ہوتا ہے تو درگاہ کے متولی اُس کا احترام آپ کی وجہ سے ملحوظ رکھتے ہیں۔

ایک بار آپ کے خلیفہ حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ قبلہ راجپوتانہ میں پوراوڑ کے قصبے میں قیام پذیر تھے۔ کہ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ ان کی وجہ سے اکثر وہاں جاتے رہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا۔ کہ میرے پاس کچھ رقم جمع ہو گئی ہے۔ وہ آپ کی نذر ہے۔ اگر آپ چاہیں۔ تو اس سے حج کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ آپ بھی ہمراہ چلیئے۔ مگر شاہ صاحب قبلہ نے عرض کی۔ کہ رقم کم ہے۔ آپ ہی جائیے۔ چنانچہ آپ وہاں سے حج کی نیت سے بمبئی روانہ ہو گئے۔

قدرت آپ کے عزم کی مؤید تھی۔ جب آپ بمبئی پہنچے۔ تو ایک صبح ایک تاجر آپ کے پاس آیا۔ کہ میں نے رات خواب میں آپ کو دیکھا ہے۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کو مکہ مکرمہ ساتھ لے چلوں۔ اس طرح اس کی معیت میں آپ مکہ پہنچ گئے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ایک سال آپ کا قیام رہا اس دوران میں دوبار آپ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ ایک حج آپ نے اپنے خلیفہ سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ادا کیا۔ اور کئی بار روضۃ النبی کی زیارت سے قلب و نظر کو منور کیا۔ مدت سے آپ کی خواہش تھی۔ کہ آپ انہی مقدس مقامات پر قیام فرما رہیں یہاں تک کہ جب وصال ہو۔ تو آپ کی تدفین و تکفین مکہ، مدینہ یا بغداد کی پاک سرزمین میں ہو۔ اب آپ وہاں پہنچ ہی گئے۔

تو اس دیرینہ خواہش نے زور پکڑا۔ اور آپ وہیں مقیم ہو جانے کے بارے میں سوچنے لگے۔

دوسرے حج کے ایام میں حضرت پیر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے درویش سائیں فقیر اللہ رح سے آپ کی ملاقات ہو گئی۔ اُنہوں نے آپ سے واپسی کے بارے میں کہا، تو حضرت حاجی صاحب قبلہ نے اپنے مستقل قیام کے متعلق ارادہ ظاہر فرمایا۔ سائیں صاحب رح جلالی طبیعت کے آدمی تھے۔ اُنہوں نے اصرار کیا۔ کہ آپ کو یہاں سے لے کر ہی جائیں گے۔ آپ متامل رہے۔ مگر سائیں صاحب رح بھی پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ اُنہوں نے پھر ضد کی۔ تو حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ روضۃ النبی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں ملتجی ہوئے۔ اور وہیں قیام فرما رہنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے عالم واقعہ میں دیکھا۔ کہ رسول کریم ؐ نے بڑی شفقت فرمائی۔ لیکن کہا، کہ آپ کو ہندوستان واپس جانا ہی چاہیئے۔ آپ نے پھر کہا۔ تو حضور نے فرمایا، "نہیں۔ آپ کو جانا ہی چاہیئے۔ اویس ؓ نہیں مانتے"۔

اویس سے مراد حضرت خواجہ اویس قرنی رض ہیں، جن سے حضرت پیر ابراہیم صاحب رح کی وساطت سے آپ کا شجرۂ ارادت جا کر ملتا ہے۔ اس واقعہ سے آپ کی اویسیہ سلسلہ کے ساتھ قوی نسبت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ اور یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اگرچہ حضرت پیر ابراہیم رح کے ہاں سے آپ چلے گئے تھے۔ مگر آپ نے ان کے تلقین کردہ اوراد و وظائف جاری رکھے۔ اس طریقہ کا فیض آپ تک پہنچتا رہا۔ اور بعد ازاں گو مشائخ چشت سے وابستۂ داماں ہو کر اپنے سلوک کی تکمیل آپ نے چشتیہ نظامیہ و صابریہ طریقہ میں کی۔ اور حسب دستور زمانہ یخ تصوف

میں اُسی سے منسوب ہوئے۔ مگر اویسیہ طریقہ کے ساتھ جو نسبت حضرت پیر ابراہیمؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ قائم ہوئی تھی۔ وہ بہرحال قائم رہی۔ اس کا ایک اثر تو یہ ظاہر ہوا کہ طریقۂ اویسیہ کے صاحب سلوک سائیں فقیر اللہؒ کے اصرار پر آپ کو ہندوستان واپس آنے کے متعلق ارشاد ہوا۔ اور دوسری اہم بات یہ ہوئی۔ کہ جب آپ اپنے "مقامِ محمود" پر فائز ہو گئے۔ تو روحانی طور پر آپ کو یہ اشارہ بھی ہوا۔ کہ اب حضرت پیر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آتے جاتے رہا کرو۔ چنانچہ آپ یہاں بھی آنے جانے لگے۔

الغرض اویسی نسبت کی کشش آپ کو ہندوستان کھینچ لائی۔ اور پھر مشائخ چشت کا دربار اور مرکزِ ارشاد بھی یہی ملک تھا۔ لہذا آپ عرب سے لوٹ آئے۔ وہ جو آپ کی خواہش تھی کہ مکہ، مدینہ یا بغداد آپ کا مدفن بنے۔ تو اندریں بارہ اس وضاحت کے ساتھ آپ کو کشف یا رویاء کی صورت میں اطمینان دلایا گیا۔ کہ خواہ کوئی کہیں دفن ہو۔ مگر اپنے اعمالِ صالحہ کی بناء پر وہ ان مقدس مقامات کی برکت سے محروم رہتا ہے نہ ان سے دور ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کی کچہری اور دربارِ محمدیؐ کی حاضری میں کوئی بُعد یا مسافت مانع نہیں ہوتی۔

سائیں فقیر اللہؒ کے ساتھ آپ ہندوستان آ گئے۔ اور پھر حضرت پیر ابراہیمؒ کی خدمت میں بھی وقتاً فوقتاً حاضری دیتے رہے۔

اب کے جو آپ یہاں آئے۔ تو آپ کے روحانی مقام کے بارے میں صحیح علم یا تو صرف حضرت پیر ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہو گا۔ یا ایک دو اور آدمیوں کو بھی شاید کچھ اندازہ ہو۔ ورنہ چونکہ اپنی روحانیت کے افشاء یا اظہار کے معاملہ

ہیں آپ غیر معمولی ضبط کے مالک تھے۔ اس لئے یہاں کے عوام و خواص کو آپ کے متعلق یہ پتہ نہ چل سکا۔ کہ ان کے درمیان اپنے وقت کا غوث اور قطب الاقطاب موجود ہے۔ ظاہر پہ آپ کی گرفت اس قدر شدید تھی۔ کہ آپ پر کبھی اضطراری حالت طاری ہوئی نہ کبھی آپ مغلوب الحال ہوئے۔ یہاں کے لوگوں کو بس اس قدر معلوم تھا۔ کہ یہ ایک درویش ہیں۔ جو حضرت پیر ابراہیمؒ کے پاس آیا جایا کرتے ہیں وہ انہیں "سائیں عبید اللہ" یا "سائیں حاجی صاحب" کے نام سے جانتے تھے اور انہی ناموں سے انہیں پکارتے تھے۔

کلیانوالا میں ایک صالح بزرگ حکیم مولوی عبدالحق (مرحوم) تھے، جو کہ حضرت پیر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے خسر تھے۔ انہیں حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی عظمت کا احساس ہوا۔ اور انہوں نے حضرت پیر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ سے ان کی مہمانداری کی اجازت لے رکھی تھی۔ جب آپ کلیانوالا تشریف لاتے۔ تو جناب حکیم صاحب موصوف کا گاؤں سے باہر ڈیرہ تھا (جو میانہ کھوہ کہلاتا ہے) آپ وہیں قیام پذیر ہوتے۔ اور آپ کے قیام و طعام کا بندوبست انہی کے ہاں ہوتا۔

آخری بار جب آپ یہاں تشریف لائے۔ تو حسب معمول حکیم صاحب (مرحوم) کے ڈیرے پر ہی قیام فرمایا۔ اس دوران میں آپ کو تیز بخار رہا اور دہن مبارک میں دانے نکل آئے۔ طبیعت زیادہ خراب ہونے لگی۔ وصال سے ایک دن پہلے لوگوں نے آپ کو قبرستان میں دیکھا۔ کہ جہاں آپ کی قبر بنی۔ وہاں کھڑے ہو کر آپ ہاتھ اٹھائے دعا کر رہے ہیں۔ دوسرے روز حکیم عبدالحق صاحب

کے ڈیرے پر ہی آپ نے ۵ صفر ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۲ء کو اس دار فانی سے رحلت اختیار کی جب آپ نے آخری سانس لی۔ تو اس وقت آپ کا سر مبارک مولوی بشیر صاحب کے زانو پر تھا۔ مولوی بشیر صاحب بھی آپ کے ایک عقیدت مند تھے۔ کلیانوالا کی مسجد میں امام الصلوٰۃ تھے۔ اور جب آپ کلیانوالا تشریف لاتے۔ تو یہ بھی آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ آپ کے رویاء کی آخری کتاب مولوی بشیر صاحب قبلہ کے پاس اس فقیر نے دیکھی تھی۔ مولوی صاحب موصوف اس وقت بقید حیات تھے۔ وہ خود کتاب دکھانے کے لئے آئے۔ اور فقیر کو اس کے مطالعہ کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔

کلیانوالا کے قبرستان میں ایک قطعہ مسافروں کے لئے وقف تھا۔ آپ کو وہاں دفن کر دیا گیا۔ اور قبر پر مٹی ڈال دی گئی۔ صرف ایک حکیم مولوی عبدالحق مرحوم تھے۔ جو ہر صبح نماز کے بعد چنبلی کے کچھ پھول چن کر لاتے۔ اور آپ کی قبر پر رکھ کر دعاء و فاتحہ پڑھ کر واپس چلے جاتے تھے۔ انہوں نے ہی پہلے آپ کی قبر کی دیکھ بھال کی۔ اور چھوٹے چھوٹے پتھروں اور روڑوں سے قبر کو نمایاں رکھا۔ پھر سیّد شبیر میاں نے جو رام پور سے جناب ڈاکٹر سیّد ابرار حسین صاحب قبلہ کے ساتھ ۱۹۴۹ء میں پاکستان آئے تھے۔ اور کچھ ماہ کلیانوالا میں قیام پذیر رہے۔ گاؤں والوں کی مدد سے ایک کچا کوٹھا بنا دیا۔ جسے پختہ دربار بنواتے وقت منہدم کیا گیا۔ سیّد شبیر میاں چند سال بعد واپس رام پور چلے گئے تھے۔

حکیم صاحب مرحوم جب تک زندہ رہے۔ باقاعدہ قبر کی زیارت اور

دعا و فاتحہ سے مشرف ہوتے رہے۔ اور جب ان کا انتقال ہوا۔ تو ان کی اس عقیدت کے پیشِ نظر اُنہیں حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی پائنتی دفن کیا گیا۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی خبر جب آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں کو ہندوستان میں پہنچی۔ تو ان کا رجوع قدرتی طور پر خود بخود اس طرف ہوا۔ حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ پورا وڑ (مارواڑ۔ راجپوتانہ) سے بغرضِ زیارت تشریف لائے اور واپس چلے گئے۔ مگر بعد ازاں وقتاً فوقتاً حاضری دیتے رہے۔ تا آنکہ مستقلاً یہیں آ رہے۔ تقسیم ملک کے بعد جناب ڈاکٹر سیّد ابرار حسین صاحب قبلہ جناب مستری عبدالجبار صاحب اور دیگر احباب و عقیدت مند یہاں آنے جانے لگے۔ اب یہاں کے مقامی باشندوں کو کچھ پتہ چلا۔ کہ "سائیں عبیداللہ" (یہاں کے اکثر لوگ اُنہیں سائیں عبیداللہ ہی کہتے تھے۔ اور بعض اب تک کہتے ہیں۔ جانے یہ کم علمی کی وجہ سے ہے۔ یا اُن کے لہجے میں عبداللہ بدل کر عبیداللہ ہو جاتا ہے۔) کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ بلکہ بہت پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔

جناب ڈاکٹر سیّد ابرار حسین صاحب قبلہ چمن (بلوچستان) میں تعینات ہوئے۔ مگر سردیوں میں تعطیلات پر یہاں آتے رہے۔ مستری عبدالجبار صاحب بھی چمن میں تھے۔ حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کو چمن سے لانے کے لئے گئے۔ اور کلیانوالا ساتھ لے آئے۔ یہ دونوں میاں بیوی کلیانوالا میں مقیم ہو گئے۔ تو اس طرح حضرت شاہ صاحبؒ اُن کے

ہاں آنے والے مہمانوں اور دیگر زائرین کی خدمت کا انتظام ہو گیا۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵۰ء میں پاکستان تشریف لائے۔ اور حیدر آباد میں کچھ دن مقیم رہنے کے بعد پاکپٹن میں حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکرؒ کی درگاہ پر معتکف ہوئے۔ یہاں آپ کو خیال پیدا ہوا۔ کہ باقی ماندہ حیات کے لئے یہیں معتکف رہیں، مگر روحانی طور پر آپ کو حکم ہوا۔ کہ اپنے مرشدِ کامل غوث الاغیاث اور قطب الاقطاب حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر جا کر رہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لائے۔ مگر پہلے پہل مستقل قیام پر طبیعت نہ مانتی تھی۔ مزار کی جگہ غیر آباد اور وحشت ناک تھی۔ مگر بعد میں جب یہاں رہنے لگے۔ تو آپؒ نے مزار پر گنبد کی تعمیر شروع کروا دی۔ ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ بھی تشریف لاتے رہے، اور مالی لحاظ سے آپ کی ذاتی آمدنی کا کثیر حصہ موجودہ روضہ کی تعمیر و تکمیل پہ خرچ ہوا ہے۔ آہستہ آہستہ روضہ بن گیا۔ اور کچھ حجرے بھی بنا لئے گئے۔

حکیم نور زماں صاحب نے مستری عبدالجبار صاحب قبلہ کو جگہ مکان کے لئے دے دی۔ وہاں وہ اپنا لوہے کے اوزار بناتے اور سائیکلیں مرمت کرنے کا کاروبار کرنے لگے۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ کہ یہاں کے علاقے، یہاں کے لوگوں اور اُن کے خصائل کو دیکھ کر جی کڑھتا تھا۔ اور کئی بار اُنہوں نے یہاں سے چلا جانا چاہا۔ خاص طور پر جب کچھ شریر صفت لوگوں نے

مستری عبدالجبار صاحب کے ہاں سے رات کو سامان چوری کیا۔ تو آپ کو بہت دُکھ ہوا۔ چوری کے واقعہ کے چند ماہ بعد شاہ صاحبؒ قبلہ حیدر آباد تشریف لے گئے۔ وہاں زیادہ قیام کا خیال ہوا۔ تو آپ کو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیدار ہوا۔ اور آپ خود بیان فرماتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور مجھے یہاں لاکر چھوڑ گئے۔ اس طرح آپ کا یہاں مستقل قیام عمل میں آیا۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ قبلہ جب آکر مزار پر معتکف ہو گئے۔ تو لوگوں نے آپ کے پاس آنا جانا شروع کیا۔ آپ کی نیکی، تقویٰ، دنیا سے بے نیازی، خلقِ خدا سے ہمدردی اور عبادت وزہد سے متاثر ہوئے اور دعا و برکت کے لئے آمدورفت شروع کی۔ جب لوگوں نے آپ کی پے در پے کرامات دیکھیں۔ اور آپ کی روحانیت کے معترف ہوئے۔ تو انہیں حضرت عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی فضیلت کا پتہ چلا۔ جن کے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مرید باصفا اور خلیفۂ اعظم تھے۔

حضرت سید وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ ہی لوگوں کو معلوم ہوا۔ کہ حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے غوث اور کاشف القلوب بزرگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو کسمپرسی اور مسافرت کے پردے میں چھپا رکھا تھا۔ نیز یہ کہ آپ کی خدا کے ہاں مقبولیت کا یہ عالم ہے۔ کہ کوئی دُور سے آپ کا یا آپ کی قبر کا بھی تصور کرے تو اُس کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ یہ آپ سے خدا کا وعدہ تھا۔

لوگوں کی مشکل کشائی کے یہ واقعات جب عام ہوئے۔ تو اس طرف عوام کا رجوع بڑھا۔ اور آخری سالوں میں مزار کی طرف توجہ ہوئی۔ اس میں حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جو فتوح آتی تھی۔ وہ اُس پر صرف ہوئی۔ پھر حضرت سید ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہ نے اپنی آمدنی کا بڑا حصہ روضہ کی تعمیر پر خرچ کیا۔ آخری زمانے میں جب سنگِ مرمر کا فرش تیار ہوا۔ تو راولپنڈی کے کچھ عقیدت مندوں نے تمام اخراجات برداشت کئے۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا جب ۲۱ محرم ۱۳۹۷ھ کو انتقال ہوا۔ تو چار دیواری اور اس کے اندر کے حجرے سارے پختہ تعمیر ہو چکے تھے احاطہ خاصا کشادہ ہو گیا تھا۔ روضہ کی بارہ دری مکمل ہو چکی تھی۔ مزار اور بارہ دری کے فرش وغیرہ میں سنگِ مرمر بچھ چکا تھا۔ اور بجلی آ چکی تھی۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد جن بزرگوں کو آپ کے متبرک روضے اور اس کے اندر مزار کی رونق اور تعمیر کی خاطر خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ ان میں جیسا کہ اجمالی طور پر اوپر بیان ہوا۔ ایک تو بلاشبہ آپ کے خلیفہ برحق حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کی روحانیت یہاں آفتاب کی مانند چمکی۔ اور ہر کہ و مہ نے یہاں اپنے درمیان ایک ولی کامل کی شان دیکھی۔ اور اس بات کے شاہد ہوئے کہ ہاں، یہ اللہ کا خاص ولی ہے۔

مستری عبدالجبار یہاں مقیم ہو چکے تھے۔ انہوں نے زائرین اور مہمانوں کی خدمت کا کام سنبھالا۔ اسی خدمت کا اللہ نے انہیں یہ صلہ دیا ہے۔ کہ آج وہ اِس درگاہِ خلائق پناہ کے متولی و منتظم خاص ہیں۔

ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ کی قربانی، ایثار اور اپنے پیرِ طریقت سے محبت بے مثال ہے۔ آپ نے اپنی آل اولاد کے ساتھ اپنے پیر کے فیض روحانیت کو روضۂ مبارک کی صورت میں متشکل دیکھنے کے لئے جس قدر مالی امداد کی۔ اُس میں کوئی بھی آپ کا ہم پلہ نہیں ہو سکتا۔ آپ اب بھی اگرچہ بلوچستان میں قیام فرما ہیں۔ مگر ہر سال سردیوں میں یہاں آتے ہیں اور مزار کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہو جاتے ہیں۔ درگاہ پاک میں اب آپ کی نمایاں خصوصیت یہ ہے۔ کہ حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد شیخ تربیت کے منصب پر آپ ہی فائز ہیں۔

مقامی لوگوں میں حکیم مولوی عبدالحق مرحوم کا ذکر اوپر گذر چکا ہے۔ اُنہیں اور بعد میں اُن کے خاندان کو یہ امتیاز حاصل ہوا۔ کہ انھوں نے گاؤں میں اپنے مکانات کی جگہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین اوّل کے لئے وقف کر دی اپنی اس عقیدت وخدمت اور ایثار کی بدولت حکیم صاحب موصوف اور اُن کا خاندان بے پایاں الطاف وبرکات کا مورد ہوا۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث وقطب" رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہر سال باقاعدہ ۵ اور ۶ صفر کو عرس ہوتا ہے۔ تمام متوسلین ومخلصین درگاہ اور عقیدت مند دور دراز سے حاضری دینے کے لئے آتے ہیں۔ اور یہاں کی برکات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ آپ کے مریدوں کی ایک جماعت ہندوستان میں اور خصوصاً رام پور میں موجود ہے۔ وہاں وہ لوگ بھی باقاعدہ عرس کا اہتمام کرتے ہیں آج کل جناب سجاد علی خان قیصر اور جناب صابر رضا صاحب، عرس کی تقریب کا

اہتمام کرتے ہیں۔ جناب سجاد علی خاں قیصر بھی حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اولین متوسلین و مخلصین میں سے ہیں۔ اور جناب صابر رضا ایک صالح جوان ہیں جنہیں جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ کے ذریعہ سے فیض پہنچا۔ رام پور میں محلہ جھوٹے والی اہلی میں عرس کے موقع پر سماع کی محفلوں کا بندوبست ہوتا ہے۔ اور درود وسلام پڑھا جاتا ہے۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں زیادہ مرید نہیں بنائے۔ لیکن جن لوگوں نے آپ کو پہچانا۔ اور راہ سلوک میں آپ کا توسل ڈھونڈا وہ خدا رسیدہ ہو گئے۔ بیعت کے روایتی طریق پر آپ کا عمل نہ تھا۔ فرمایا کرتے تھے۔ "ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کرنا جاہلوں کے لئے ہے۔ تم رجوع کرو۔ فیض جاری ہو جائے گا۔" آپ کے خلیفۂ اعظم حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح طالبوں کے حال پر توجہ فرماتے تھے۔ اور اب جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ کا بھی یہی معمول ہے۔ طالبِ حق جذبۂ خالص کے ساتھ درگاہ پر حاضر ہو تو غوث و قطب ہر دو اولیاء اللہ کی روحانی طاقت اس کی رہنما بن جاتی ہے۔ اور موجودہ شیخ تربیت کی نگاہِ کرم بھی اسی کے ساتھ مشروط ہے۔ اس درگاہ پر طلاب رسمی پیری مریدی کے مروجہ طور و طریق اور غیر ضروری تکلفات سے آزاد رہتے ہیں۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے آزاد فقیر کی طرح زندگی بسر کی۔ حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ بار بار بیان فرماتے تھے۔ کہ ہمارے پیر صاحبؒ جب تک زندہ رہے۔ پھٹے حالوں میں رہے۔ لیکن اللہ کے ہاں آپ کا رتبہ

بڑا بلند تھا۔

آپ کے طریق درویشی میں ایک خصوصیت بڑی نمایاں اور اہم نظر آتی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپ دورانِ سلوک حال و مقام کے اخفاء پر بہت زور دیتے تھے۔ مجھے ایک فقیر کے متعلق معلوم ہے۔ کہ آپ نے حضرت سید محمد وارث حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے توسل سے عالم واقعہ میں باطنی طور پر اُسے کچھ باتیں تلقین کیں۔ اور اُن میں سے ایک یہ تھی۔ کہ "اپنے آپ کو چھپا کر رکھو" خود آپ نے بھی ساری عمر اپنے آپ کو چھپا کر رکھا۔ آپ کی زندگی ذکرِ الٰہی اور عبادت میں اس قدر استغراق کے ساتھ گذری۔ کہ آپ نے ساری عمر تجرد میں بسر کی۔ جس دل نے اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں تمام علائق سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس میں ازدواجی تعلق کی گنجائش تھی۔ اور نہ کسی اور رشتے میں منسلک ہونے کی ضرورت محسوس کی جاسکتی تھی۔

آپ پر شیخ الاکبر حضرت محی الدین ابن العربی کی اصطلاح "ملامتی" صادق آتی ہے۔ جو اُنہوں نے ایسے بلند مرتبہ اولیاء اللہ کے بارے میں استعمال کی "جو اپنے باطنی عقیدہ کو اپنے تک محدود رکھتے ہیں۔ نہ تو عوام میں اُس کے اسرار کے افشاء میں مشغول ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کرتے ہیں۔ ملامتی شہرت کو ترک کرتے ہیں۔ اور عوام کی تعریف یا ملامت کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اُن کے دل سوائے خدا کے کسی کے سامنے مشغول نہیں ہوتے۔ وہ اُسی کے نور سے دیکھتے اور سنتے ہیں۔ چونکہ وہ غیب میں نہایت گہرے مستغرق رہتے ہیں۔ اِس لئے اُنہیں

اپنا حال بھی معلوم نہیں ہوتا"[1]

منصب غوثیت کے لحاظ سے آپ کو فتح کبیر حاصل تھی۔ اس لئے آپ کو کشف بہت ہوتا تھا۔ آپ کا قلب آفتاب سے زیادہ روشن تھا۔ مگر اپنا کشف آپ بہت کم ظاہر کرتے تھے۔ دلوں کے بھید آپ پر ظاہر ہو جاتے تھے۔ ایک بار کوئی آدمی اپنی ایک نو دس سال کی بچی کو آپ کے پاس لے آیا۔ جو بظاہر مخبوط الحواس تھی۔ اُسے خدشہ تھا کہ شاید اسے کچھ بیماری لاحق ہے۔ آپ نے دیکھتے ہی اُسے بتا دیا۔ کہ اس کے متعلق فکر مت کرو۔ یہ تو اللہ کے ہاں قبول کر لی گئی ہے۔ بعد میں لوگوں پر اس کی بہت سی باتیں ظاہر ہوئیں۔ غیب کی باتیں اُس کی زبان پر لوگوں کے سامنے کھلتی تھیں۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ اپنا تجربہ بیان فرماتے تھے کہ ایک بار وہ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ کے پاس بیٹھے دل ہی دل میں مسلمانوں کی حالتِ زار پر کُڑھ رہے تھے۔ اور سوچ رہے تھے۔ کہ ایک وقت تھا جب مسلمانوں کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اور اب یہ حالت ہے۔ کہ ہر جگہ ذلت اٹھانی پڑ رہی ہے۔ یہ حالت جانے کب تک جاری رہے گی۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے سر اٹھا کر انہیں مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔ کہ یہ حالت اُس وقت تک جاری رہے گی۔ جب تک۔ امام مہدیؑ کا ظہور نہیں ہوتا۔ تب مسلمانوں کو مکمل طور پر ایک بار پھر عروج حاصل ہو گا۔

---

[1] فتوحاتِ مکیہ بحوالہ دی مسٹیکل فلاسفی آف محی الدین ابن العربیؒ از عفیفی

آپ ہمیشہ اوراد و اذکار اور یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ رام پور میں قیام فرما ہوتے تھے۔ تو عام طور پر رات مسجد میں بسر کرتے اور ذکرِ الٰہی میں مستغرق رہتے۔ یٰسین خان آپ کے ایک کبرسن مرید تھے۔ وہ مسجد کے پاس ہی رہتے تھے۔ ایک دفعہ رات کو انہیں پانی کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو وہ مسجد کی طرف چلے آئے۔ جہاں کنواں بھی تھا۔ وہاں آ کر ان کی نظر مسجد میں پڑی۔ تو عجیب منظر دیکھا۔ حاجی صاحب قبلہ کے تمام اعضا الگ الگ پڑے تھے۔ اور ان سے ذکر جاری تھا۔ ان کے منہ سے شاید کوئی آواز نکلی۔ کہ یک لخت وہ اعضا یکجا ہو گئے۔ اور دیکھا۔ تو حاجی صاحب قبلہ سامنے بیٹھے تھے۔ یٰسین خان صاحب کو مبہوت کھڑے دیکھ کر آپ نے فرمایا "یٰسین خان! رات کو اس وقت اِدھر مت آیا کرو"۔

اس قسم کے ذکر کے واقعات صوفیاء کے تذکروں میں دوسرے بزرگوں کے بارے میں بھی ملتے ہیں۔

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ مریدوں کو ان کے ظرف کے مطابق اذکار تلقین فرماتے تھے۔ جس طرح مرید کو ریاضت کی ہدایت کرتے۔ خود بھی اسی حال میں رہتے۔ تاکہ مجاہدہ اس پر بار نہ بن جائے۔ آپ اگرچہ جلالی اثر کے اوراد بھی پڑھتے تھے۔ اور چہرے سے رعب اور جلال کی شان ظاہر ہوتی تھی۔ مگر طبیعت آپ کی جمالی شان کی مظہر تھی۔ آپ کبھی کسی کے نقصان کے درپے نہ ہوئے۔ کبھی دل میں تکبر آیا نہ کسی کے خلاف کدورت کو دل میں جگہ دی آپ زندگی میں نرم خو اور نرم دل تھے۔ اور وصال کے بعد بھی آپ کی

روحانیت زائرین کے لئے اللہ کے ہاں استجابت کے لئے بے قرار رہتی ہے
آپ کے مزار پر جو بھی آکر آپ کے توسل سے اللہ کے حضور میں دعا کرتا ہے
وہ قبول ہوتی ہے۔

آپ کو یہ کرامت دی گئی۔ کہ آپ کی قبر پر لا علاج بیماریوں میں مبتلا
مریض آئیں گے۔ اور شفایاب ہو کر واپس جائیں گے۔

سالکین کے لئے آپ کی روحانیت ذریعۂ ارشاد بنتی ہے۔ اور جذبۂ صالح
ہو، توفیق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ کتنے ہی اللہ کا قرب ڈھونڈنے والے ہیں،
جو اس امر کا تجربہ کر چکے ہیں۔ اور فیض یاب ہو رہے ہیں۔

آپ کے رویاء کی جو کتب اس فقیر کی نظر سے گذری ہیں۔ اُن سے جہاں
آپ کی روحانی عظمت و فضیلت اور آپ کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے۔
وہاں روحانی تعلیم کے اسرار بھی منکشف ہوتے ہیں۔ آپ کے رویاء روزِ روشن کی
طرح واضح اور صاف ہوتے تھے۔ جن کے ذریعہ آپ پر عوالمِ روحانی کے بھید
کھلتے تھے۔ ایک وقت آئے گا جب آپ کی رویاء کی یادداشتوں سے
آپ کے طریقۂ فقر کی تعلیمات مرتب و مدون کی جائیں گی۔ اور روحانی علوم کے طالبین
کے لئے روشن ضمیری کا باعث بنیں گی۔

آپ کے دیکھنے والوں میں سے جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ
ہمارے درمیان موجود ہیں۔ آپ بھی حضرت حاجی صاحب قبلہ کی طرف سے
صاحب اجازت اور ان کی روحانیت تک رسائی کے لئے واسطۂ فیض ہیں۔
آپ مریدوں کی جماعت میں اپنے پیر کی نظرِ کرم کے طفیل ایک ممتاز حیثیت کے

مالک رہے۔ آپ اللہ کے ان نیک بندوں میں سے ہیں جنہیں دیکھ کر خدا یاد آتا ہے۔ آپ نے حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ کے خصائل حمیدہ اور اُن کی عظیم روحانی شخصیت کے بارے میں اپنے مشاہدات پر مشتمل یہ تاثرات تحریر فرمائے ہیں۔ جن سے اس خاکے کی فرو گذاشتوں کی تلافی ہو جائے گی۔ آپ نے لکھا ہے:۔

"حضرت حاجی صاحبؒ بہت منکسر المزاج، خوش طبع اور خاموش طبیعت کے حامل تھے۔ ہر مسئلہ کو بہت جامع اور مختصر الفاظ میں حل فرماتے۔ خواہ وہ دینی ہوتا یا سائل کی ذات وغیرہ سے متعلق ہوتا۔ کشف بدرجۂ کمال رکھتے تھے۔ اور سائل کے سوال کا جواب اُس کے عرض کیے بغیر ہی باتوں باتوں میں دے دیتے تھے نماز باجماعت کے پابند تھے۔ صبح بعد نماز اشراق خواب تحریر فرماتے اور بعد نماز ظہر بھی۔ اگر کوئی حاضر ہو جاتا تو اس کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ لباس نہایت سادہ، کرتہ اور تہبند ہوتا۔ جوتا دیسی، سر پر کوئی کپڑا یا ٹوپی کپڑے والی برداشت نہ ہوتی۔ لوگ اعتراض کرتے تو فرماتے۔ کہ بھائی سر میں گرمی اس قدر ہے۔ کہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ کبھی صابری جلال کی صورت ہوتی۔ تو تمام مجلس پر سکوت طاری رہتا۔ غذا میں جو دستر خوان پر ہوتا وہ سب ایک جگہ گڈ مڈ کر کے تناول فرماتے اور جو پیش کیا جاتا۔ وہ تناول فرما لیتے۔ بچوں پر بہت شفقت فرماتے۔ فاتحہ وغیرہ کی شیرینی بچوں میں زیادہ تقسیم فرماتے اور کوئی بچہ رہ جاتا۔ تو اس کے لئے علیحدہ رکھ لیتے۔ جب آتا تو عنایت فرماتے۔

"رام پور میں مظہر حسین خان صاحب مرحوم کے مکان کے باہر ایک کمرہ قیام کے لئے مخصوص تھا۔ مگر قیام مسجد میں ہی فرماتے۔ مجھ ناچیز کو تو صرف ملک (رام پور)

میں حضور کے چند روزہ قیام ہی کا ایک معمولی سا مندرجہ بالا تجربہ ہے۔ اتنی کبھی بحث ہی نہ ہوئی۔ کہ کچھ دریافت کرتا۔ بلکہ میں بحیثیت مہمان تشریف فرماتے تھے۔ سفر وغیرہ میں کبھی ساتھ نہیں ہوا۔ حضورؒ پیسہ کوڑی کبھی پاس نہ رکھتے۔ آنے والا ٹکٹ بلانے والا پیش کرتا اور واپسی کا بھی وہی۔ صرف گلے میں لٹکانے والا تھیلا رہتا۔ جس میں سیفی شریف اور خواب کی کتاب قلم دوات رہتا اور بس۔ عبادات و ریاضات کے متعلق یہ معلوم تھا کہ بہت چلہ کشی کی تھی۔ اور زبردست عامل بھی تھے۔ تہجد گذار، اشراق، اوابین وغیرہ سب کے پابند تھے تنہائی پسند تھے۔ رات کو کسی کو اپنے ساتھ کمرے میں سونے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ خدمت خلق کا جذبہ تھا۔ غلاموں کی درخواست رد نہ فرماتے اور ان کے پاس تشریف لے جاتے۔ مریدوں کو حسبِ استطاعت اور قوت وظائف تعلیم فرماتے۔ بسم اللہ شریف اور درود اولیسیہ ضرور شامل ورد ہوتا۔ بعد نماز عشاء بزرگان عظام کے متعلق گفتگو فرماتے۔ جو تعلیمی ہوتی۔ عشقِ محمدی بدرجۂ اتم حاصل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام گرامی ایک بجلی کی کرنٹ کا کام کرتا۔ چہرہ سُرخ ہو جاتا اور جو فرماتے۔ پر کیف بیان ہوتا"

سفر کے متعلق نوٹ تحریر فرمایا ہے:

"ہر سال اجمیر شریف اور پیرو کہ حضرت صاحب کے پاس ضرور حاضری ہوتی تھی۔ دہلی بھی تشریف لے جاتے تھے۔ اور بزرگانِ دین کے مزارات پر بھی حاضری ہوتی تھی"

حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ نے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے نہایت درجہ انکساری سے کام لیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نہ صرف حضرت حاجی صاحب قبلہ کی صُحبت سے مستفید ہوتے رہے۔ بلکہ آپ ان کی طرف سے حسبِ ضابطہ اجازت بھی ہیں۔ اور اُن کا روحانی فیض آپ کے توسط سے جاری ہے۔

نذرانۂ عقیدت

بہ بارگاہ عالی مرتبت قطب العالم والزمان حضرت سید محمد وراثت شاہ رحمۃ اللہ علیہ

سلام اے غوثِ عالم، نورِ چشم غوثِ ربانی
سلام اے مظہرِ انوارِ رحمت نورِ یزدانی

سلام اے کاملِ فقر و غنائے مہرِ نورانی
سلام اے حاملِ جود و سخائے بحرِ رحمانی

سراپا منبعِ لطف و عطائے فضلِ صمدانی
فدائے روضۂ اجمیر وقفِ حکمِ سلطانی

مکمل تارکِ عقبیٰ مجسم طالبِ مولیٰ
شریعت تا حقیقت ہر قدم تعمیلِ قرآنی

مبارک ملک کو اپنے خصوصاً کلبا نوالہ کو
رسولِ پاکؐ نے بھیجے ہیں دونوں قطبِ ربانی

ہیں ساغر کوثر و تسنیم کے یہ آپکی آنکھیں
ملاحت روئے روشن ہے تجلی کوہِ فارانی

تبسم زیرِ لب تھا وقتِ رخصت اس لئے یارو
کہ صورت نقشِ دل کر لو کرو خونِ جگر پانی

قرار اب آئے گا کیسے؟ جدائی مار ڈالے گی
درِ دولت کے خادم رو رہے ہیں رکھکے پیشانی

درِ حضرت سے خالی ہاتھ جانا غیر ممکن ہے
حسینیؑ شاہزادے ہیں پسر محبوبِ سبحانی

نگاہِ خاص کا محتاج ہوں! محتاج ہوں! آقا!!
کرم کیجے طفیلِ احمدِ مختارؐ لاثانی،

وقارِ دل گرفتہ کو خبر دی ہے فرشتوں نے
شفاعت کے لئے کافی ہے حضرت کی ثنا خوانی

پروفیسر وقار احمد ایم۔ اے

قطب العالم حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت حاجی عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث وقطب" کے خلیفہ وجانشین تھے۔ آپ نے بھی سلوک کی تکمیل چشتیہ صابریہ ونظامیہ سلسلہ میں کی۔ لیکن پیر طریقت حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ سے دوسرے طریقوں کا فیض بھی پہنچا۔ صرف اویسی سلسلہ کا خلافت نامہ دستیاب ہو سکا ہے۔ جو درج ذیل ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

منکہ عبداللہ شاہ اویسی خلیفہ حضرت خواجہ غلام حسن اویسیؒ خلیفہ برہان الواصلین خواجہ شہاب الدین اویسیؒ، خلیفہ سلطان العاشقین حضرت سلطان بالا دین اویسیؒ خلیفہ حضرت سلطان التارکین محکم الارشاد والحق والدین بادشاہ سخی سلطان سہرانی خواجہ محکم الدین محبوب ربانی اویسیؒ خلیفہ حضرت زبدۃ النقبا امام الاصفیا، غوث العاشقین خواجہ پیر عبدالخالق اویسیؒ خلیفہ حضرت خواجہ اویس قرنیؓ خلیفہ حضرت سرکار دوعالم سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم خیراندیش نے مسمی سیّد محمد وراثت حسین شاہ کو اجازت خلافت دی ہے۔ کیونکہ شخص مذکور نہایت متقی، صحیح الاعتقاد راسخ الارادت والایقان ہے۔ تاکہ ہر خاص وعام کو اپنی بیعت میں لا کر ہدایت و راہ مسنون کا دسترخوان بچھائے۔ لہذا یہ تحریر

بطور سند ہے رُو برو گواہوں کے۔ تاکہ کوئی شخص اعتراض نہ کرے۔ کیونکہ یہ سلسلہ عالیہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ از سر نو پیدا نہیں۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ

مورخہ ۳۰ محرم ۱۳۵۳ھ منگوار　　　العبد عبداللہ اویسی

گواہ شد	مہر تصدیق	گواہ شد
فقیر اللہ اویسی	حضرت محمد ابراہیم اویسی	عنایت اللہ اویسی

قطب العالم حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۲۷ ہجری میں صفی پور (ضلع پٹنہ، صوبہ بہار) کے خاندان سادات کے ایک معزز علمی و دینی گھرانے میں آنکھ کھولی۔ آپ کا نام رکھتے ہوئے شرفاء کے گھرانوں کے رواج کے مطابق حروف ابجد کی تعداد کے مطابق "تاریخ" کا لحاظ رکھا گیا۔ لہٰذا آپ کے نام "محمد وراثت حسین" سے آپ کی تاریخ پیدائش نکلتی ہے۔ جو ۱۳۲۷ ہجری ہے۔

آپ کے والد کا اسم گرامی سید وزیر علی تھا۔ اپنی زمینوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ طبابت کا شغل فرماتے تھے۔

حضرتؒ نے ابتدائی تعلیم گھر پر ہی مکمل کی۔ اور قرآن مجید حفظ کر لیا۔ بعد ازاں مزید تعلیم کی خاطر آپ مدرسۂ عالیہ رام پور میں داخل ہوئے اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے منشی کامل کا امتحان پاس کیا۔ مدرسہ عالیہ میں فارسی زبان و ادبیات

کی تعلیم آپ نے فارسی کے مشہور عالم سید اولاد حسین شاداں بلگرامی سے حاصل کی۔
آپ نے مدرسۂ فرنگی محل لکھنؤ میں عربی پڑھی۔ اور ساتھ ہی درس نظامی کا پورا نصاب پڑھا۔ وہیں آپ نے طب کا بھی مطالعہ کیا۔
مدرسۂ عالیہ رام پور کے زمانۂ تعلیم کے دوران آپ شاداں بلگرامی کے عقائد و نظریات سے بہت متاثر ہوئے۔ اگرچہ دل میں ایمان کی شمع تو جلتی رہی۔ مگر دماغ وساوس و خطرات کی آماجگاہ بن گیا۔ چنانچہ کئی سال تک آپ کے ذہن پر اُس تشکیک کا اثر رہا۔ جو شاداں بلگرامی کی عقلی و استدلالی بحثوں کا نتیجہ تھی۔ خوش قسمتی سے شاداں بلگرامی نے اپنی واحد تصنیف "روح المطالب فی شرح دیوانِ غالب" میں اپنے عقائد پر روشنی ڈالی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ شاداں بلگرامی کو جوانی کے زمانے میں مذہب و فلسفہ پر بحث کا بہت شوق تھا۔ کربلا گئے۔ تو وہاں بھی کئی دن طلباء سے اس موضوع پر مناظرہ رہا۔ کہ "مذہب نام محض اعتقاد کا ہے"۔ اور اس دعوے پر اُنہیں اصرار رہا۔ کہ "میں کسی مذہب کے عقلی ہونے کا قائل نہیں ہوں"۔
یوں رواجی طور پر وہ پکے اثنا عشری تھے۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ گفتگو اور درس جماعت میں وہ زورِ بیان مذہب کے عقلی نہ ہونے پر صرف کرتے تھے اور ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس طرح مذہبی اعتقادات کو منطق کی تیز دھار پر کاٹ پھینکتے ہوں گے۔ اور کس طرح طنز و تعریض کو کام میں لاتے ہوئے بار بار دہراتے ہوں گے کہ "کفرِ تحقیقی ایمانِ تقلیدی سے بہتر ہے"۔
آخری عمر میں بھی جب وہ یہ باتیں اپنے اعتقادات کے سلسلہ میں لکھنے

نہیں چوکے۔ تو ظاہر ہے جوانی کے زمانہ میں اپنے شاگردوں کو انھوں نے اپنی اس "خرد مندی اور خرد افروزی" سے کیوں محروم رکھا ہوگا۔

عقائد کے معاملہ میں منفی اثرات سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے۔ تو حضرت شاہ صاحبؒ قبلہ کے ادبی ذوق کی تشکیل میں نمایاں حصہ اُن کے اُستاد کا ہی نظر آتا ہے۔ شاداں اپنے تئیں "غالب پرست" کہتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ نے بھی غالب کو ہی پسند فرمایا۔ اور سینکڑوں اشعارِ غالب آپ کو یاد تھے جنہیں گفتگو کے دوران میں برمحل آپ پڑھا کرتے تھے۔

آپ کے بزرگوں کا خیال تھا کہ مدرسۂ عالیہ کی تعلیم سے فارغ ہو کر آپ طبابت کا پیشہ اختیار فرمائیں۔ لیکن جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے۔ تو ذہن میں کچھ شکوک و وساوس پیدا ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ پہلے اپنے عقائد کی گتھیاں سلجھا کر علمی و روحانی ہر دو سطح پر دل کا اطمینان چاہتے تھے۔ کیونکہ عقلیت و روحانیت کی کشمکش میں قلب کا سکون برباد ہو رہا تھا۔ ذہنی انتشار کے اس دور میں آپ نے دہلی کا سفر اختیار کیا۔ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت حاجی عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث و قطبؒ" سے پہلی بار ہوئی۔ آپ کو مزار پر حاضر ہوئے ایک دو دن ہوئے ہوں گے۔ کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ خواجہ قطبؒ صاحب کی درگاہ میں آپ جھاڑو ہاتھ میں پکڑے کھڑے ہیں۔ اور وہاں کے ایک خادم چادر چڑھانے کے لئے چلے آرہے ہیں۔ خواب میں یہ بھی آپ نے محسوس کیا۔ کہ یہ بقر عید کا دن ہے۔ آپ نے یہ خواب حضرت حاجی صاحب قبلہؒ

کی خدمت میں بیان کیا۔ جو اُنہی دنوں مزار پر تشریف لا چکے تھے۔ حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے تعبیر بیان فرمائی۔ کہ آپ ایک سال تک خواجہ قطب صاحبؒ کی درگاہ میں رہ کر جو کچھ عمل کریں گے۔ قبول ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ حیران ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ ہم تو چند دنوں کے بعد جانے والے ہیں۔ یہ ایک سال کا قیام کیسے ہو سکتا ہے۔ حاجی صاحب قبلہؒ نے فرمایا۔ آپ رہیں یا نہ رہیں۔ مگر اس کی تعبیر یہی ہے۔

پھر حالات نے کچھ ایسی صورت اختیار کی۔ کہ آپ کو ایک سال تک رہنا ہی پڑا۔ وہاں ایک صاحب مشتاق حسین نامی تھے۔ اُنہیں معلوم ہوا۔ کہ آپ فارسی کے عالم ہیں۔ تو انہوں نے درخواست کی۔ کہ میرے لڑکے کو فارسی پڑھا دیا کیجیئے۔ آپ نے انہیں بھی یہی کہا۔ کہ ہم تو جانے والے ہیں۔ کسی اور سے پڑھا لیجیئے۔ مگر وہ مصر ہوئے کہ جب تک آپ یہاں ہیں۔ آپ ہی پڑھانے لیجیئے۔ چنانچہ آپ وہاں رہ کر پڑھانے لگے۔ اور پھر مکمل ایک سال تک وہاں رہنا پڑا۔

وہاں ایک اور صاحب تھے۔ اشفاق نام تھا۔ انہوں نے حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ سے کوئی وظیفہ پوچھا۔ آپ کے بتانے پر جب انہوں نے پڑھنا شروع کیا۔ تو سچے خواب نظر آنے لگے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ نے وظیفہ کی اجازت لی۔ تو آپ کے بھی یہی ہوا۔ رفتہ رفتہ آپ کا دل روحانیت کی طرف مائل ہونے لگا۔

پھر جذبہ بڑھا۔ تو باقاعدہ بیعت ہونا چاہا۔ مگر کس سے بیعت ہوں یہ ایک مسئلہ تھا۔ بالآخر استخارہ کیا۔ تو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے

عالم واقعہ میں فرمایا۔ کہ ہمارے داروغۂ دربار سے بیعت ہو جایئے۔ آپ نے کچھ تأمل کیا۔ تو دوبارہ پھر یہی حکم ہوا۔ اور دکھایا گیا۔ کہ داروغۂ دربار حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یوں حضرت خواجہ قطب صاحبؒ کی توجہ سے آپ کو ان سے عقیدت پیدا ہو گئی۔

اشفاق صاحب نے تو حضرت حاجی صاحب قبلہؒ کے مرشد حضرت خواجہ محب حسنؒ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ جو انہی دنوں وہاں تشریف لائے تھے۔ مگر حضرت شاہ صاحب قبلہ نے حضرت حاجی صاحب "بادشاہ غوث و قطب" کا دامن پکڑا۔ اور سلوک کی تربیت لینے لگے۔

سچی خوابوں سے روحانیت کا ایک دروازہ کُھل گیا۔ وجدان جاگ اُٹھا تھا اور عقلیت کا پیدا کردہ طوفان ختم گیا۔ حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی وہاں ایک سال رہے۔ اور اس ایک سال کے عرصے میں حضرت شاہ صاحب قبلہ نے فقر و درویشی کے انتہائی مراتب تک پہنچنے کا عزم کر لیا۔ شیخ کامل کی صحبت میں رہ کر آپ کی طبیعت میں فقر کے جوہر چمک اُٹھے۔ اور روحانی عوالم کی فضا دل کو لبھانے لگی۔

آپ نے کشف میں دیکھا۔ کہ ایک چھوٹا سا حوض ہے۔ اور ایک مچھلی اُس میں تیر رہی ہے۔ اُس نے تڑپ کر چکر کاٹا اور بولی "حافظ ہے"

پھر چکر کاٹ کر بولی "عالم ہے"

پھر بیقراری سے تڑپی اور چکر کاٹ کر بولی "سالک ہے"

پھر اور بیقراری سے تڑپی اور چکر کاٹ کر بولی "عارف ہے"

پھر اور زیادہ بیقراری سے تڑپی اور چکر کاٹ کر بولی "عارف کامل ہے"
پھر اُس نے اسی طرح چکر کاٹا اور بہت زیادہ تلاطم پیدا کرتے ہوئے بولی
"اب ولایت ہے!"

حضرت حاجی صاحب قبلہؒ نے یہ کشف سنا۔ تو بہت تعریف کی اور فرمایا۔ کہ کس طرح بہترین انداز میں آپ کو اپنی منزلِ مقصود سے آگاہ کیا گیا ہے۔ اس سے آپؒ کو یہ بھی یقین ہو گیا۔ کہ ایک نہ ایک دن آپ ولایتؒ کا مرتبہ ضرور پائیں گے۔

ایک سال کا عرصہ طلباء کو فارسی پڑھاتے اور سلوک کی منزلیں قطع کرتے گذر گیا۔ اس مدت میں قدم قدم پر حاجی عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی جنہیں آپ ہمیشہ "پیر صاحب" کے لقب سے یاد کرتے تھے اور کرتے رہے، ظاہری و باطنی رہنمائی آپ کو حاصل رہی۔ اور آپ کے اعتقادات میں کچھ ٹھہراؤ پیدا ہونے لگا۔

ایک سال بعد پیر صاحب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے رخصت ہوئے آپ کو ہدایت کی۔ کہ سہارنپور میں حضرت شاہ ابو المعالیؒ کے مزار پر معتکف ہوں۔ اور ذکر و فکر میں مشغول رہیں۔ بظاہر اس کی وجہ یہ نظر آتی ہے۔ کہ خواجہ قطب صاحب کی درگاہ پر اژدہام رہنے کی وجہ سے یکسوئی میں خلل پڑتا ہوگا۔ پھر فارسی زبان کی تدریس کا کام اس پر مستزاد۔ اب ایسی جگہ ہی آپ کے لئے مفید ہو سکتی تھی۔ جہاں گوشہ نشین ہو کر آپ خدا کی یاد میں مصروف رہیں۔ اس سلسلہ میں پیر صاحب کی نظر انتخاب

صابر یہ سلسلہ کے بزرگ شیخ ابوالمعالی رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ پر پڑی۔ اور آپ حسبِ ہدایت وہاں تشریف لے گئے۔

یہ واقعہ شاید آپ کو یہیں پیش آیا۔ کہ آپ کو کوئی ایسا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کی گئی تھی۔ جس کے ورد کے دوران میں گوشت کھانا ممنوع تھا۔ مگر ایک روز گوشت دستر خوان پر دیکھ کر آپ کی طبیعت للچائی۔ اور گوشت کھا لیا۔ بس پھر کیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب الگ ہو کر وظیفہ پڑھنے بیٹھے۔ تو پیٹ میں سخت درد اُٹھا۔ یہاں تک کہ ناقابلِ برداشت ہو گیا۔ ساتھ کے حجرے میں ایک بنگالی درویش عبدالجبار نامی معتکف تھے۔ ان کو سارا ماجرا سنایا۔ انہوں نے کچھ پڑھ کر دم کیا۔ تو قے آگئی۔ مگر درد کچھ باقی رہا۔ پھر ایک دوبار دم کیا۔ تو جو کچھ گوشت گوشت کھایا تھا سب نکل پڑا۔ تب کہیں درد ختم ہونے میں آیا۔ بعد ازاں کبھی جب پیر صاحب وہاں تشریف لائے۔ تو اُن کی خدمت میں سب واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا "اچھا ہوا۔ گوشت جو کھایا تھا نکل گیا۔ ورنہ مر جاتے"

اس واقعہ سے سبق بھی مقصود تھا۔ شاداں بلگرامی کی تعلیم کے مطابق آپ کے سامنے طبعی عوامل اور اُن کے طبعی نتائج تھے۔ مگر یہاں یہ عجیب بات واقع ہوئی تھی۔ کہ محض دم کر دینے سے درد میں بھی کمی آتی رہی اور پھر گوشت بھی نکل پڑا۔ اس سے روحانی اسباب پر بھی آپ کو یقین آنے لگا۔ اور یوں آپ روحانیت میں پختہ تر ہوتے چلے گئے۔

سہارنپور میں شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ علیہ کی درگاہ پر آپ زیادہ عرصہ قیام پذیر نہ رہ سکے۔ تنہائی اور علیحدگی کی بناء پر شاید آپ کو وحشت سی محسوس ہونے لگی

اور بالآخر پیر صاحب کی اجازت سے آپ واپس خواجہ قطب صاحب کی درگاہ پر آپہنچے۔ اور کچھ مدت یہیں ذکر وفکر میں محو رہے۔

چونکہ آپ کے فیض روحانی کی ابتداء حضرت خواجہ قطب صاحب کی درگاہ سے ہی ہوئی تھی۔ اس لئے آپ کی روح کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے خاص انس پیدا ہو گیا۔ یہ نسبت اس حد تک قوی طور پر قائم ہوئی کہ آئندہ کے لئے باطنی ہدایت آپ کو حضرت خواجہ قطب الدین صاحب کے ذریعہ ہی ملتی رہی۔ جب بھی کوئی اشارہ ہوتا۔ تو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ خواب یا کشف یا عالم بیداری میں سامنے آجاتے اور ہر امر کی وضاحت ہو جاتی۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ کا بھی ساری عمر یہ معمول رہا۔ کہ آپ ہر شب درود شریف کی تسبیحات پڑھ کر اُن کا ثواب حضرت خواجہ قطبؒ صاحب کی روح پُر فتوح کو بخش دیا کرتے تھے۔

آپ سلوک کے راستے پر گامزن تھے۔ مگر ابھی تک عقلیت پسندی کا فتنہ آپ کے دماغ سے مکمل طور پر فرو نہیں ہوا تھا۔ انہی دنوں کسی نے آپ سے ذکر کیا۔ کہ اجمیر شریف میں ایک بزرگ علی احمد باباؒ بہت بڑے صاحب کشف و کرامات ہیں۔ جسے قلبی اطمینان حاصل نہ ہو۔ وہ ان کو دیکھے یا ان سے ملے۔ آپ کو بھی شوق پیدا ہوا۔ کہ ان کی زیارت کی جائے۔ مگر زادِ راہ پاس نہ تھا۔ اس لئے غیبی وسیلہ کا انتظار کرنے لگے۔

اس موقعہ پر بھی حضرت خواجہ قطب صاحب کی باطنی توجہ نے کام آسان کر دیا۔ وہاں ایک حکیم صاحب تھے۔ ان کو خواجہ صاحب نے خواب یا کشف

میں حکم دیا۔ کہ یہ ہمارے خاص آدمی ہیں۔ انہیں اجمیر پہنچا دو۔ حکیم صاحب نے آپ کے سفر خرچ کا بندوبست کر دیا۔ اور آپ اجمیر شریف پہنچ گئے۔

احمد علی باباؒ کی عمر اس وقت اسی۸۰ سال کے لگ بھگ تھی۔ اجمیر میں حضرت خواجہ بزرگ کے مزار پر خادموں کے حجروں میں سے ایک میں رہتے تھے۔ حال یہ تھا۔ کہ داڑھی مونچھ صفاچٹ، رنگ گندمی، تن پر ایک لمبا سا کرتہ اور عام طور پر اپنے حجرے میں مراقب بیٹھے رہتے تھے۔ اور وہیں سے مزار شریف کی نگرانی کرتے تھے۔ ان کی نظر بصیرت پر سب کچھ مثلِ مہر نیمروز عیاں تھا۔ کبھی کبھی سر اُٹھا کر فرماتے۔ وہ دیکھو۔ مزار پر فلاں نے فلاں سے بدتمیزی کی۔ فلاں نے فلاں سے مذاق کیا۔ بلکہ اگر کوئی اپنے گھر کے اندر بھی کسی خراب حرکت کا مرتکب ہوتا۔ تو وہ بھی کبھی کبھی ظاہر فرما دیتے تھے۔ ایک اور عجیب بات اُن میں یہ تھی۔ کہ نماز روزہ کی پابندی نہ تھی۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ احمد علی بابا کا ایک خادم تھا، بمبئی کی طرف کا رہنے والا تھا۔ اور احمد علی بابا بھی اُدھر سے ہی تشریف لائے تھے۔ وہ بتاتا تھا۔ کہ ایک بار میں نے بابا سے نماز روزہ کے بارے میں پوچھا۔ تو کہنے لگے۔ کہ ہماری سب منزلیں طے ہو چکی ہیں۔ اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں۔ ظاہری عبادت سے اس بے نیازی پر اجمیر کے بعض ہر ری صاحبان غالباً معترض بھی ہوتے تھے۔ مگر باباؒ ان کی پرواہ نہ کرتے تھے۔[۱]

---

[۱] در فیوض الحرمین، میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں (ہانی صہ۸۱ پر)

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ جب پہلی بار ان احمد علی بابا کی
خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو باباؒ نے اُن کے ذہن میں چھپے ہوئے تشکیک کے
کانٹے کو دیکھ لیا۔ ابھی جا کر بیٹھے ہی تھے کہ انہوں نے آپ کو مخاطب کر کے
کہا "دیکھو، خواجہ صاحب کے مزار کو یہ مت سمجھو کہ پتھر پڑا ہے۔ زندہ موجود ہیں"
حضرت شاہ صاحب قبلہ آگاہ ہو گئے۔ کہ باباؒ نے عقیدے کی کمزوری
بھانپ لی ہے، اور پھر جب مسلسل باباؒ کی خدمت میں حاضری رہنے لگی۔ تو

(گذشتہ سے پیوستہ) "بہت سے اولیاء اللہ کو اس بات کا الہام ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ
نے تم سے تکلیف شرعی کو معاف کر دیا اور تمہیں طاعات کے معاملہ میں اختیار ہے
اگر چاہو کرو ورنہ نہ کرو۔" (ص ۷۲، مترجم عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی) آگے انہوں
نے اپنے والد محترم اور عم محترم دونوں کے الہامات کی روایت کی ہے۔ ان دونوں
بزرگوں کے مقاماتِ عالیہ کا بیان انہوں نے "انفاس العارفین" میں مفصل لکھا ہے
چچا کے بارے میں مندرجہ بالا اقتباس کے بعد فرمایا ہے کہ "وہ (عم محترم اقدس سرہ)
اس بات کی طرف مائل تھے۔ کہ کاملین سے تکلیف معاف ہو جاتی ہے"۔
"کتاب النفوۃ" میں حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ ابرار کی ایک قسم کے خصائص تحریر
فرماتے ہیں۔

"بعض آنہا ہستند۔ کہ ادعیہ باطن ایشاں را از اقداح شراب الفت ممور گردانیدند
و عین عقول ایشاں را بمطالعہ اسرار اخبار ملکوتی مشغول کردند۔۔۔۔ پس اعضاو جوارح
ایں قوم از قیام بحقوق عبادات ظاہر معزول گشت"۔ (ص ۵۱-۵۰)

یقین کی روشنی دل میں اُترنے لگی۔ یہاں تک کہ ظن وتخمین کی دنیا اور اس کی تاریکی بہت پیچھے رہ گئی۔ اور روحانی عوالم کی روشنی سے قلب و روح منور ہو گئے۔ آپ نے احمد علی باباؒ کی بے شمار کرامات دیکھیں۔ وہ اہلِ خدمات کے سردار تھے۔ اور خواجۂ بزرگ کی درگاہ میں خاص روحانی منصب پر فائز تھے۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ فرمایا کرتے تھے۔ "احمد علی بابا سے ہمیں بہت فیض پہنچا۔ اُن کو دیکھ کر ہمارا یقین درست ہوا۔ ورنہ جانے کب تک عقائد حجاب بنے رہتے وہ اس حد تک کاشف القلوب تھے۔ کہ ابھی کوئی خیال دل میں گذرا۔ اور انہوں نے اُسی کے متعلق بات کہہ دی۔ آخر میں تو اُن کے سامنے ڈر محسوس ہوتا تھا۔ کہ یہ دل کی چوری فوراً پکڑ لیتے ہیں۔"

کچھ عرصہ کے بعد احمد علی باباؒ کا وصال ہو گیا۔ تو حضرت شاہ صاحب اور دوسرے عقیدت مند ان کے خادم احمد سے اُن کی باتیں اور کرامتیں سنا کرتے تھے۔ مثلاً ان کی وفات کے بعد احمد نے بتایا۔ کہ باباؒ کا تعلق بزرگانِ سلسلہ اور اور دیگر اولیاءِ کبارؒ کی ارواح سے ایسا تھا کہ بارہا خود احمد کو بھی ان کی زیارت کا موقع ملا۔ مگر ایسے مواقع پر وہ اس قدر بے جان اور بے حس ہو جاتا تھا۔ کہ اس کے لئے حرکت کرنا ناممکن ہوتا تھا۔ جب یہ معاملہ ختم ہوتا تھا۔ تو پھر اس کی جان میں جان آتی تھی ان واقعات وحکایات کو سن کر شاہ صاحب قبلہ کا رہا سہا شک روحانیت اور اُس کے اسرار کے بارے میں ختم ہو گیا۔ اور آپ کا قلب نورِ ولایت سے پُر ہونے لگا۔

ڈیڑھ سال تک مسلسل آپ کا قیام حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں رہا۔ اس عرصہ میں عقائد کے بارے میں شک کی ساری باتیں ملیا میٹ ہو گئیں۔ اور سلوک کے راستے میں آپ کے قدموں میں استواری پیدا ہو گئی۔

اب یہ امر شاید مقدر ہوا۔ کہ آپ خلقِ خدا سے رابطہ قائم رکھتے ہوئے فقر کی ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہیں۔ باطنی ہدایت کی بناء پر آپ اجمیر سے ۲۸ میل دُور مکرانہ[۱] کے قصبہ میں پہنچے۔ اور وہاں سے آپ کو بوراوڑ جانے کا حکم ہوا۔ جو اُس سے ایک دو میل دور واقع ہے۔

بوراوڑ ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جہاں کے اکثر لوگ مکرانہ میں کام کاج کر کے واپس بھی آجاتے تھے۔ یہاں آپ ایک دکان پر آئے۔ جو وہاں کے خاندانِ سادات میں سے کسی بزرگ محمد اسحاق صاحب کی تھی۔ ان کے ساتھ کچھ تعارف ہوا۔ اور بات چیت کے بعد وہ انہیں اپنے گھر لے آئے۔ ایک دو دن ان کے ہاں رہنے کے بعد یہ بات طے پائی۔ کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ یہیں رہیں گے۔ اور محلے کے بچوں کو قرآن مجید پڑھائیں گے۔

بزرگ موصوف کے بھانجے سید حاجی شفیع محمد صاحب جو آج کل حیدر آباد (سندھ) میں کپڑے کی دکان کرتے ہیں۔ بتاتے ہیں۔ کہ اُس وقت

---

[۱] راجپوتانہ کے علاقہ میں مکرانہ سنگِ مرمر کی سلوں کے لئے مشہور ہے۔ اس لئے معروف جگہ ہے۔

وہ لڑکپن کی حدود میں تھے۔ جب حضرت شاہ ولایت پناہؒ وہاں وارد ہوئے تو جوانی کا عالم تھا۔ اور ریش مبارک کے بال سب سیاہ تھے۔ نیز حاجی صاحب موصوف بتاتے ہیں۔ کہ یہ ایک نیم آباد محلہ تھا۔ اور یہاں قرآن مجید کے پڑھانے اور ابتدائی مذہبی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ قبلہ کے آنے سے اس محلے پر برکت کا نزول شروع ہوا۔ اور اس کی آبادی بڑھنے لگی۔ اور بچے اور بوڑھے سب مل کر حضرت شاہ صاحب سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرنے لگے۔

کچھ عرصہ کے بعد آپ نے محلہ میں مسجد کی تعمیر شروع کرادی۔ اور جو کچھ آپ کو فتوح کے طور پر ملا۔ اس کی تعمیر پر آپ صرف کرنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ مسجد مکمل ہو گئی۔ اور درس کو اس قدر وسعت حاصل ہوئی۔ کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ کو کسی اور مولوی صاحب کی مدد درکار ہوئی۔ اس عرصہ میں آپ باقاعدہ مسجد میں پانچ وقت کی نمازوں میں امامت کے فرائض سرانجام دیتے رہے اور تدریس قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

تعمیر مسجد اور اس میں درس قرآن کا اجراء محض حضرت شاہ صاحب قبلہ کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ تھا۔ آپ کی کوششوں سے لوگوں کو بھی ترغیب ہوئی۔ اور وہ مالی طور پر ان کارہائے خیر میں معاون ہوئے۔

بعدازاں حضرت عبداللہ شاہ صاحب بادشاہ غوث و قطبؒ بھی تشریف لانے لگے۔ جب بھی آتے۔ تو اپنے مرید کو جو آپ ان کا خلیفہ بننے والا تھا۔ فیوض باطنی سے سرفراز فرماتے۔ اور کچھ دن وہاں قیام فرما کر رخصت ہو جاتے۔

تقریباً بائیس ۲۲ سال آپ کا قیام بوراوڑ کی بستی میں رہا۔

آپ کے وہاں قیام کے بعد چند سالوں میں تقریباً تمام محلہ کے لوگ قرآن مجید پڑھنا سیکھ گئے۔ حتّٰی کہ بہت سے بوڑھوں نے بھی قرآن مجید ختم کر لیا۔ جب ادھر سے سلسلہ اطمینان کے ساتھ رواں ہو گیا۔ تو آپ نے سلوک کی طرف زیادہ توجہ دی۔ آپ نے ایک امام الصلوٰۃ کا بندوبست کر لیا۔ اور خود اوقات کا بیشتر حصہ مسجد کے ساتھ تعمیر شدہ ایک مخصوص حجرے میں عبادت و ریاضت میں گذارنے لگے۔ کھانے وغیرہ کا بندوبست شروع سے ہی ہمیشہ الحاج سید محمد شفیع صاحب کے ہاں رہا۔

بوراوڑ میں ایک دفعہ آپ کے بڑے بھائی صاحب آپ کے پاس آئے۔ وہ دنیاداری کے معاملات کی طرف آپ کو راغب کرنے آئے تھے آپ کے رشتہ کا معاملہ بھی شاید درپیش تھا۔ مگر آپ نے کسی نہ کسی طرح ان معاملات میں حصہ لینے کے متعلق اپنی معذوری کا اظہار کیا۔ لوگ بتاتے ہیں، کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ ان کا بہت ادب کرتے تھے۔ لیکن اُن کی بات آپ نہ مان سکے۔ کہ دنیاداری کی طرف سے اب آپ کی طبیعت بالکل بے نیاز ہو چکی تھی۔ چنانچہ پھر ساری عمر تجرید و تفرید میں گذار دی۔

جب کبھی عرس کا موقع آتا یا شوق میں وفور کی کیفیت ہوتی۔ تو آپ اجمیر بھی تشریف لے جاتے تھے۔ بوراوڑ سے کئی بار آپ کے عقیدت مند اور شاگرد آپ کے ساتھ اجمیر گئے۔ اور وہ بھی حضرت علی احمد بارحمۃ اللہ علیہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

رفتہ رفتہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ کہ آپ صرف مسجد میں پڑھانے والے ملاں نہیں ہیں بلکہ اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرنے والے مردانِ حق میں سے ہیں۔ کچھ عرصہ کے لئے لوگوں نے یہ بھی دیکھا۔ کہ آپ ننگے سر اور ننگے پاؤں رہنے لگے۔ لیکن کوئی آپ سے کچھ کہتا یا پوچھتا نہیں تھا۔ سب جانتے تھے۔ کہ آپ درویشی کے سلسلہ میں اپنے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کے مطابق عمل پیرا ہیں۔

جب تک بوراوڑ میں قیام رہا۔ آپ بہت کم جھاڑ پھونک کی طرف توجہ دیتے اور تعویذ بھی بہت کم لکھتے تھے۔ اُس وقت بھی آپ کو اجازت تو تھی۔ مگر شاید اپنے اوقات کی تضیع کے خیال سے آپ لوگوں کا آنا جانا پسند نہ کرتے ہوں گے۔ کیونکہ زیادہ وقت اب آپ کا سلوک کی تکمیل اور ترقی میں گذرتا تھا۔ اس غرض سے آپ اجمیر کے علاوہ دوسرے بزرگوں کے مزاروں پر بھی حاضری دینے کے لئے کئی مقامات پر تشریف لے جاتے تھے۔ وہاں فاتحہ پڑھتے اور بزرگوں کی ارواح سے توجہ کے طالب ہوتے۔ اگر کوئی درویش مزار پر یا سرِ راہے مل جاتا۔ تو اُس سے بھی ملاقی ہوتے۔ اور ہمیشہ خیال رکھتے کہ اس ملاقات سے کوئی مفید مطلب بات حاصل ہو جائے۔

فرماتے تھے۔ کہ ایک بار آپ جودھ پور تشریف لے گئے۔ وہاں پہاڑوں کے درمیان ایک بزرگ شاہ تناؔ کا مزار واقع ہے۔ ارد گرد کوئی آبادی نہیں۔ مزار پر معتکف ایک درویش آپ کو ملا۔ جس نے بتایا۔ کہ وہ ایک منزل پر آکر رُک گیا ہے۔ آپ کے استفسار پر اُس نے واقعہ یوں بیان کیا۔ کہ وہ سیاحت

کے دوران میں علاقہ یو.پی میں بلند شہر کے قصبے کے باہر کسی مزار کے قریب رات بسر کرنے کے لئے ٹھہر گیا. رات کو ایک عورت آئی. اُس نے کہا کہ میرے ساتھ بدفعلی کرو ورنہ انہوں نے انکار کیا. مگر اُس نے دھمکی دی. کہ اگر ایسا نہیں کرو گے تو میں چیخ پکار کر دوں گی. کہ اس شخص نے مجھ پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی ہے. اس پر وہ ڈر گئے یا نفس کی خواہش نے ہی مغلوب کر لیا. چنانچہ زنا کا فعل سرزد ہونے کے بعد جو اپنے مقام سے گرے. تو اب تک اُٹھ نہیں سکے تھے. جب شاہ صاحب قبلہ کی اُس درویش سے ملاقات ہوئی. تو اُسے شاہ تنہاؒ کے مزار پر رہتے ہوئے چودہ[۱۴] سال گذر گئے تھے. مگر معافی نہ ہوئی تھی.

اس قسم کے واقعات سے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ عبرت حاصل کی. اور ہر بار جب کوئی ایسا واقعہ مشاہدے میں آیا. تو آپ نے تقویٰ اور روحانیت کی راہ میں سفر کرتے ہوئے کمر ہمت کو اور مضبوطی سے کس لیا. اور بڑھتے چلے گئے.

آپؒ فرمایا کرتے تھے. کہ ہم نے بہت سے درویشوں سے راہِ سلوک میں اُن کی معزولی و ناکامی کے اسباب کے بارے میں پوچھا. تو اکثر نے یہی بتایا کہ وہ شہوت کی منزل پر آ کر رُک گئے تھے.

اس سلسلہ میں ایک بار آپ نے اپنی ایک آزمائش کا واقعہ بیان کیا جو آپ کو سہارن پور میں پیش آیا تھا. وہاں ایک طبیب تھے شاہ مقصود احمد صاحب اُن کے ہاں آپ جا کر بیٹھا کرتے تھے. وہ بڑے کامل آدمی تھے جفر اور نجوم

کے بھی ماہر تھے، کسی زمانے میں وہ بھی سلوک و تصوف کے کوچہ کے مسافر رہ چکے تھے۔ ان کے ہاں آنے جانے میں تین ماہ گذر گئے۔ لیکن ان سے کبھی ذکر نہ کیا۔ کہ دل میں ایک تصویر جاگزیں ہو گئی ہے اور دل کی دنیا کو درہم برہم کئے دے رہی ہے۔ فرماتے تھے۔ کچھ لمحات تو بہت سخت تھے۔ لیکن قدم میں اللہ کے فضل سے لغزش پیدا نہ ہوئی۔ پھر آخر شدت کم ہونے لگی۔ اور آپ ثابت قدم نکلے۔ تب ایک روز حکیم صاحب نے آپ کو مبارک باد دی۔ آپ نے پوچھا "آپ کو کیسے معلوم ہوا؟" کہنے لگے۔ "بھئی، میں تمہیں دیکھتا رہا۔ کیونکہ میں خود اسی منزل پر آکر رہ گیا تھا۔"

حضرت شاہ ولایت پناہ کے ساتھ اللہ کا خاص فضل شاملِ حال رہا۔ اور آپ ہر مقام پر سے استقامت اور پامردی کے ساتھ گذرتے اور منزلوں پہ منزلیں قطع کرتے چلے گئے۔

بوراوڑ کے قیام کے زمانہ میں ہی ایک بار پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے ہاں تشریف لائے۔ تو آپ نے کچھ رقم نذر کی۔ اور ان کی بدولت حضرت پیر صاحب قبلہؒ حج کے لئے عازم سفر ہوئے۔ وہاں ایک سال آپ نے قیام فرمایا، دو بار حج کا فریضہ ادا کیا۔ دوسری بار آپ نے حج حضرت شاہ صاحب قبلہ کی طرف سے ادا فرمایا۔

جب سے آپ نے سلوک میں قدم رکھا۔ اور فقر کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ کبھی اپنے وطن صفی پور تشریف نہ لے گئے۔ البتہ دوسرے مقامات پر ضرور آتے جاتے رہے۔ تقسیم ملک سے پہلے ہی یا اس کے معاً بعد آپ کے بڑے

بھائی جو ڈاکٹر تھے بسفی پورے تمام اہلِ خاندان کو لے کر حیدر آباد دکن چلے گئے تھے۔ خاندان کی نقل مکانی کے بعد رشتہ داروں کے ساتھ اب آپ کا رابطہ نہ رہا تھا۔

ایک بار آپ نے رام پور کا سفر اختیار کیا تھا۔ اور تحصیلِ ٹانک میں جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین قبلہ اور دیگر یارانِ طریقت سے ملاقات کی تھی۔ اس سفر اور ملاقات کے پیچھے شاید حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایات کارفرما ہوں گی جن سے برادرانِ طریقت کے درمیان موانست و محبت کا تعلق پیدا کرنا مقصود ہو۔

۱۹۴۲ء میں حضرت حاجی عبداللہ شاہ رو یا دشاہ غوث و قطب رح کلیانوالا تشریف لائے، اور کچھ دن بیمار رہنے کے بعد وصال فرمایا۔ یہیں آپ کو دفن کیا گیا۔ اس وقت حضرت شاہ صاحب قبلہ پوراوڑ میں تھے، اپنے پیر صاحب کی وفات حسرت آیات کی اطلاع آپ کو وہیں ملی۔ آخری عمر میں بھی حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر آپ جس قدر محبت سے کرتے تھے اس کے پیشِ نظر اس حادثۂ جانکاہ پر آپ کے غم کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اب اگرچہ پیر صاحب رح کے ساتھ ظاہری زندگی کا رابطہ کٹ گیا تھا، مگر باطنی تعلق اس قدر استوار اور محکم ہو چکا تھا، کہ سلوک کی تعلیم و تربیت کے تسلسل میں سرِ مو فرق آنے کا بھی خدشہ نہ تھا۔ چنانچہ آپ کی باطنی ترقی کا سفر جاری رہا۔

جب آپ کو حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی خبر پہنچی تو آپ کلیانوالا تشریف لائے۔ حکیم مولوی عبدالحق مرحوم کے ہاں آپ نے قیام فرمایا۔ اور وہی آپ کو مزار کی زیارت کے لئے قبرستان میں اپنے ساتھ لائے۔

اُس وقت پیر صاحبؒ کی محض ایک کچی قبر تھی۔ جس کے ارد گرد اور بھی کئی نئی اور پُرانی قبریں موجود تھیں۔ حکیم صاحب نے حضرت شاہ صاحب قبلہؒ کی فراست اور اپنے پیرِ طریقت سے رابطۂ روحی و قلبی کا اندازہ کرنے کے لئے کہہ دیا "لیجئے۔ اب آپ اپنے پیر صاحب کی قبر خود پہچان لیجئے"۔ آپ قبروں میں سے ہوتے ہوئے ایک بار قبرستان کی آخری حدود تک چلے گئے اور پھر واپس آکر قبروں کے درمیان سے گذرتے ہوئے حضرت حاجی صاحبؒ قبلہ کے مزار کی پائنتی کھڑے ہو کر بڑے انکسار سے اور پُر یقین لہجے میں مگر بظاہر بطرزِ استفسار فرمایا "مولوی صاحب، یہی ہمارے پیر صاحب کی قبر تو نہیں؟"

حکیم صاحب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور آپ نے دعا کیلئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے اجمیر شریف کے قیام کے دوران میں حضرت خواجۂ بزرگؒ کی درگاہ کے ایک حجرے میں اہلِ خدمات کے سردار حضرت احمد علی باباؒ کو کئی بار کہتے سنا تھا "بزرگوں کے دربار میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ کہ ہندوستان آزاد ہو جائے گا" اور یہ کہ "ہندوستان آزاد ہو جائے گا۔ اور انگریز تو ایک رات میں یہاں سے چلا جائے گا۔ لیکن عام لوگ انگریزوں کے دور کے امن و امان کو یاد کیا کریں گے"۔

اور پھر ایک رات انگریز یہاں سے چلا گیا۔ اور امن و امان کا شیرازہ بکھر گیا۔ ہندوستان کا ملک دو حصّوں میں بٹ گیا۔ بھارت اور پاکستان۔ بھارت کے علاقہ میں رہنے والوں پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا۔ اور پاکستان کی طرف ہجرت شروع ہوئی۔

نکرانہ اور بوراوڑ کے مسلمانوں میں بھی ہلچل پیدا ہوئی، اور حضرت شاہ صاحب قبلہ کے بہت سے عقیدت مند پاکستان آ گئے۔ کچھ کراچی میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور کچھ خاندان حیدر آباد میں آ کر منقسم ہو گئے۔

بعض مسلمانوں گھرانوں نے اپنے آبائی گھروں کو چھوڑنے میں تأمل کیا۔ اور تقسیم کے بعد بھی ایک دو سال وہاں بسر سے گذر بسر کرتے رہے۔ قطب العالم حضرت سید وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ بھی کچھ مدت تک بوراوڑ میں بیٹھے رہے۔ اور یوں آپ کا وجود ان لوگوں کے لئے وجہ سکون و اطمینان بنا رہا۔ جو بعض اسباب کی بناء پر پاکستان نہیں آ سکے تھے۔

لیکن بالآخر ۱۹۵۰ء میں آپ پاکستان آ گئے۔ اور حیدر آباد میں اپنے پرانے عقیدت مندوں سے آ ملے۔ یہاں پہنچ کر آپ نے حسب سابق الحاج سید شفیع محمد صاحب کے ہاں ہی قیام فرمایا۔

حیدر آباد کے زمانۂ قیام میں آپ کو معلوم ہوا۔ کہ آپ کے چھوٹے بھائی سید منظور حسین شاہ صاحب لاہور میں آ گئے ہیں۔ اور گونگوں اور بہروں کے اسکول میں معلم ہیں۔ آپ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور تین ماہ تک ان کے گھر میں قیام فرما رہے۔ پھر آپ واپس حیدر آباد لوٹ آئے۔

بعد ازاں اتفاق سے آپ کے بھائی سید منظور حسین شاہ صاحب کا تبادلہ حیدر آباد میں ہی ہو گیا۔ حاجی شفیع محمد صاحب بتاتے ہیں۔ کہ ایک دن سید منظور حسین شاہ صاحب اُن کے گھر پہ تشریف لے آئے۔ اُن کی شکل اس قدر آپ سے مشابہ تھی۔ کہ حاجی صاحب کو اُن کے پہچاننے میں دقت نہ ہوئی۔ شاہ صاحب قبلہ

اُس وقت موجود نہ تھے۔ انہوں نے اپنے گھر کا پتہ دیا۔ اور پیغام چھوڑ گئے۔ کہ آپ جب لوٹیں۔ تو اُن کے ہاں تشریف لے آئیں۔ حضرت شاہ صاحب جب آئے۔ تو حاجی صاحب نے اُنہیں حضرت سید منظور حسین شاہ صاحب کی آمد اور اُن کی قیام گاہ کے پتہ وغیرہ سے آگاہ کیا۔ اور ساتھ ہی عرض کی۔ کہ اگر اجازت دیں، تو آپ کے ہمراہ چل کر آپ کو وہاں تک پہنچا دیں۔ آپ نے فرمایا "نہیں میں خود ہی چلا جاؤں گا" آپ گئے۔ مگر تھوڑی دیر بعد ہی لوٹ آئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں گھر تک پہنچ گیا تھا۔ مگر پھر اندر نہیں گیا۔ اور بھائی یا اُن کے بال بچوں سے ملے بغیر لوٹ آیا۔

معلوم ہوتا ہے۔ اللہ سے جو آپ نے فقر یا ترک دنیا کا عہد باندھا تھا۔ یہ تعلق اس کے منافی محسوس کیا گیا۔ اُس روز جو وہاں سے آپ آئے۔ تو پھر اپنے بھائی سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ سید منظور حسین شاہ صاحب کے متعلق صرف اس قدر معلوم ہو سکا ہے۔ کہ وہ گونگوں اور بہروں کے تعلیمی ادارہ سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ لیکن اب تک اُن کا پتہ ٹھکانا دریافت نہیں ہو سکا۔

فقر کی راہ ایسی ہے۔ کہ اس پہ سفر ہی سفر کا سلسلۂ دراز دور تک چلا گیا ہے فقیر احوال و مقامات اور مواجید و کیفیات سے بھی گذرتا ہے۔ اور امتحانوں اور آزمائشوں کی سختیوں اور تلخ کامیوں کا مزہ بھی چکھتا ہے۔ لیکن ہر آزمائش اُس کو بلند تر مقام کی نوید دیتی ہے۔ یوں ارتقاء کا لا انتہا سلسلہ جاری رہتا ہے کہ "منزلِ ما کبریاست"

آپ حیدر آباد میں تھے۔ کہ سلوک میں غیرت کی منزل سے گذرے۔

یہاں آپ کو ایک شدید آزمائش پیش آئی جس کا ذکر آپ کبھی کبھی اپنے خاص عقیدت مندوں کے سامنے کیا کرتے تھے۔ ذیل میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات (زیر تالیف) سے یہ واقعہ نقل کیا جا رہا ہے۔

فرمایا:

.... ہم حیدر آباد میں تھے۔ کسی نے ہمیں آکر کہا۔ کہ فوجی چھاؤنی میں ایک پیش امام کی جگہ خالی ہے، تنخواہ بھی معقول ہے، آپ، آیئے۔ وہاں آپ کو جگہ دلوائے دیتے ہیں۔ ہماری طبیعت ملازمت سے کراہت کرتی تھی۔ ہم نے کہا: "نہیں بھئی ہم سے یہ نہیں ہو سکتا"۔

رات کو حکم ملا۔ کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر بھیک مانگو۔

ہم نے جو اس ملازمت کو حقارت سے دیکھا تھا۔ یہ اُس کی سزا تھی۔ ہم نے کچھ دن ایسا نہیں کیا۔ لیکن برابر اشارہ ہوتا رہا۔ کہ داڑھی مونچھ منڈوا کر بھیک مانگو۔ ورنہ فقیری سے نام خارج کر دیا جائے گا۔

اب ہم ڈرے۔ آخر حیدر آباد سے نکلے اور جیچہ وطنی کے قریب پہنچے تو ایک سیفٹی لے کر خود داڑھی مونچھ صاف کر ڈالی۔ نائی کے پاس اس لئے نہیں گئے۔ کہ وہ کہیں یہ نہ سمجھ لے۔ کہ چوری کر کے آیا ہے۔ اور اب داڑھی منڈوا کر بھیس بدلنا چاہتا ہے۔ بہر صورت وہاں سے چل پڑے۔ جہاں جاتے لوگوں کے طعنے سنتے کہ اس بوڑھے کو دیکھو جس نے داڑھی مونچھ صاف کر رکھی ہے۔

دوسرا مرحلہ بہت سخت تھا۔ بھیک نہیں مانگی جاتی تھی۔ مگر آخر بہاول پور کے

ایک گاؤں کی ہیں جا نکلے۔ وہاں ایک ہندو کی دوکان پر ہمت کرکے کہہ ہی دیا۔ کہ اللہ کے نام پر کچھ دو۔ اُس نے دیکھتے ہی کہا، "ارے، تو بھکاری نہیں ہے سودا لینا ہے تو لے ورنہ جا!"

ہم نے کہا، "نہیں بھئی ہم فقیر ہیں۔ اللہ کے نام پر کچھ دیتے ہو تو دے دو"

جب وہ کچھ دینے لگا۔ تو اب یہ معلوم ہی نہ تھا۔ کہ اسے لے کر کہیں رکھنا بھی ہو گا۔ وہ ہندو تاڑ گیا۔ اور بولا۔ "ہونہہ، تو نے شاید بھیک بھی پہلی بار مانگی ہے"

ہم وہاں سے چل دیئے۔ آگے جا کر پاکپتن کے قریب ہمیں ایک پیر صاحب ملے۔ ہمارے واقف تھے۔ بڑی محبت سے پیش آئے۔ انہوں نے پوچھا۔ یہ کیا صورت بنائی ہے۔ ہم نے ساری کہانی سنا دی۔ غرضیکہ کچھ دن ان کے ساتھ رہ کر ہم وہاں سے پا پیادہ حضرت سلطان باہوؒ کے مزار پر گئے۔ اور عرض کی۔ کہ ہمیں دنیا نہیں چاہیئے۔ اللہ کی رضا کی خاطر سب کچھ کر رہے ہیں۔ ہماری مشکل حل کی جائے۔

وہاں تین چار دن رہ کر ہم ایک گاؤں میں پہنچے۔ اور خیال تھا۔ کہ یہاں سے فلاں طرف روانہ ہوں گے۔ مسجد میں ڈرتے ڈرتے گئے۔ کہ لوگ داڑھی مونچھ صاف دیکھ کر اچھا سلوک نہیں کریں گے۔ مگر اور جاتے کہاں۔ مسجد میں جا کر نماز ادا کی۔ نماز کے بعد امام مسجد نے پوچھا۔ آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ انہیں بتایا۔ تو وہ بڑے مہربان دکھائی دیئے۔ کسی سے کہا۔ انہیں کھانا کھلاؤ۔ پھر وہاں کے نمبر دار کو بلا کر کہا۔ کہ انہیں کچھ نذرانہ دو۔

اس سے ہم نے سمجھا۔ کہ عزت اور ذلت خدا کے ہاتھ میں ہے۔

وہاں سے اشارہ ہوا۔ کہ ملتان جاؤ۔ اور حضرت بہاؤ الدین ذکریاؒ کے مزار پہ حاضری دو۔

ملتان پہنچے۔ تو پہلے ایک مسجد میں جا اُترے۔ کہ کچھ دیر سستا کر مزار شریف پہ چلیں گے۔ ساتھ ہی دعا بھی کی۔ کہ اے اللہ مجھے دنیا نہیں چاہیئے۔ تیری رضا چاہیئے میری مشکل حل کر دے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیئے آنکھ لگ گئی۔ تو دیکھا کہ حضرت خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانیؒ تشریف فرما ہیں۔ ان کے ارد گرد کچھ کتابیں اور روز نامچے پڑے ہیں۔ وہ میری طرف دیکھ کر ایک پیش کار سے کہتے ہیں۔ کہ ہم نے اس سے پوچھ لیا ہے۔ اسے دنیا نہیں چاہیئے۔ اس لیئے اس کا نام فقیری میں لکھ لو۔

ہم حیران ہوئے۔ کہ ابھی تک ہم مزار پر تو گئے نہیں۔ لیکن محض روحانی توجہ سے نہ صرف ہماری مشکل بھانپ لی۔ بلکہ حل بھی کر دی"۔

حیدر آباد میں بھی آپ کا قیام مسلسل نہیں رہا۔ بلکہ ادھر اُدھر آپ کی آمد و رفت جاری رہی۔ جہاں سلوک کی منزلوں سے آپ مردانہ وار گذرے اور مقامات عالیہ کے کشف کا سلسلہ جاری رہا۔ وہاں آپ اپنے پیر صاحب "حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث وقطبؒ کے مزار پر حاضری دینے کے لیئے کلیانوالہ بھی آتے رہے۔ اور بزرگوں کے مزارات خصوصاً درگاہ حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکر (پاکپتن) پہ بھی حاضری دیتے رہے۔

اس مدت میں یہ ارادہ بھی آپ کے ذہن میں پختہ ہوتا رہا۔ کہ اب کہیں

جاکر مستقل طور پر معتکف ہو کے بیٹھ رہیں۔ اور عمر عزیز اللہ کی یاد اور اس کی عبادت میں گذار دیں۔ ایک موقعہ پر آپ نے سوچا۔ کہ پاکپٹن میں حضرت خواجہ فریدالدین مسعود رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر گوشہ نشین ہو جائیں۔ چنانچہ اس ارادہ کے تحت آپ پاکپٹن تشریف لے آئے۔

یہاں آپ نے اپنا وقت تلاوت قرآن پاک، نوافل نماز، اوراد و وظائف اور ریاضت و مجاہدہ کے لئے وقف کر دیا۔ لنگر سے جو روکھا سوکھا ملتا، آپ کھا لیتے تھے۔ اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔

جس طرح اجمیر شریف میں خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی کی درگاہ پر آپ کو علی احمد باباؒ ملے تھے۔ جو وہاں اہلِ خدمات کے سردار اور حضرت خواجہ بزرگ کے دربارِ ولایت اور ایوان روحانی میں پیش کار تھے۔ یہاں آپ کو مستان باباؒ ملے۔ اور ان کے ذریعہ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا فیض آپ کو پہنچا۔

چند سال ہوئے ہیں۔ مستان بابا کا انتقال ہو گیا۔ یہ بزرگ بھی ملامتیوں کے انداز میں بابا فریدؒ کی درگاہ پہ رہتے تھے۔ بظاہر از خود رفتگی کے عالم میں نظر آتے تھے۔ مگر حقیقت میں بڑے ضبط کے مالک اور صاحب بصیرت و معرفت تھے۔ اپنے تئیں چھپاتے کے لئے کہیں بھنگیوں چرسیوں کے پاس بیٹھ جاتے۔ تو کبھی افیمون کی دکان کے گرد چکر لگا رہے ہوتے۔ بوڑھے آدمی تھے۔ کسی وضع کی پابندی نہ تھی۔ اور نیم مجذوب دکھائی دیتے تھے۔

جب حضرت سید وارث حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہاں معتکف ہوئے تو مستان باباؒ آپ کے پاس آنے لگے۔ مستان بابا کا نام نبی بخش تھا

مگر مستان بابا کے لقب سے مشہور تھے۔ بہت میلے کچیلے رہا کرتے تھے حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے تھے۔ کہ ان کو دیکھ کر ہیں ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ کوئی آدمی جو ذرا سا ہوش رکھتا ہو۔ اس قدر گندا نہیں رہ سکتا۔ ضرور کوئی بات ہے

ایک بار ایسا ہوا۔ کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ عبادت میں مصروف تھے تو مستان باباؒ تشریف لے آئے۔ اور اپنے گندے کپڑوں کے ساتھ مصلّے پر بیٹھ گئے۔ آپ فرماتے تھے۔ ہم نے سوچا۔ کہ مستان باباؒ نے مصلّے گندا کر دیا ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ کہ اس نے اپنا مصلّٰے کیسے گندا کر ڈالا۔ ہمارے دل ہیں یہ خیال آیا ہی تھا۔ کہ مستان باباؒ بولے ”ہے کوئی سنتری فرشتہ، شیطان کو یہاں سے باہر نکال دو!“ اور ان کے یہ کہنے کے ساتھ ہی وہ وسوسہ ہمارے دل سے دُور ہو گیا۔

پھر آپ نے مستان باباؒ کی اور بہت سی باتیں دیکھیں۔ اور آپ کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ شخص جسے لوگ دیوانہ، چرسی، افیمی اور جانے کیا کیا سمجھتے ہیں۔ دراصل ولی اللہ ہے اور اہل خدمات میں سے ہے۔

باباؒ بڑے صاحبِ کشف تھے۔ ایک بار حضرتِ شاہ صاحب قبلہ ایک سالک کو ان کے پاس لے گئے۔ اور کہا۔ کہ یہ ایک منزل پر رُک گیا ہے۔ اس کے لئے کچھ کیجئے۔ بابا نے اُسے ڈانٹ کر کہا، ”ہمیں نہیں دیکھتے ہم اپنے آپ کو کیسے چھپائے رکھتے ہیں؟“ پتہ چلا۔ کہ ان صاحب نے کہیں عزت کچھ زیادہ کرالی تھی۔ اور اس مقبولیت پر جو کچھ فخر محسوس کیا تو راہ میں رُک کے رہ گئے۔ مستان باباؒ نے ان کی مشکل حل کر دی۔ اور

ترقی کی راہ کھل گئی۔

پاکپٹن میں درگاہ پہ پہلے پہل آپ کو کھانے کی تکلیف رہی۔ لنگر سے کبھی ملتا اور کبھی نہ ملتا۔ چنانچہ خاطرخواہ انتظام نہ ہوسکا۔ ادھر جو پیسا ٹکا آپ کو کہیں سے بطور فتوح کے ملتا۔ وہ آپ مستان باباؒ کی نذر کر دیتے تھے۔

آخر ایک دن مستان باباؒ آئے اور کہنے لگے۔ "ارے تو تو بہت غریب ہے۔ اچھا تیرا کھانے کا بندوبست کریں گے۔"

باباؒ تو یہ کہہ کر چلے گئے اور بندوبست اس طرح ہوا۔ کہ آپ کے ایک شاگرد وہاں درگاہ پہ آیا کرتے تھے۔ شاید یہ سید طفیل احمد خادم درگاہِ قطب صاحب دہلی کے صاحبزادے تھے۔ جو وہاں آپ سے فارسی پڑھا کرتے تھے۔ سید طفیل احمد اب یہاں آچکے تھے۔ اور بابا فرید کی درگاہ پہ تقریبات فاتحہ و درود کے منتظم تھے۔ غرضیکہ وہ آپ کے شاگرد آتے تھے۔ اور آپ اپنے تئیں ان کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کہ واقفیت نکل آئے گی۔ تو عبادت میں خلل آئے گا۔ مگر اس روز کچھ ایسا اتفاق ہوا۔ کہ وہ اپنے والد کے ساتھ آئے۔ اور آپ کو دیکھتے ہی پہچان گئے۔ بہت شکوہ کیا۔ کہ آپ آئے۔ تو آپ نے بتایا نہیں۔ پھر کھانے کے انتظام کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے کہا "بس یہیں لنگر میں انتظام ہے۔"

یہ سن کر وہ اور اُن کے والد دونو مصر ہوئے۔ کہ جب تک آپ یہاں ہیں۔ کھانے کا بندوبست ہمارے ہاں سے ہوگا۔ چنانچہ جب تک آپ وہاں رہے، کھانا ان کے ہاں سے آتا رہا۔

حضرت شاہ ولایت پناہؒ فرماتے تھے۔ کہ آپ چار ماہ مسلسل حضرت خواجہ فریدالدین مسعودؒ کے مزار پر معتکف رہے۔ لیکن کچھ مزید فیض کے آثار محسوس نہ ہوئے۔ آخر آپ نے سوچا۔ کہ آپ کو کہیں اور جا کر فیض کے اسباب تلاش کرنا چاہئیں۔ اسی تذبذب کے عالم میں آپ نے ایک خواب دیکھا۔ خواب اور اُس سے متعلق تعبیر کا احوال آپ کے ملفوظات سے خود آپ کی زبانی یہاں نقل کیا جاتا ہے۔

"فرمایا:

...... رات کو ہم نے خواب میں دیکھا۔ کہ پاکپتن کے ڈاک خانے میں اپنا کوئی خط لفافہ پوچھ رہے ہیں۔ اور پوسٹ ماسٹر کہتا ہے۔ کہ نہیں آپ کے نام کا کوئی خط نہیں۔ ہم مایوس ہو کر چل دیئے۔ مگر پھر کسی نے آواز دی:

"ارے بھائی صاحب! یہ آپ کے خط ہیں۔ لیتے جاؤ!"

ہم واپس آئے۔ تو پوسٹ ماسٹر نے ڈاک کے کوئی بڑے بڑے لفافے دیئے اور کہا کہ یہ بھاری ہیں۔ اِن کو تُل کر دینا۔ اس نے تول کر وہ ہمارے حوالے کر دیئے۔

دوسرے دن ہم حجرے میں بیٹھے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ کہ مستان باباؒ آ گئے۔ ہماری پڑھنے والی عینک رکھی تھی۔ وہ اٹھا کر ناک پر رکھلی۔ اور بولے:

"یہیں کیسے لگتی ہے؟" ہم نے کہا، "اچھی لگتی ہے!"

"لو یہ اور تو میں لے لوں؟"

ہم نے کہا "لے لیجئے"، لیکن دل میں خیال کیا۔ کہ اب ہم اس کے بغیر تلاوت کیسے کریں گے۔ پھر سوچا، اچھا، اللہ مالک ہے۔ دیکھا جائے گا۔

مستان باباؒ نے کہا۔ "قلم دوات اور کاغذ دو۔ ہم تمہیں حکم لکھ دیں"۔

ہم نے یہ چیزیں ان کے حوالے کیں۔ باباؒ نے کاغذ پر ایک لکیر زور سے کھینچی۔ اور کہا "جنت"

دوسری لکیر کھینچی اور کہا۔ "عرش"

تیسری لکیر کھینچ کر کچھ کہا۔ وہ ہم سمجھ نہ سکے۔

یہ کہہ کر بابا نے عینک لی اور چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی فوراً وہ خواب ہمارے سامنے آگیا۔ وہاں بھی تین لفافے تھے۔ اور یہاں بھی مستان باباؒ نے تین باتوں کا حکم لکھا۔ ہم سمجھ گئے۔ کہ یہ ہمارے تین دن پہلے کے وسوسے اور خطرے کا جواب ہے۔

تھوڑی دیر بعد مستان باباؒ آئے۔ اور عینک دے گئے۔ کہنے لگے۔ "مولوی یہ تم ہی رکھو۔ ہم اسے کیا کریں گے؟"

مستان باباؒ رحمتہ اللہ علیہ آپ پر اس قدر مہربان ہوئے۔ کہ ایک بار اپنی نیابت آپ کو تفویض کرنے لگے۔ مگر پھر کچھ دیر مراقب رہنے کے بعد فرمایا۔ "نہیں تیرا پیر نہیں مانتا ہے"۔ اس کے باوجود مستان باباؒ سے آپ کا تعلق ان کی وفات تک قائم رہا۔

جب آپ کلیا نوالا میں تھے۔ تو شاہ صاحب سے مستان باباؒ کا

ذکر سن کر اکثر عقیدت مند بابا کی زیارت کو پاکپتن جایا کرتے تھے. شاہ صاحب قبلہ کا نام سن کر بابا ہمیشہ ایسے مہمانوں کا لحاظ کرتے تھے۔ اور اپنے انداز میں ان کی مشکلات کے رد کے لئے کوشش و دعا بھی کیا کرتے تھے۔

بالآخر قدرت کو منظور یہی ہوا. کہ آپ کلیا نوالا میں اپنے پیرِ طریقت حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب کی درگاہ کی تربیت سنبھالیں اور اسی مرکز سے فیض کا سرچشمہ جاری ہو۔

آپ کلیانوالا تشریف آئے۔ مگر آپ کے یہاں آنے میں آپ کے ذاتی ارادہ کو دخل نہ تھا۔ آپ کو دربارِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے حکم ہوا۔ کہ آپ اپنے پیر حضرت حاجی عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث و قطب" کی درگاہ پر رونق افروز ہوں۔ درمیان میں کئی بار آپ یہاں کے حالات سے اکتا کر جانے کے بارے میں بھی سوچتے رہے۔ بلکہ جاتے بھی رہے۔ مگر ہر بار حکم ہوتا تھا۔ کہ یہاں آجائیں اور یہیں رہیں۔

یہ جگہ ہی ایسی تھی۔ کہ یہاں آبادی قلیل تھی، لوگ جاہل اور اکھڑ تھے۔ کلیانوالا سے چند میل کے فاصلہ پر دریائے چناب کے کنارے کا وہ علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ جہاں رسہ گیر اور چور آباد ہیں۔ جن کا پیشہ ہمیشہ سے چوری رہا ہے. کلیانوالا کا علاقہ بھی ان کی دسترس سے باہر نہ تھا۔ اس جنگل میں وحشت محسوس ہوتی تھی شہریت کی فضا سے دور یہ ماحول آپ کو اپنے مزاج کے خلاف نظر آتا تھا۔

پھر یہ زمانہ تو وہ تھا۔ کہ حضرت حاجی صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی ایک کچی قبر تھی۔ جس کے اوپر ایک کچا سا کوٹھا بنا دیا گیا تھا۔ اور قبرستان میں ویرانی

اور خاموشی چھائی رہتی تھی۔ یہ جگہ حشرات الارض خصوصاً سانپوں کا مسکن تھی۔ ان حالات کے پیشِ نظر یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ کہ آپ کیوں یہاں سے جانا چاہتے تھے۔

ایک موقعہ بعد ازاں ایسا بھی آیا۔ کہ آپ نے یہاں سے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اور یہاں سے چلے بھی گئے۔ بات یہ ہوئی۔ کہ بعض بدخواہوں نے جناب مستری عبد الجبار صاحب کے ہاں نقب لگائی اور کچھ سامان اٹھا کر لے گئے۔ سب کو معلوم تھا۔ کہ جناب مستری صاحب خادمِ دربار ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقربِ خاص ہیں۔ مگر بدفطرتی اِن امور کے دیکھنے میں مانع رہی۔ اور وہ لوگ چوری کے مرتکب ہوئے۔ ان دنوں جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ سردیوں میں یہیں مقیم تھے۔ اِن کے صاحبزادے برادرم ڈاکٹر سید جرار حسین صاحب بتاتے ہیں۔ کہ صبح معلوم ہوا چوری ہو گئی ہے۔ اب ہم لوگ تو پریشان تھے اور کچھ دوسرے عقیدت مند بھی غمناک نظر آتے تھے۔ مگر بعض ایسے لوگ بھی سُن گُن کے لئے آ رہے تھے۔ جن کا اِس چوری کی سازش میں حصّہ تھا۔ اور طنز یا طعن کے طور پر پوچھتے بھی تھے کہ "واہ، چوری ہو گئی، اب کیا ہو گا؟"

حضرت شاہ صاحب قبلہ سب سُن اور دیکھ رہے تھے۔ ایک بار اُن میں سے بھی کسی کے مُنہ سے نکلا کہ اب کیا ہو گا۔ آپ پر جلال کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور آپ نے نہایت غصّہ کے عالم میں فرمایا: "ہونا کیا ہے؟ تباہ، تباہ، تباہ!" غصّاب کی یہ حالت دیکھ کر اپنے بیگانے سب تھرا گئے۔ اور حضرت شاہ صاحب قبلہ

کے پاس سے کھسک گئے۔

دوسرے دن آپ کلیا نوالا سے چلے گئے۔ اور آپ کے جانے کے ساتھ ہی گاؤں پر اور خاص طور پر سازش میں شریک لوگوں پر سختیوں اور بلاؤں کا نزول شروع ہوا۔ وہ لوگ تو جو اس جرم کے مرتکب ہوئے تھے۔ بالکل ذلیل ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحب قبلہ رحمۃ اللہ علیہ چند ماہ بعد جانے کو تو چلے گئے مگر پھر آپ کو حکم یہی ملا۔ کہ اگرچہ ان لوگوں کی حالت عذاب کا تقاضا کرتی ہے۔ مگر آپ یہیں آکر رہیں۔ ایک بار آپ نے فرمایا کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے یہاں لا کر چھوڑ گئے۔

پیر صاحب قبلہ یعنی حضرت حاجی عبد اللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب رح کی پیشین گوئیاں بھی کلیا نوالا کے بارے میں آپ کو معلوم تھیں۔ فرماتے تھے۔ کہ ہمارے پیر صاحب کو کشف میں بتایا گیا تھا۔ کہ زندگی میں تمہارا نام و نشان نہ ہو گا۔ مگر وفات کے بعد شہرت ملے گی۔ اور یہ دربار مرجع خلائق ہو گا۔ کلیا نوالا کے بارے میں پیر صاحب رح کی یہ پیشن گوئی آپ اکثر بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہ کلیا نوالا ایک دن بہت بڑا قصبہ بنے گا۔ اور یہاں لوگ دور دور سے آئیں گے۔ دربار پر رونق ہو گی۔

جب آپ یہاں پہلی بار آئے تھے۔ تو ان پیشن گوئیوں کے مستقبل قریب میں پورے ہونے کے کوئی آثار نہ تھے۔ یہ ایک وحشت زدہ علاقہ تھا اور قبرستان میں آتے ہوئے خوف محسوس ہوتا تھا۔ مگر آپ کے بارے میں آخری فیصلہ ہو چکا تھا۔ کہ آپ یہیں آکر مستقلاً قیام فرما ہوں۔

جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب بمعہ اہل و عیال ہندوستان سے آ چکے تھے ۔ اور چمن میں بحیثیت میڈیکل آفیسر تعینات تھے ۔ اُن کے ساتھ جناب مستری عبدالجبار بمعہ اہلیہ خود بھی تھے ۔ یہ وہاں چمن میں بندوق سازی کا کام کرنے لگے ۔ پھر یوں ہوا ۔ کہ جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب چمن سے ملازمت چھوڑ کر مستونگ (ضلع قلات ۔ بلوچستان) چلے آئے ۔ اور یہاں آکر سرکاری ہسپتال میں میڈیکل آفیسر متعین ہوئے ۔ اور جناب مستری عبدالجبار صاحب اپنی اہلیہ کے ساتھ پہلے کراچی گئے اور بالآخر کلیا نوالا میں آکر مقیم ہو گئے ۔ اور سائیکل سازی اور ایسی ہی چیزوں کی مرمت وغیرہ کا کام کرتے لگے ۔ اس طرح انہوں نے دربار کی خدمت کا کام بھی سنبھال لیا ۔

جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ نے یہ معمول بنا لیا ۔ کہ گرمیوں میں بلوچستان میں رہتے اور سردیوں میں کلیا نوالہ تشریف لے آتے ۔ یہاں جتنا عرصہ قیام رہتا ۔ آپ کی ساری توجہ مزار کی درستی اور اُس پر روضہ کی تعمیر پر صرف ہوتی ۔

ان حالات میں قطب العالم حضرت سید وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے کچھ سہولت کی صورت پیدا ہو گئی ۔

آپ نے پہلے مزار کے گرد چار دیواری بنوائی ۔ پھر مزار پر روضہ کی تعمیر شروع ہوئی ۔ اور حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ کے تعاون سے اس کے ساتھ کچے حجرے بھی بن گئے ۔

بوراوڑ کی طرح یہاں بھی کچھ دنوں کے لئے قرآن مجید کی تعلیم کا سلسلہ

شروع کیا۔ جناب مستری عبدالجبار صاحب کی زوجہ محترمہ کو آپ نے خود قرآن پڑھایا، اور پھر ان کے ذریعہ گاؤں کی بچیوں میں قرآن خوانی کا سلسلہ چل نکلا۔ جو اب تک جاری ہے۔

حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ سے متعلق ایک خاندان کے صاحبزادے اشتیاق میاں کلیا نوالا آنکلے اور آپ نے ان کو بڑے شوق سے پڑھایا۔ اب وہ پیری مریدی کرتے ہیں۔ عرس پر اکثر تشریف لاتے ہیں۔ اور حضرت شاہ صاحب قبلہ کا ذکر بڑی محبت اور احترام سے کرتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے آپ بوراوڑ کے قیام کے دوران میں جھاڑ پھونک اور تعویذ نویسی کے کام سے الگ رہنے کی کوشش کرتے تھے اگرچہ وہاں بھی اپنے مقربین اور عقیدت مندوں کو ان برکات سے محروم نہ رکھتے تھے۔ مگر اس کا دائرہ اس قدر پھیلانا بھی نہ چاہتے تھے، کہ عوام کی کشش کا باعث ہو۔ یہاں کلیا نوالا میں آکر یہ فیض عام ہو گیا۔ آپ تعویذ بھی لکھنے لگے اور دم چھو بھی کرنے لگے۔

فقیر نے آپ کو آخری سات آٹھ سالوں میں دیکھا۔ رات دن لوگ جھاڑ پھونک اور تعویذ کی غرض سے آتے ہی رہتے تھے۔ اکثر لوگ درد سے کراہتے ہوئے آتے۔ اور آپ سے جھاڑ پھونک کی التجا کرتے۔ آپ اس وقت تک دعا پڑھتے رہتے اور دم کرتے رہتے جب تک اس کا درد بالکل نہ جاتا رہتا یا اس کو افاقہ محسوس نہ ہوتا۔ کچھ لوگوں کو آپ چند دن

رہنے کے لئے کہتے۔ اور دو تین دن مسلسل دم کرتے رہتے۔ وہ تندرست ہو کر واپس جاتے۔

آپ اتنے مقبول اور مستجاب الداعوات تھے۔ کہ آپ کی دعا سے لاعلاج بیمار شفایاب ہوتے اور بے اولاد لوگوں کو اللہ اولاد سے نوازتا۔ مشکلات میں گرفتار لوگ رہائی پاتے اور غمزدوں کو سکونِ قلب کی دولت ملتی۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ ہمارے پیر صاحب کے ساتھ یہ خدائی وعدہ ہے۔ کہ یہاں لاعلاج بیماروں کو بھی شفا حاصل ہو گی۔

یہ وہ کرامت تھی جسے ہر آنے جانے والا دیکھ سکتا تھا۔ اب بھی لاعلاج بیماریوں میں مبتلا مریض آتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ یہاں معتکف رہنے کے بعد شفایاب ہو کر جاتے ہیں۔

بعض اوقات لوگوں کی اس توجہ اور ان کے اس اژدہام سے آپ بیزار بھی ہو جاتے تھے۔ کیونکہ آپ کے اوراد و وظائف میں خلل پڑتا تھا۔ مگر اس کے باوجود جب بھی کوئی آجاتا۔ تو آپ نہایت خندہ پیشانی سے اس کی پریشانی کی بات سنتے اور دعا فرماتے یا تعویذ لکھ کر دے دیتے۔

بیشتر در تعویذ نویسوں کی طرح یہاں کوئی اجرت مقرر تھی نہ نذرانوں کا باقاعدہ رواج تھا۔ کسی نے کوئی چیز دے دی۔ تو رکھ لی۔ ورنہ یہاں سب کچھ فی سبیل اللہ ہی ہو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ قضا و قدر کی طرف سے یہ کام آپ کو سونپ دیا گیا ہے۔ اور اجر اس کا آپ کے لئے اللہ کے ہاں ہے۔

اس فقیر نے کبھی نہ دیکھا۔ کہ آپ نے کسی کو نقصان پہنچانے کے لئے کسی مرد یا عورت کی درخواست تعویذ لکھنے کے بارے میں سنی ہو یا کسی غیر مستحق کو عمل یا تعویذ کی اجازت دی ہو۔ بنیادی طور پر آپ عملیات کے خلاف تھے۔ مگر اس جہالت زدہ علاقے میں بعض پیشہ ور پیر چونکہ جاہلوں کو زیر کرنے کے لئے کالے علم کا عمل کرتے رہتے تھے۔ اس کے تدارک و دفاع کے لئے آپ لوگوں کو تدبیریں ضرور بتاتے تھے۔ اور تعویذات بھی لکھ دیتے تھے۔ مگر اس سے کسی کو کوئی ضرر پہنچانا ہرگز مقصود نہ ہوتا تھا۔ آپ کے متعلق اس کا تصور کرنا بھی بے ادبی ہوگا۔

کلیانوالہ میں ایک عامل تھا۔ وہ آپ کے آنے سے کچھ پریشان رہا کرتا تھا۔ اس کا خیال تھا۔ کہ اگر آپ نہ آتے۔ تو لوگ اس کے پاس آیا کرتے۔ وہ اکثر آپ پر سفلی عمل کے وار بھی کرتا رہتا تھا۔ مگر آپ ہمیشہ اس کے معاملہ میں صبر سے کام لیتے۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ ایک بار اس کی ان حرکات پر آپ نے غصہ میں آکر دعائے سیفی کے عمل سے اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کا تہیہ کر لیا۔ مگر پھر القاء ہوا۔ "اِنَّ اللہ مع الصابرین" (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) آپ نے ارادہ ترک کر دیا۔ لیکن وہ آدمی جب تک زندہ رہا۔ آپ کے نقصان کے درپے ہی رہا۔

اس کے برعکس آپ کا رویہ اس کی اولاد کے ساتھ اس قدر مشفقانہ رہا۔ کہ وہ آپ کے مرید ہو گئے اور آپ کی دعاؤں کی برکات سے مستفیض ہوئے۔

آپ اپنے حجرے یا روضہ شریف کے اندر ذکر و فکر میں مشغول رہتے یا خدمتِ خلق کے لئے آنے والوں کے لئے دعا و توجہ میں لگے رہتے.

کلیا نوالا اور آس پاس کے دیہات کے رہنے والے لوگوں نے آپ کی استجابتِ دعا، تصرفِ غالب اور تاثیرِ توجہ کے اس قدر واقعات دیکھے. کہ وہ آپ کی عقیدت کا دم بھرنے لگے.

اگرچہ حضرت عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث و قطبؒ" کے آپ خلیفہ اور جانشین تھے. اس لحاظ سے بیعت کے بارے میں صاحب اجازت تھے مگر آپ بیعت کی نیت سے آنے والوں کی تمنا پوری کرنے سے نہایت انکساری کے ساتھ انکار فرما دیتے تھے. اس کے باوجود دیکھا گیا کہ اگرچہ ظاہری طور پر آپ بیعت نہیں فرماتے تھے. مگر جو آدمی محض رضائے الٰہی کے حصول کے لئے آپ سے توجہ کا طالب ہوتا تھا. آپ کی توجہ اس کی معاون ضرور ہوتی تھی. ایک فقیر کے متعلق مجھے معلوم ہے. کہ وہ بیعت کا طالب ہوا. مگر آپ نے معذوری ظاہر کی. اُس فقیر نے جب کہا. کہ بس ہم سے تو یہی ہو سکتا تھا. کہ آپ کے پاس پہنچ گئے. آگے آپ کی مرضی.

ایک رات دن میں اُس فقیر کا سینہ نورِ ولایت کے لئے کُھل گیا. اور کیفیاتِ ولایت سے وہ آگاہ ہوا. پھر باطنی طور پر آپ نے حاجی عبداللہ شاہ "بادشاہ غوث و قطب" رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں جا کر اُسے حاضر کیا. جہاں حضرت حاجی صاحب نے بیعت لی اور ایک دو اہم باتوں کی تلقین فرمائی.

چشتیہ صابریہ سلسلہ میں زیادہ تر معاملات باطنی طور پر طے ہوتے ہیں۔ حضرت سید وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے زمانہ کے قطب تھے بس یہ کرتے تھے۔ کہ طالبِ روحانیت کے وجدان کو بیدار کر دیتے تھے۔ اور آگے اس میں ہمت ہوتی تھی۔ تو وہ نہ صرف روحانی سفر پر روانہ ہو سکتا تھا۔ بلکہ باطنی ہدایت کا نور اس کے ساتھ چلتا تھا۔

بہت سے لوگ ہیں۔ جو محض آپ کی ہم نشینی اور صحبت کے طفیل کاشف القلوب اور کاشف القبور بن گئے۔ اور کتنے ہی ایسے ہیں۔ جو اب تک یعنی وفات کے بعد بھی آپ کے نورِ روحانیت سے اپنے قلب و روح کو روشن کئے ہوئے ہیں۔ اور کچھ فقراء ایسے بھی ہیں۔ جن کی روح پر آپ کا ایسا پرتو ہے۔ کہ گویا ہر وقت آپ اُن کے ساتھ ہیں۔ اور آپ کا ہاتھ ہر بادِ مخالف سے اُن کی حفاظت کرتا ہے۔ اور آپ کا نور ہر وقت اُن کا معرفت کی راہوں پر گامزن رہنے میں ممد رہتا ہے۔

آپ بظاہر اپنے آپ کو درمیان سے نکال لیتے تھے۔ لیکن فیض کا چشمہ کھول دیتے تھے۔ یہ ہر ایک نہیں کر سکتا۔ اسرارِ معرفت سے بہرہ مند اصحاب جانتے ہیں۔ کہ یہ وہی کر سکتے ہیں۔ جو ولایت کے آسمان کے آفتاب ہوں۔ کوئی آفتاب کو دیکھے یا نہ دیکھے۔ لیکن اس کی روشنی ہر ایک کو پہنچتی رہتی ہے۔

کلیا نوالا کا گاؤں سب سے زیادہ آپ کی کرامتوں سے بہرہ ور ہوا۔ اور یہاں کے لوگوں نے آپ کی عزت میں کبھی کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔ خاص طور پر آپ کی عمر کے آخری دور میں دیکھا گیا۔ کہ آپ کہیں بیٹھ جاتے

تھے۔ تو یہاں کے شرفاء آپ کے قدموں کو چھونا باعثِ برکت خیال کرتے تھے۔ آپ گاؤں کی گلیوں میں قدم رکھتے تھے۔ تو بچوں اور عورتوں کی طرف سے "سلام، سلام"، کی آوازیں آتی تھیں۔ اللہ اس گاؤں کے رہنے والوں کو اپنی خاص برکات سے نوازے۔ جسے حضرت سید وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کا موقع ملا۔ اور جہاں کے لوگوں نے شاہ ولایت پناہ کے انفاسِ قدسیہ سے بیماریوں میں شفا حاصل کی اور مشکلات میں سکون پایا۔

جب روضہ کی عمارت بننے لگی۔ تو ہر عقیدت مند نے بقدر ظرف و استطاعت اس کی تعمیر میں مدد دی۔

ہر سال آپ عرس کرنے لگے۔ سالانہ عرس حاجی صاحب قبلہ کا چھ صفر کو آپ کیا کرتے تھے۔ اس موقعہ پر ستری عبدالجبار صاحب قبلہ مہمانوں کی خدمت کرتے۔ لوگ دیگیں پکاتے۔ اور چاول غرباء میں تقسیم کر دیئے جاتے۔

آپ کے ہوتے ہوئے کبھی قوالی ہوئی اور نہ اجتماعی ذکر کی کوئی مجلس کبھی منعقد ہوئی۔ مزار کے غسل کے بعد چادر چڑھا دی جاتی اور دعا کر دی جاتی تھی۔ دعا آپ خود کراتے تھے۔ شام کے وقت وعظ کی مجلس ہوتی اور درود و سلام کے بعد فاتحہ دلائی جاتی۔ اور مٹھائی حاضرین میں تقسیم کر دی جاتی۔ عرس کی ان تقریبات میں سادگی کا عجیب رنگ تھا۔

عرس کے موقعہ پر نعت خوانی تو ہوا کرتی تھی۔ لیکن قوالی کی محفلیں نہ ہوئیں۔ قوالی کے آپ مخالف نہ تھے۔ اور طریقہ چشتیہ کے سلوک میں تکمیل پانے کے باعث اس کے کس طرح مخالف ہو سکتے تھے۔ آپ سے کبھی محفلِ سماع یا قوالی

کے انعقاد کے بارے میں بات ہوئی۔ تو ہر بار فرمایا۔ "وہ بھئی قوال بہت ناز نخرے کرتے ہیں۔ پیسے لیتے ہیں۔ پھر خاص طور پر خاطر تواضع کی اُمید رکھتے ہیں۔ ہم یہ سب کیسے کر سکتے ہیں؟" چنانچہ اسی لئے آپ نے کبھی قوالی کا اہتمام نہ فرمایا۔

آپ کی یہ خواہش شروع سے تھی۔ کہ روضہ میں سنگِ مرمر لگایا جائے۔ اِس کے لئے ایک بار آپ نے راولپنڈی کا سفر بھی اختیار کیا۔ گو اُس وقت تو کام نہ بن سکا۔ مگر بعد میں اُسی ذریعہ سے یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔

آخری چھ سات سالوں میں روضہ اور اُس کے متصل حجرے پکے بن گئے۔ روضہ کے گرد بارہ دری بن گئی۔ اور مزار پر رونق رہنے لگی۔

یہ سارا کام محض فضلِ الٰہی سے ہوا۔ ورنہ مزار کی کوئی معلوم آمدن تھی نہ فتوح کی کثرت نظر آتی تھی۔ مزار کے گنبد کی بارہ دری تعمیر ہوئی۔ تو آپ نے ایک دن فرمایا، "ہم یہیں چارپائی پر بیٹھے تھے۔ کہ ہم نے دیکھا پیر صاحب آئے ہیں۔ بڑے خوش ہو کر بغل گیر ہوئے۔ اور کوئی چیز جیب میں ڈالی۔ ہم سمجھ گئے۔ کہ پیسے کا انتظام ہو جائے گا۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب سے بھی کہہ دیا۔ کہ بس انتظام ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس بار بہت رقم ملی۔ حتیٰ کہ جو لوگ اس طرف دیکھتے بھی نہ تھے۔ اُنہوں نے بھی کچھ نہ کچھ دیا!"

پاکستان اور ہندوستان کے درمیان ہونے والی سنہ ۱۹۷۲ء کی جنگ سے کچھ پہلے آپ حیدرآباد تشریف لے گئے۔ وہاں قیام کے دوران میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے اشارہ ہوا۔ کہ اجمیر جا کر

خواجۂ بزرگ رح کے مزار پر حاضری دیجیئے۔ آپ نے ضعیف العمری کی وجہ سے تمردد کیا۔ اور ملتجی ہوئے۔ کہ سفر کی صعوبت ناقابلِ برداشت ہو گی۔ فرماتے تھے۔ ایک دیگ بھی صدقے کے طور پر خیرات دی۔ مگر معذرت قبول نہ ہوئی۔ خواجہ قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا۔ کہ اجمیر تو جانا ہی پڑے گا۔

پھر توفیق اس حد تک شاملِ حال ہوئی۔ کہ پانچ دنوں میں پاسپورٹ بڑی آسانی سے بن گیا۔ اور سفر خرچ کا بندوبست بھی از خود ہو گیا چنانچہ آپ اجمیر تشریف لے گئے۔ اور سلطان الہند، شیخ الاسلام، خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے روضۂ مبارک پر حاضری دی۔ وہاں آپ نے کشف میں دیکھا۔ کہ خواجۂ بزرگ نے بھنے ہوئے چنوں کی دال عنایت فرمائی۔ آپ نے عرض کی۔ "حضور دانت نہیں ہیں۔ کیسے کھاؤں"؟ مگر ارشاد ہوا۔ "کھاؤ"، آپ رح نے جب کھانی شروع کی۔ تو بہت لذیذ تھی اور آسانی سے کھالی۔

وہاں سے آپ دہلی تشریف لے گئے۔ اور قطب ولایت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے۔ یہی وہ مبارک مقام تھا۔ جہاں سے آپ نے فقر کا راستہ اختیار کیا تھا۔ اور آج تکمیلِ منازلِ فقر کے بعد حضرت خواجہ قطب کی درگاہ میں آپ حاضر تھے۔ اس وقت آپ کی کیفیتِ باطنی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ آپ یہاں آئے تھے۔ تو دل و دماغ تشکیک اور فکرِ الحاد آمیز کی آماجگاہ تھے۔ اور آج کئی سال بعد جب آپ وہاں

آئے۔ تو قطب العالم والزماں تھے۔

خواجہ قطب صاحب کے ہاں کیا معاملہ رہا۔ اس کے متعلق آپ نے کبھی کچھ نہ فرمایا۔ البتہ یہ فرماتے تھے کہ مزار پہ حاضر ہو کر آپ نے فاتحہ کہی، دعا سے فارغ ہوئے۔ تو مزار کا مجاور آیا۔ آپ نے اُسے دس روپے نذر کے دیئے۔ مگر وہ بولا۔ "نہیں، اکیس روپے دو" آپ نے اُسے اکیس روپے دے دیئے۔

کئی سال پہلے وہ بھی آپ سے پڑھتا رہا تھا۔ پہلے تو وہ نہ پہچان سکا۔ مگر بعد میں آخر وہ پہچان گیا۔

کچھ دن رہ کر آپ ہندوستان سے لوٹے۔ اور حیدرآباد تشریف لائے فرماتے تھے۔ ہندوستان میں بھی مذہب سے بے نیازی برتی جا رہی ہے۔ کئی ہندوؤں سے ملنا ہوا، تو وہ کہتے تھے۔ کہ مندر ویران ہوتے جا رہے ہیں۔ عالمگیر سطح پر لوگ مذہب سے لاپرواہ ہو رہے ہیں۔

انہی دنوں آپ نے موتیا کی وجہ سے آنکھوں کا آپریشن بھی کرایا۔ شاید یہ آپریشن کراچی میں ہوا تھا۔ یہ معلوم نہیں۔ کہ یہ ہندوستان جانے سے پہلے ہوا تھا یا بعد میں۔ اغلب یہ ہے۔ کہ پہلے یہ آپریشن ہو گیا تھا۔ ہندوستان آپ بعد میں گئے۔

موتیا جب پک رہا تھا۔ تو آپ کی نظر پڑھنے سے رہ گئی تھی۔ بعد میں بھی آپ نے پڑھنا تو چھوڑ دیا تھا۔ مگر ویسے دیکھنے میں صاف نظر آتا تھا۔ البتہ تعویذ وغیرہ آپ لکھتے رہتے تھے۔

ہندوستان سے آنے کے بعد دو تین سال آپ کلیانوالا میں ہی رہے کہیں نہیں گئے۔ شاید باطنی طور پر آپ کو ہدایت اسی طرح ملی تھی۔

بارہ دری کی تعمیر کا کام ہندوستان سے واپسی کے بعد شروع ہوا تھا اور تکمیل تک پہنچا۔ جناب ڈاکٹر سید ابراھیم صاحب قبلہ نے حضرت خواجہ قطب صاحب کے روضہ کا نقشہ سامنے رکھا، اور اس کے مطابق اس کی تعمیر ہوئی۔ پھر مزار پر بجلی کی روشنی بھی پہنچ گئی۔ پہلے پہل بجلی مزار کے قریب ٹیوب ویل تک لائی گئی تھی۔ وہاں سے جناب مہر بشیر احمد بھروانہ نے جو آپ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں، مزار تک اُسے پہنچا دیا۔ اور اس کی بہم رسانی کے لئے ہر قسم کے اخراجات اپنے ذمہ لئے۔

آپ کی نظر کمزور پڑی۔ تو یوں اللہ نے روشنی کا سامان کر دیا۔ کہ تاریکی کافور ہو گئی۔

آخری سالوں میں آپ کے گھٹنوں میں درد رہنے لگا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ مشائخ چشت کا موروثی ہے۔ تاریخ مشائخ چشت میں بیان کیا گیا ہے:

"فخر الطالبین اور مناقب المحبوبین میں لکھا ہے کہ ٹانگ میں درد یا آماس کی شکایت بزرگانِ چشت کی پرانی خصوصیت ہے خواجہ نور محمد فرماتے ہیں: از ارنقرس یعنی از ازر مفصل ابہام پائے و درد زانو موروثی پیرانِ ماست یعنی مولانا صاحب، شیخ صاحب و شیخ کلیم اللہ و شیخ یحییٰ مدنی ایں ہمہ بزرگان ایں مرض داشتند۔

مولوی محمد عمر نے لکھا ہے۔ کہ شاہ نور محمد کو یہ مرض تھا۔ حاجی نجم الدین

صاحب کا بیان ہے۔ کہ حضرت شاہ سلیمان کو بھی یہی شکایت تھی۔ "قاضی محمد عاقل صاحب کی ایک ٹانگ میں درد رہتا تھا"

(حاشیہ ۲۰-۱۹ھ)

سردیوں میں تکلیف میں شدت آجاتی تھی۔ اُٹھنے بیٹھنے میں مشکل محسوس کرتے تھے۔ کبھی کبھار دوائیں بھی کھا لیتے تھے۔ اور پنڈلیوں اور گھٹنوں کو گرم رکھنے کے لئے کپڑوں کی پٹیاں بھی باندھ لیتے تھے۔ عقیدت مند جب آتے، تو وہ دبانے لگتے۔ اس سے کچھ گرمی آجاتی۔ اور آپ آرام محسوس کرتے تھے۔

ہندوستان سے واپس آنے کے بعد اس مرض کی تکلیف تقریباً مسلسل ہی رہنے لگی تھی۔ ان سالوں میں آپ نے سفر بہت کم کئے۔ البتہ ایک سفر خاص مقصد کے لئے آپ نے راولپنڈی کا اختیار کیا۔

آپ کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی۔ کہ مزار مبارک اور اس کے گرد فرش سنگِ مرمر کا بن جائے۔ آپ کے مکرانہ کے ایک عقیدت مند راولپنڈی میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اور یہاں بھی حسب سابق سنگِ مرمر کا کاروبار کر رہے تھے۔ مکرانہ کے قریب سنگِ مرمر کی کانیں تھیں۔ اور یہ صاحب وہاں بھی یہی کام کرتے تھے۔ ان صاحب کے ہاں ابتداء میں کئی سالوں تک اولاد نہ ہوئی۔ آپ کی دعا کی برکت سے ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ تو وہ آپ کے عقیدت مند ہو گئے۔ ایک بار پہلے آپ ان کے ہاں راولپنڈی تشریف لے گئے تھے۔ مگر کسی وجہ سے یہ صاحب ارشاد کی تعمیل میں سنگِ مرمر مزار

کے لئے فراہم نہ کر سکے۔ آپ دل گرفتہ ہو کر واپس چلے آئے تھے۔ اب کے ان کے ایک عزیزہ کہ یہ بھی آپ کے عقیدت مندوں میں سے تھے۔ کلیانو الا آئے۔ تو انہوں نے اصرار کیا۔ کہ راولپنڈی اُن صاحب کے پاس چلتے ہیں۔ اور وہ ضرور سنگِ مرمر کی تختیاں مہیا کریں گے۔

پہلے تو آپ راضی نہ ہوئے۔ پھر ایک رات مزار مبارک پر مراقب ہوئے اور باطن میں اجازت پاکر راولپنڈی تشریف لے گئے۔ وہاں وہ صاحب ملے۔ اپنی کوتاہیوں کے لئے معذرت خواہ ہوئے۔ نہ صرف سنگِ مرمر کی تختیاں بھجوادیں۔ بلکہ مستریوں اور مزدوروں کو بھی ساتھ بھیج دیا۔ چنانچہ آپ کی وفات سے دو سال پہلے سنگِ مرمر کا کام مکمل ہو گیا۔

جن دنوں یہ سنگِ مرمر کا کام ہو رہا تھا۔ اُنہی دنوں میں حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی تاریخ آگئی۔ لیکن عرس کی صبح سے پہلے رات گئے تک کام جاری رہا اور صبح تک سنگِ مرمر لگ چکا تھا۔

اس روز آپ بہت خوش تھے۔ بار بار آپ کام کرنے والوں کے پاس آتے۔ اور مُسکراتے جاتے۔ آپ کی یہ دیرینہ آرزو آپ کی زندگی میں اللہ نے پوری کر دی۔ آپ نے اپنے لئے کبھی کوئی خواہش نہ کی۔ عمر کے آخری سالوں میں آپ کی ساری تمناؤں کا مرکز حاجی صاحب قبلہ کی درگاہ کی تعمیر و تزئین تھا۔

یہ کام اس قدر تیزی سے ہوا۔ کہ اکثر نہ چاہتے ہوئے بھی یہ خیال دل میں

وسوسہ ضرور پیدا کرتا تھا۔ کہ جوں جوں یہ سارے کام ہو رہے ہیں۔ وقت بھی تیزی سے گذر رہا ہے۔ اور شاید اِن کاموں کی تکمیل کے ساتھ آپ کے مشن کی تکمیل کا لمحہ بھی قریب آ رہا ہے۔

پھر یہی ہوا۔ کہ اس کام کے مکمل ہونے کے بعد صرف ایک سال تک آپ خلائق میں ظاہری طور پر فیض رساں رہے۔ اور پھر یہ فیض آپ کے وصال کے بعد باطن کی طرف منتقل ہو گیا۔

بڑھاپے کے آثار بھی ظاہر تھے۔ یہ فقیر جب ۱۹۶۹ء کے اوائل میں آپ کی خدمت میں پہلی بار حاضر ہوا۔ تو اُس وقت آپ کے سر اور ریش مبارک کے بال ہی سفید نہ تھے۔ بلکہ بھوؤں تک کے بال سفید ہو رہے تھے۔ مگر پھر بھی نقاہت نہ تھی۔ عمر بھی کچھ زیادہ نہ تھی۔ ریاضات و مجاہدات نے بڑھاپے کے آثار پیدا کر دیئے تھے۔

آخری دو سالوں میں جسم میں کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔ آپ نماز بیٹھ کر اور اکثر تیمم کے ساتھ پڑھنے لگے تھے۔ مسجد میں جا کر با جماعت نماز ادا کرنے کا التزام بھی کم پڑ گیا تھا۔ اسی طرح استغراق بڑھنے لگا تھا۔ آپ اب بھی آنے جانے والوں سے ملتے تھے۔ جھاڑ پھونک کرتے اور تعویذ بھی لکھتے تھے۔ مگر زیادہ دیر تک گفتگو نہ کرتے۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد آپ سر جھکا لیتے اور مراقب ہو کر بیٹھ جاتے۔

یہاں ایک اور امر بھی قابلِ ذکر ہے۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ آپ نے کشف وغیرہ کی طرف کبھی بطور خاص دھیان نہ دیا۔ اور نہ صوفیوں کی طرح

تصوّر کو پختہ تر کرنے کے لئے مختلف مشقوں کو عمل میں لائے۔ کشف ہوتا ضرور تھا۔ مگر اب ارادی طور پر اس کے لئے کوشاں نہ ہوتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ان باتوں سے اللہ کے ہاں مقبولیت کے امکانات کم ہو جاتے ہیں۔ نیز آزمائش کی حالت میں گرنے کے مواقع زیادہ ہو جاتے ہیں۔

مگر آخری سالوں میں آپ کو کشف بہت ہونے لگا تھا۔ اب جب کہ آپ مقام عالی پہ متمکن ہو چکے تھے۔ چاہتے تھے۔ کہ روبرو باتیں ہوا کریں۔ چنانچہ آپ نے ایک بار دیکھا کہ پیر صاحب قبلہ نے ملکہ کھول دیا ہے۔ اُس کے بعد سے رابطہ مستقل ہو گیا۔ اور کشف بڑھ گیا۔ لیکن اپنے مرشد کی طرح آپ اپنا کشف بہت کم ظاہر فرماتے تھے۔ بس باتوں باتوں میں خاموش ہو جاتے۔ اور خلوت در انجمن کا سماں پیدا ہو جاتا۔ سر جھکا لیتے اور مراقب ہو جاتے۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھاتے اور اِدھر اُدھر نظر اٹھا کر دیکھتے۔ جیسے کسی اور دنیا سے آ رہے ہوں۔ اور یقین کر لینا چاہتے ہوں۔ کہ آپ واپس مانوس دنیا میں آ گئے ہیں۔

ساری زندگی آپ کو اپنے ظاہر پہ بڑا ضبط رہا۔ مجال ہے جو کوئی بات حیران کن ظاہر ہو جائے۔ استجابت دعا، بیماروں کی شفایابی اور جلائے باطن کے علاوہ شعبدہ بازی قسم کی کوئی حرکت کبھی آپ کے ہاں نہ دیکھی گئی۔

ضبط و تمکنت کی یہ قوت صرف اولیائے کبار کو ہی ملتی ہے۔ آپ

اس سے کامل طور پہ بہرہ مند تھے۔

آخری دو سالوں میں اب یہ ہونے لگا تھا۔ کہ جب تنہا ہوتے تو کوئی نہ کوئی جملہ آپ کے منہ سے اس طرح نکل جاتا۔ جیسے کسی سے ہم کلام ہو رہے ہوں۔ یا خود ہی کسی وقت مسکرا دیتے۔ اس سے زیادہ کبھی آپ از خود غائب نہ ہوئے۔ یہ بات صرف چند لمحات یا زیادہ سے زیادہ ایک منٹ تک رہتی اور پھر آپ ظاہر میں ملنے والوں کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ اور باتیں کرنے لگتے۔

البتہ یہ ضرور ہوتا کہ حاضرین مجلس میں سے کسی کے دل میں کوئی وسوسہ پیدا ہوتا یا اعتراض سر اٹھاتا تو آپ آگاہ ہو جاتے۔ اور اشارۃً و کنایۃً ضرور وضاحت فرما دیتے۔ ان آخری دو سالوں میں اس فقیر نے دیکھا کہ حاضرین کے دلوں کا ہر راز آپ پر ظاہر تھا۔ اور کشف القلوب کا یہ عالم تھا۔ کہ مسلسل دل پہ نظر رکھی پڑی تھی۔ آپ کی چشم بصیرت پہ ہر شے روشن تھی۔

سردیوں میں جناب ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہ جب تشریف لے آتے۔ تو آپ بہت مسرور رہتے تھے۔ پچھلے دس بارہ سالوں سے یعنی ۱۹۷۶ء سے جناب ڈاکٹر صاحب کے داماد پروفیسر وقار احمد صاحب حال پرنسپل گورنمنٹ کالج قلات۔ بلوچستان بھی مع اہل و عیال تشریف لانے لگے تھے۔ اور سرما کی تعطیلات یہیں آپ کی خدمت میں گذارتے تھے۔

پروفیسر وقار احمد صاحب پر آپ بہت مہربان تھے۔ پیار سے

ان کے گھر یلو نام ”علاّمہ“ سے انہیں یاد کرتے تھے۔ اور ان کے بچوں پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ اُن کے ساتھ ربط و تعلق کا یہ عالم تھا۔ کہ ایک بار جب وقار صاحب کسی محکمانہ مقدمہ میں الجھ گئے۔ تو آپ کو اشارہ ہوا۔ کہ مزار سے باہر کلّہ والی جگہ میں علاّمہ کے لئے دعا کیجئے۔ آپ وہاں کھلی جگہ میں تشریف لے گئے اور دعا فرمائی۔ وقار صاحب کے دشمن خائب و خاسر ہوئے۔ اور وہ اس مشکل سے کامیاب و کامران نکلے۔

گذشتہ سال ماہ دسمبر میں یہ سب لوگ کلیا نوالا آ چکے تھے مگر اب کے جو یہ لوگ آئے۔ تو حضرت شاہ صاحب ایک دو ماہ سے حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ اور ابھی تک نہ لوٹے تھے۔ یہ لوگ بڑے اُداس تھے۔ اور حضرت شاہ صاحب قبلہ کی غیر حاضری کو بہت محسوس کر رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کا حیدر آباد کے عقیدت مندوں کے ساتھ بڑا گہرا تعلق تھا۔ خاص طور پہ حاجی شفیع محمد صاحب کے گھرانے کے ساتھ گذشتہ چالیس سال کا ربط و ضبط تھا۔ آپ سال دو سال میں ایک بار ضرور حیدر آباد ان کے ہاں جاتے۔ اور چند دن کے لئے وہاں قیام فرما رہتے۔

آپ کلیا نوالا میں رہ کر بھی حیدر آباد میں اپنے عقیدت مندوں کی خبر گیری سے غافل نہ رہتے۔ ایک بار آپ نے حاجی صاحب موصوف کو کلیا نوالا سے لکھا۔ کہ تم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ صدقہ وغیرہ کر دو۔ انہوں نے صدقہ دے دیا۔ کچھ دنوں کے بعد ان کی بیوی سخت بیمار ہو گئیں۔ کہ بچنے کی اُمید نہ رہی۔ مگر اللہ نے انہیں بالآخر صحت عطا فرمائی۔

اسی طرح ایک بار ان کے گھر پر رات کے کسی مخصوص حصہ میں پتھروں کی بارش رہنے لگی۔ لوگ کہتے تھے جنّات کا اثر ہے۔ اُنھی دنوں آپ حیدرآباد پہنچ گئے۔ اور آپ کی آمد کے ایک دو دن بعد ہی یہ تماشا ختم ہو گیا۔ حیدرآباد میں جب بھی کوئی بات ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب قبلہ اپنے عقیدت مندوں کے حال سے ہمیشہ باخبر رہے۔

اب سے کئی سال کے بعد آپ حیدرآباد گئے تھے۔ اور جب وہاں سے کلیا نوالا کے لئے روانہ ہونے لگے۔ تو حاجی شفیع محمد صاحب قبلہ بتاتے ہیں کہ گھر بھر پر اُداسی چھا گئی۔ اور یہ پہلا موقع تھا۔ کہ رخصت کے موقع پر الوداع کہتے ہوئے اہلِ خانہ اور بچے رونے لگے۔ شاید حضرت شاہ صاحب قبلہ کے اپنے جذبات کا عکس ان کے قلوب کو بھی مستقبل کی جدائی کے علم سے آگاہ کر رہا تھا۔ غرضیکہ حضرت شاہ صاحب قبلہ اپنے ایک اور عقیدت مند غلام محمد چوہڑی گر کے صاحبزادے ناصر میاں کے ساتھ حیدرآباد سے روانہ ہوئے۔ اور دوسرے دن شام کے وقت کلیا نوالا آ پہنچے۔

پروفیسر ذوالفقار احمد صاحب نے بتایا کہ جب کلیانوالا میں حضرت شاہ صاحب قبلہ تانگے سے اترے۔ تو سامنے گراؤنڈ میں کچھ نوجوان والی بال کھیل رہے تھے۔ وہ سب آپ کی قدم بوسی کے لئے دوڑے۔ سب نے سلام کیا۔ اور آپ کے ساتھ ہو لئے۔ جناب مہر بختاور صاحب بھی آ گئے۔ اُنھوں نے بھی آپ کے ہاتھ چومے۔ اور ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ آپ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لائے۔ احاطہ میں

داخل ہو کر بارہ دری کے باہر ہی جھک کر دونوں ہاتھ فرش پر رکھ درمیان دہلیز کو بوسہ دیا۔ اور کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں مہر بختاور نے کہا۔ "حضور روضہ کا دروازہ کھول دیا ہے" فرمایا "بس زیارت ہو گئی ہے" یہ کہہ کر آپ حجرے کی طرف چلے آئے۔ اور چارپائی پر بیٹھ کر عقیدت مندوں سے باتیں کرنے لگے۔ وقار صاحب نے بتایا۔ کہ اب کے جو شاہ صاحبؒ کو دیکھا۔ تو بہت کمزور نظر آئے۔ معلوم ہوا۔ کہ وہاں حیدر آباد میں طبیعت ناساز رہی۔ وقار صاحب نے یہاں تک بتایا۔ کہ پہلی ملاقات میں ان کا اور مہر بختاور صاحب کا تاثر یہ تھا۔ کہ اگر نقاہت کا یہی عالم رہا۔ تو پھر سفر آخرت چند دنوں کی بات ہے اور آپ ہاتھے عشرے کے مہمان ہیں۔

وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ حیدر آباد سے آپ کے آنے کے بعد آپ کی صحت بظاہر بہتر تھی۔ اب آپ بیمار نظر نہ آتے تھے۔ مگر کمزوری بہت تھی۔ آپ اپنے مخصوص حجرے میں ہی قیام فرما رہے۔ اور وقار صاحب کے دو صاحبزادے نعیم میاں اور قسیم میاں آپ کے ساتھ رہنے لگے۔ ان سے پہلے وٹرنری ڈسپنسری کے انچارج جناب ڈاکٹر مشتاق صاحب وہاں رہتے اور سوتے تھے۔ ان کے حال پر حضرت شاہ صاحب قبلہ بہت مہربان تھے۔

۲۰ محرم کو نعیم میاں کو نزلے سے بخار آ گیا۔ تو قبلہ شاہ صاحب نے اُسے گھر رہنے کی اجازت دے دی اور وسیم میاں جو کئی روز سے فریادی تھے انہیں حضرت کے حجرے میں سونے کی اجازت مل گئی۔

۲۱ محرم کی رات کو عشاء کی نماز کے وقت جناب ڈاکٹر مشتاق صاحب آپ

سے آکر ملے۔ وہ رخصت پر اپنے گاؤں گئے ہوئے تھے۔ وہ پہنچے۔ تو آپ نماز پڑھنے لگے تھے۔ آپ نے اُن سے خیریت دریافت کی اور پھر فرمایا: "زمانے کا کیا حال ہے؟"

انہوں نے اُس دن کی کچھ خبریں سنائیں۔ تو آپ نے شعر پڑھا:

ہمیں کیا جو دنیا میں میلے رہیں گے
تہہِ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

پھر ڈاکٹر صاحب بھی چلے گئے۔ اور شاہ صاحب قبلہؒ عبادت میں مصروف ہو گئے۔

آخر شب میں چار بجے آپ حسبِ معمول اُٹھے۔ اور باہر تشریف لے گئے۔ لیکن جب آپ واپس آئے۔ تو آپ نے زور سے قسیم میاں کو آواز دی "ارے قسیم، اٹھو، ہیٹر چلا دو"۔ قسیم میاں ہڑبڑا کر اُٹھے۔ تو دیکھا۔ کہ حضرت شاہ صاحب قبلہ چارپائی پر لیٹے لمبے لمبے سانس لے رہے ہیں۔ قسیم نے پریشانی میں ہیٹر چلایا۔ جو بار بار چلتے بجھنے لگا۔ وہ دوڑا گیا۔ اور ڈاکٹر مشتاق صاحب کو جو تہجد کے لئے روضہ کے اندر آ چکے تھے۔ بلا لایا۔ ڈاکٹر صاحب دوڑے آئے۔ تو شاہ صاحب نے بتایا۔ کہ ان کی طبیعت خراب ہے۔ اور سینہ میں درد ہے۔

اتنے میں آپ کو کھانسی آئی۔ اور اُس کے ساتھ ہلکی سی قے ہوئی۔ جس میں خون نکلا۔ اُس وقت قسیم میاں نے حضرتؒ کو سرہانے بیٹھ کر اپنے سینے سے لگا کر بٹھا لیا۔ حضرت نے قسیم کے کندھے پر سر مبارک رکھ لیا۔ اور فرمایا "پیر صاحب یاد کرو!"

وسیم گھبرا کر گھر دوڑ گیا۔ اور اپنے ابا جان کو اطلاع دی۔ چنانچہ وقار صاحب اور ان کی بیگم دوڑے دوڑے آپ کے حجرے میں پہنچ گئے۔ وہ آئے۔ تو ڈاکٹر مشتاق نکلے۔ اور ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہ کو بلانے چلے گئے۔

وقار صاحب نے پہنچ کر دیکھا۔ کہ آپ کی نظریں اپنے پیر صاحبؒ کے مزار کی جانب تھیں۔ آپ قسیم میاں کے سہارے آرام فرما تھے۔ اُس لمحے آپ اپنی جان جان آفریں کے سپرد فرما چکے تھے۔

اُدھر گاؤں کی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر سے اذان کی صدا بلند ہو رہی تھی۔ اذان کے بعد آپ کے وصال کی اطلاع لاؤڈ اسپیکر پر لوگوں کو دی گئی۔ آفتاب ولایت غروب ہو گیا۔ اور عقیدت مندوں کی آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

۲۱ محرم ۱۳۹۷ھ (۱۲ جنوری ۱۹۷۷ء) کو بوقت سوا پانچ بجے صبح آپ کا وصال ہوا۔ صبح تمام دیہات میں آپ کی وفات حسرت آیات کی خبر پھیل گئی۔ اور تمام خلقت آپ کے آخری دیدار کے لئے اُمڈ پڑی۔

آپ کی قبر مبارک کے بارے میں سوچا گیا۔ تو مختلف آراء تھیں۔ بعض کا خیال تھا۔ کہ حجرے میں ہی لحد تیار کی جائے۔ جناب ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہ کا خیال تھا۔ کہ پیر صاحبؒ کے روضہ کی پائنتی قبر تیار ہو۔ جناب مستری عبدالجبار صاحب کی رائے اور تھی۔

آخر بات جناب مستری صاحب پر چھوڑ دی گئی۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے حضرت حاجی صاحب قبلہ کے مزار پر مراقب رہے۔ اور بالآخر فیصلہ دیا۔ کہ احاطہ کے دروازے کے ساتھ ہی دائیں طرف قبر تیار کی جائے۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سجادہ نشین حضرت پیر ابراہیم اویسیؒ نے جنازہ پڑھایا۔ اور سہ پہر کو آپ کے جسدِ خاکی کو لحد میں اتارا گیا۔

عقیدت مندوں نے رات گئے تک نہ صرف آپ کی قبرِ مبارک پختہ بنا کر اس پر سنگِ مرمر کی تختیاں لگا دیں۔ بلکہ اس کے اوپر ایک حجرہ بھی تعمیر کر دیا چنانچہ جب چند دنوں کے بعد عرس پر عقیدت مند با چشم پُر نم حاضر ہوئے۔ تو داخل ہوتے ہی پہلے آپ کی چوکھٹ پر حاضری دی۔ اور پھر آپ کے پیر حضرت حاجی صاحب قبلہؒ کے مزار کو چوما۔ انتقال کے بعد بھی گویا اجازت آپ کے ہی اختیار میں رہی۔

حضرت قبلہؒ کے وصال کے بعد کچھ معززین کلیا نوالا جناب ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہؒ سے ملے۔ اور آپ کی دستار بندی کی تجویز پیش کی۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے معذرت کر لی۔ تیسرے روز جب سید اشتیاق احمد صاحب اجمیری مہر بخت آور صاحب اور مہر عبد المطلب صاحب نے ڈاکٹر صاحب قبلہ کی دستار بندی کا انتظام کیا۔ تو ڈاکٹر صاحب قبلہ اور پروفیسر وقار صاحب نے مہر عبد المطلب صاحب کو سمجھا کر جناب مستری عبد الجبار صاحب کی دستار بندی کروائی۔ اور تولیت دربار ان کے سپرد کی گئی۔ اسی دستار بندی کی تکرار و تجدید چند روز بعد عرس کے موقعہ پر حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب اویسی نے فرمائی۔ جناب مستری صاحب نے ہی مزار مبارک کے مہمانوں کی خدمت کی تھی۔ اور اس کا صلہ یہ ملا کہ اب مخدومیت آپ کے حصہ میں آئی۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

کچھ دنوں کے بعد جب عرس ہوا۔ تو اس موقع پر طے پایا۔ کہ اب دونوں بزرگوں کے عرس پانچ اور چھ صفر کی تاریخوں میں منعقد ہوا کریں گے۔

آپ کی وفات کے معاً بعد ہونے والے عرس پر عقیدت مندوں کا عجیب حال تھا۔ ہر آنکھ پُرنم تھی۔ ہر شخص حضرت سید وراثت حسین شاہ صاحب کی تصویر دل اور آنکھوں میں لئے پھر رہا تھا۔ یقین نہ آتا تھا۔ کہ حضرت شاہ صاحب اب ظاہری طور پر کبھی نظر نہ آئیں گے۔ اب آپ کا جمالِ باکمال صرف باطن کے آئینہ میں دکھائی دے گا۔

روحانیت کبھی فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قوت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اور شیخ کامل اور مرشدِ روحانی کا فیض اس کی وفات کے بعد بھی درویشوں کے باطن کو منور کرتا رہتا ہے۔ ؎

بر سر خاک ما بیا، نغمہ ز عشق بر سرا
کہ ز جذبات شوق تو نعرہ ز خاک برزنم

بعد از ہزار سال اگر بر لحدم گذر کنی
خشک شود ہمہ غبار من، روح شود ہمہ تنم

(ہماری قبر پہ آکر عشق کا ایک نغمہ گاؤ۔ تاکہ تمہارے جذباتِ شوق سے میں قبر میں سے ایک نعرہ لگاؤں۔ ہزار سال کے بعد جب تمہارا میری لحد پہ گذر ہو۔ تو دیکھو گے۔ کہ میرا غبار خشک ہو جائے گا اور میرا تمام جسم روح بن چکا ہو گا۔)

ہزار سال تو بہت دور کی بات ہے، "کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک"

ہم نے تو یہ دیکھا کہ قطب العالم والزمان حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے معاً بعد بعض عقیدت مندوں کے قلوب پر زوروں کی تجلیات شروع ہوئیں۔ حتیٰ کہ ان کا اخفا ضبط سے باہر ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ کا بشری وجود اٹھ جانے سے ایک بند ٹوٹ گیا ہے۔ اور روشنیوں کا دریا قلوب پر بہنے لگا ہے۔

نام ظاہر کرنے سے بعض اوقات ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ورنہ اس فقیر کو کچھ لوگوں کے متعلق معلوم ہے۔ جن کے بارے میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر معاً منکشف ہوا۔ کہ شاہ ولایت پناہ کی نسبت انعکاسی سے ان کے قلوب منور تھے۔

ایک عزیز کو دیکھا۔ کہ جب چاہتا تھوڑی دیر مراقبہ کے بعد حضرت شاہ صاحب قبلہ سے عالم مثالیہ میں بات کر لیتا۔ اور شاہ صاحب قبلہ کے کرم کی بدولت اکثر رات کو اُسے اولیاء اللہ کے ایوان میں حاضر ہونے کا موقعہ ملتا۔ یہ عزیز براہِ راست حضرت شاہ صاحب قبلہ کا مرید بھی نہ تھا، بیعت کسی اور جگہ کر رکھی تھی۔ صرف کچھ عرصہ حضرت شاہ صاحب قبلہ کے ساتھ رہنے کا یہ نتیجہ تھا۔

ایک دوسرے عزیز نے بتایا۔ کہ بچپن سے ہی اس نے اپنے خاندان کو حضرت شاہ صاحب قبلہ کی دعاؤں کے فیض سے مستفیض دیکھا ہے۔ وہ بھی اس سے ہمیشہ بہرہ ور رہا۔ اور اب اس کی باطنی ہدایت کا سامان حضرت شاہ صاحب قبلہ کی روحانیت کے واسطہ سے ترتیب پاتا ہے۔

ایک فقیر نے عالم واقعہ میں مزار کی چار دیواری کے اندر اولیاء اللہ کی ایک جماعت کو صف بستہ نماز کی حالت میں دیکھا۔ اس میں بہت سے چہرے کلبانوالہ کے بعض لوگوں کے نظر آ رہے تھے۔

کتنے ہی ارادت مند ہیں۔ جو وفات کے بعد بھی حضرت شاہ صاحب قبلہ کی ذات کو اپنے باطن میں منعکس دیکھتے ہیں اور ظاہر و باطن میں بفضلِ الٰہی انہیں اپنا مددگار پاتے ہیں۔

یہ تو باطن کی تابندگی و درخشندگی کی بات ہے۔ لیکن باطن خواہ کتنا ہی عمیق و وسیع سہی۔ اور اس کا اثر خواہ کتنا ہی پائیدار اور غالب سہی۔ لیکن ظاہر کی دلکشی و دلفریبی و جمال اپنی جگہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب وصال فرمایا۔ تو فدائین کی ذہنی و قلبی کیفیت کیا تھی؟ یہ روحانیت کا وہ آفتاب تھا۔ جو کبھی غروب نہیں ہوتا۔ نہ ہوگا اور نہ ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ اور آپ کے ساتھ دوسرے صحابہ یہ بات بالیقین جانتے اور سمجھتے تھے۔ مگر حضورؐ کی وفات پہ حضرت عمرؓ پہ کیا عالم طاری تھا۔ کہ وہ کہتے تھے کہ جس نے حضورؐ کے متعلق کہا کہ آپ کی وفات ہو گئی ہے۔ اس کا سر قلم کر دوں گا۔ یہ سب غم کی کارفرمائی تھی۔ ظاہر میں اب حضورؐ کی ذات کی تجلیات کا صرف ایک پہلو اوجھل ہو جانے سے صحابہ کا یہ حال تھا۔

ولی اللہ بھی اپنے گروہ میں ایسے ہی ہوتا ہے۔ جیسے اپنی اُمت کے درمیان نبی۔ اس کے ساتھ بھی لوگوں کی عقیدت اپنے رسولؐ کے ساتھ عقیدت

کا پرتو ہوتی ہے. شاہ ولایت پناہ کے اُٹھ جانے سے بھی عقیدت مندوں پر کیا گذر گئی. اس کا حال کیسے بیان کیا جائے۔ وفات کے معاً بعد جوں جوں دن گذرتے گئے. غم دل کی گہرائیوں میں اُترتا گیا۔ اوروں کے متعلق تو تفصیل سے کیا کہہ سکتا ہوں. لیکن کچھ دنوں کے بعد حبیب برادرم پروفیسر وقار احمد نے اپنی ایک نظم لکھ کر بھیجی تو یہ فقیر تڑپ اٹھا اور گریہ گلوگیر ہو گیا۔

نظم یہ تھی

سرِ محفل تمہارا ناگہاں مستور ہو جانا — ہمارا سوزِ غم سے سر بسر مجبور ہو جانا
ہمارا غم کدے میں دائماً محصور ہو جانا — قرار و صبر کی منزل سے کوسوں دور ہو جانا
وہ برقِ بے اماں کا گلشنِ ہستی پہ گر پڑنا — وہ دل کے شیشۂ نازک کا چکنا چور ہو جانا
گریباں چاک ہو جانا نگہ بے نور ہو جانا — جدائی کی ہوا سے ہر خوشی کافور ہو جانا
وفورِ غم سے ہر اک بات پر آنسو چھلک پڑنا — ہجومِ حسرتِ دیدار کا بھرپور ہو جانا
بفیضِ چشمِ ساقی اب کہاں مخمور ہو جانا — مقدر میں تھا شائد بے کس و مجبور ہو جانا
گئی تھی ساتھ اُن کے آج تک واپس نہیں لوٹی — وہ ساعت جس میں لکھا تھا مرا مسرور ہو جانا
الٰہی وہ گھڑی کب آئے گی جب ہم بھی دیکھیں گے — دلِ ناشاد کا روشن بمثالِ طور ہو جانا
تبسم زیرِ لب آنا اچانک صحنِ گلشن میں — تجلیِ روئے خنداں سے فضا پُرنور ہو جانا
نگاہِ لطف فرمانا ستم دیدہ غلاموں پہ — مسرت سے قلوبِ عاشقاں معمور ہو جانا

وقار اس آہ و زاری پر تڑپ اٹھے ہیں بھائی
شریکِ غم کا شیوہ ہے دلِ رنجور ہو جانا

اب کچھ باتیں آپ کے معمولات کے بارے میں ——

اس فقیر کو صرف سات آٹھ سال پہلے قطب العالم والزماں حضرت سیّد وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ آپ کے بڑھاپے کا زمانہ تھا۔ اُن دنوں اور اس کے بعد آپ کے جو معمولات مشاہدے میں آئے۔ صرف ان کے بیان پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

آپ کے معمولات ایک عابد و زاہد کے معمولات تھے۔ رات کو سردیوں گرمیوں میں آپ اڑھائی یا تین بجے کے درمیان اُٹھ بیٹھتے تھے۔ کچھ دیر کے لئے چارپائی پر بیٹھے رہتے۔ جیسے مراقبہ میں ہوں۔ پھر لوٹا لے کر باہر چلے جاتے اور رفع حاجت سے فارغ ہو کر وضو فرماتے اور تہجد کے لئے مصلے پر کھڑے ہو جاتے۔

فجر کی اذان تک آپ نماز تہجد میں مشغول رہتے۔ آخری عمر میں بیٹھ کر نوافل ادا کرنے لگے تھے۔ گھٹنوں میں درد رہنے کی وجہ سے بعض اوقات وضو بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے تیمم کر لیتے اور بیٹھ کر نماز پڑھتے۔

فجر کی اذان کے بعد کبھی کبھار تھوڑی دیر کے لئے مسنون طریقہ پر لیٹ بھی جاتے۔ ورنہ تسبیحات پڑھنے میں لگے رہتے۔ اور پھر نمازِ فجر ادا فرماتے نماز کے بعد تسبیحات میں مشغول رہتے۔ یہاں تک کہ اشراق کا وقت ہو جاتا دو رکعت پڑھ کر آپ چارپائی پر بیٹھ جاتے۔ اتنے میں گاؤں کے لوگ عقیدت سے آپ کی زیارت کے لئے آنا شروع ہو جاتے۔ جہاں کسی کو جگہ ملتی، بیٹھ جاتا۔ بعض کے لئے آپ اپنے پاس چارپائی پر جگہ خالی کر دیتے۔ شاہ صاحبؒ ہر

ایک کا حال پوچھتے۔ ساتھ ساتھ تسبیح کے دانے بھی چلتے رہتے۔ اور ذکر کے ساتھ درمیان میں تسبیح روک کر باتیں بھی ہوتی رہتیں۔ زیادہ تر نوجوان طبقہ کے افراد کو آپ کے پاس آتے دیکھا گیا۔

اتنے میں جناب مستری عبدالجبار صاحب قبلہ مقبرہ میں چائے لے کر آجاتے۔ چائے کے ساتھ عام طور پر پاپے یا سوکھی ڈبل روٹی ہوتی۔ کوئی مہمان ہوتا تو وہ بھی یہی کھاتا۔ اور آپ کا اپنا ناشتہ بھی انہی کے ساتھ ہوتا۔ البتہ سردیوں میں جناب مستری صاحب انڈے بھی ساتھ لے آتے تھے۔

ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہتا۔ تعویذ کے لئے لوگ آنے لگے۔ جھاڑ پھونک کا سلسلہ بھی چلتا رہتا۔ جھاڑ پھونک کے موقعہ پر دیکھا گیا۔ کہ آپ پوری توجہ کے ساتھ دعائیں پڑھتے اور پھونک دیتے۔ اسی طرح تیل یا پانی بھی دم کر کے عنایت فرماتے۔ ایسے مواقع پر اس فقیر نے بہت کم لوگوں کو کوئی نذرانہ پیش کرتے دیکھا۔ اور اگر کوئی دیتا۔ تو بڑی حقیر رقم ہوتی۔ لیکن آپ کا اس کی طرف دھیان ہی نہیں ہوتا تھا۔ آپ دم کر کے فارغ ہو جاتے۔ تو بعض اوقات کہہ دیتے "میں نے دم کر دیا ہے۔ بس اب جائیے" لیکن یہ جملہ بہت نرمی اور انکسار کے ساتھ کہتے۔

کچھ لوگ دعا کے لئے آکر کہتے۔ آپ بلا تأمل دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیتے اور دعا کے بعد بعض اوقات دعا کی درخواست کرنے والے پر بھی پھونک دیتے آپ پھونکتے تو ایسے لگتا۔ جیسے اپنے پورے وجود کی طاقت کے ساتھ پھونک کے ساتھ مرض یا مشکل کا دفعیہ کر رہے ہوں۔ اس حالت میں آپ کی انتہائی

بے غرضی و بے نیازی نمایاں رہتی۔ ایسے لگتا تھا۔ جیسے من جانب اللہ آپ اس کام پر مامور ہیں۔ اور کا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْراً کے مطابق عمل پیرا ہیں۔ لوگ آتے اور شفایاب ہو کر جاتے۔ کلیانوالا شریف کا بچہ بچہ اس معاملے میں اپنے سینکڑوں تجربات بیان کر سکتا ہے۔

چاشت کا وقت ہو جاتا تو آپ وضو کرتے اور چاشت کے نوافل پڑھتے۔

دس گیارہ بجے کے درمیان آپ جناب مستری عبدالجبار صاحب کے ہاں مکان پر تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی مہمان ہوتا۔ تو اُس کو بھی ساتھ لے لیتے اور وہاں کھانا تناول فرماتے۔

کھانا عام طور پر فرش پر بیٹھ کر کھاتے۔ لیکن کبھی کبھی چارپائی پر بھی بیٹھ جاتے۔ آپ کے لئے دو چپاتیاں نرم نرم الگ ہوتیں۔ کہ دانت نہ ہونے کی وجہ سے دوسری چپاتیاں کھانے میں تکلیف ہوتی تھی۔ کھانے سے پہلے بھی التزام کے ساتھ ہاتھ دھوتے اور بعد میں بھی کھانے سے فارغ ہو کر چند منٹ کے لئے مستری صاحب کی دکان پر توقف فرماتے۔ اور پھر خانقاہ کی طرف روانہ ہو جاتے۔ لیکن جاتے ہوئے بیماروں کی عیادت کے لئے اُن کے گھروں پر سے ہو کر جاتے۔ اور ہر جگہ چند منٹ ضرور ٹھہرتے اور دعا کرتے۔ آتے جاتے میں مدعی (مراد علی) مولوی رمضان، میاں سعید اور مقبول پُرہانہ کے یہاں اکثر تشریف لے جاتے۔ مہر اللہ بخش صاحب (نمبردار) پر خاص طور پر مہربان تھے۔ ایک بار اُن کا بچہ بیمار تھا۔ کہ آپ رات کو ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا۔ کہ مجھے محسوس ہوا۔ آپ پریشان ہیں۔ لاؤ بچے پر دم کر دوں۔ دعا پڑھ کر

بچے پر پھونک دیا۔ اور چلے آئے۔ بچے کو افاقہ ہونے لگا۔ اور بالآخر صحت یاب ہو گیا۔

خانقاہ پہنچ کر آپ گرمیوں میں عام طور پر مزار کھول کر دروازے پر بیٹھ جاتے اور اگرچہ کبھی کبھی سو بھی جاتے تھے۔ مگر بیشتر نیم دراز حالت میں مراقبے کے عالم میں رہتے۔ سردیوں میں مزار کے پاس دیوار کی اوٹ میں دھوپ میں بیٹھ جاتے۔ اور وہیں آنے والوں سے ملاقات کا سلسلہ جاری رہتا۔ گرمیوں میں مزار کے دروازے کے پاس فرش پر لیٹے لیٹے ہی قیلولہ فرماتے۔ اس اثناء میں اگر کوئی تعویذ یا دعا کے لئے حاجت مند آ جاتا۔ تو دل تنگ ہرگز نہ ہوتے۔ ظہر کی نماز کے موقع پر اُٹھ کر وضو کرتے اور نماز میں مشغول ہو جاتے۔

آخری سات آٹھ سالوں سے نظر کمزور رہنے لگی تھی۔ پہلے موتیا پکتا رہا۔ پھر آپریشن ہوا۔ اگرچہ بینائی درست ہو گئی۔ لیکن پڑھنے میں دقت ہوتی تھی اس لئے قرآن مجید کھول کر آپ تلاوت نہیں فرماتے تھے۔ البتہ دعاؤں میں آپ ضرور مشغول رہتے تھے۔ آپ اوراد و وظائف کثرت سے پڑھتے تھے۔ پانچ سو دانوں کی تسبیح آپ کے پاس رہتی اور پڑھنے میں لگے رہتے۔ تسبیحات کے علاوہ کسی زمانے میں آپ باقاعدگی سے تلاوت قرآن فرماتے تھے۔ دلائل الخیرات پڑھتے۔ حزب البحر، دعائے سیفی اور دعائے حیدری کا ورد فرماتے تھے۔ اِن سب کے آپ عامل تھے۔ آخری دنوں میں بھی اگرچہ صحیح طور پر معلوم نہیں، کہ آپ کس قدر تسبیحات پڑھتے تھے۔ مگر بعض بزرگوں

کو آپ نے بتایا تھا۔ کہ آپ روزانہ دو ہزار بار یا رسولِ کریم صلی اللہ علیک وسلم اور پچاس ہزار بار اللہ الصمد پڑھتے تھے۔ مگر اسی پر بس نہ تھی اس فقیر نے کئی دوسری دعائیں اور تسبیحات آپ کو باقاعدگی سے پڑھتے ہوئے سنا۔ سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ کہ آپ کی پوری زندگی دائمی ذکر اور زہد و عبادت سے عبارت تھی۔

ظہر کے بعد بھی لوگ آتے رہتے۔ اور بڑی سرگرمی کے ساتھ ان پر دعائیں پڑھ پڑھ کر پھونکتے اور تعویذ لکھتے رہتے۔

عصر کے وقت تازہ وضو سے نماز پڑھتے اور دن کے اوراد و وظائف کو اختتام تک پہنچاتے۔ سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا۔ تو حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر تشریف لے جاتے۔ چراغ روشن کرتے۔ پائنتی جا کر چومتے۔ اور کچھ عرصہ آپ کو ہاتھ باندھے مزار پر طواف کرتے بھی دیکھا گیا۔ اس وقت آپ پر خشوع و خضوع کی حالت طاری ہوتی تھی۔[1]

بعد ازاں آپ چراغ روشن کرتے۔ سردیوں میں سید جرار حسین صاحب آ جاتے۔

---

[1] ایک موقع پر اس فقیر نے طواف کے متعلق استفسار کرنے کی جرأت کی۔ تو مسکرا کر فرمایا۔ "وہ شریعت میں ترشح ہے۔ مگر ہم کیا کرتے ہیں۔ ہم نے احمد علی بابا کو دیکھا تھا۔ وہ خواجہ صاحب کے مزار کا طواف کیا کرتے تھے۔" آخری دو سال میں دیکھا گیا۔ کہ آپ نے یہ معمول ترک کر دیا تھا۔

تو پھر چراغ وہ جلاتے تھے۔ یا یہ فقیر کبھی ایک دو دن کے لئے حاضر خدمت ہوتا۔ تو اِس سعادت کے لیے مجھے بھی اجازت دے دیتے تھے۔

پھر آپ خانقاہ کا دروازہ بند کر کے گاؤں کی مسجد کی طرف چل پڑتے راہ میں اپنے سلسلۂ طریقت کے مشائخ کے نام لے کر ثواب نذر کرتے۔ اُس وقت نام آپ کے منہ سے سُنے جاسکتے تھے مسجد میں نماز مغرب ادا کرنے کے لیے جانے سے پہلے بھی بعض اوقات کسی بیمار کے پاس چلے جاتے۔

نمازِ باجماعت ادا کرنے کے بعد نمازِ اوّابین پڑھتے۔ اور جناب مستری صاحب قبلہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ اور کھانا تناول فرماتے۔

آپ کی غذا میں کبھی خاص التزام نہ دیکھا گیا۔ جو پکتا، کھا لیتے تھے۔ البتہ ایک موقعہ پر کافی عرصہ تک باجرہ کی روٹی کھاتے رہے۔ فرماتے تھے۔ معدہ میں حرارت گھٹ گئی ہے۔ اس کے لئے حکم ہوا ہے۔ کہ باجرہ کی روٹی کھاؤ۔ کہ زود ہضم ہے۔ اور معدہ کی حرارت بڑھاتی ہے۔

کھانے سے فارغ ہو کر چند منٹ کے لئے بیٹھتے اور پھر خانقاہ چلے آتے۔ اور عام طور پر کچھ دیر تک مہمانوں سے باتیں کرنے کے بعد نمازِ عشاء پڑھتے اور اِس کے بعد اوراد و وظائف میں تادیر مشغول رہتے اور پھر سو جاتے۔

بستر آپ کا عام قسم کا ہوتا، گرمیوں میں نیچے ایک چادر اور تکیہ، سردیوں میں کبھی کبھی گدا ہوتا۔ اور کبھی صرف دری پر ہی اکتفا کرتے تھے۔ اور اوپر لحاف لے لیتے تھے۔

علاقائیوں کی وجہ سے کبھی کبھی آپ کے دن کے اوراد رہ بھی جاتے

تھے۔ ان کو رات کے وقت مکمل کر کے سوتے تھے۔ اپنے ان معمولات میں فرق نہیں آنے دیتے تھے۔

آپ کے معمولات وعادات اور طور طریق میں جو خصوصیات سب سے زیادہ نمایاں تھیں۔ وہ سادگی اور انکسار کی تھیں۔ لیکن اس سادگی اور انکسار میں رعب اور وقار محسوس ہوتا۔ اس لئے کسی کو حد سے بڑھ کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپ کی بصیرت کا یہ عالم تھا۔ کہ ادھر دل پر کوئی خدشہ، وسوسہ یا خطرہ وارد ہوتا۔ اور اُدھر آپ اپنی زبانِ فیض ترجمان سے اشاروں میں اس کا جواب ارشاد فرما دیتے تھے۔ اسی لئے آپ کو قریب سے جاننے والے اکثر آپ کے سامنے خاموش رہتے تھے۔

آپ سادہ لباس پہن کر بیٹھے ہوتے۔ گرمیوں میں دیسی کرتہ، شلوار یا پاجامہ سر پہ ململ کی یا کسی ہلکے پھلکے کپڑے کی ٹوپی۔ اور پاؤں میں پلاسٹک کی گرگابی یا کوئی اور سستا جوتا۔ گرمیوں میں دوپہر کے وقت کبھی کبھی کرتا اتار کر بھی بیٹھ جاتے تھے۔

سردیوں میں بعض اوقات ملیشیا کے کپڑے آپ پہنے ہوتے۔ اس کے اوپر واسکٹ پہن لیتے۔ یا آخری سالوں میں ایک لمبا سا کوٹ پہنے رہتے تھے۔ جو کسی عقیدت مند نے پیش کیا تھا۔ سر پہ اُونی ٹوپی اور اس کے اُوپر عمامے کی طرح بے ترتیبی کے ساتھ کوئی کپڑا باندھ لیتے۔ عرس کے موقع پہ صابری رنگ کا عمامہ بھی آپ نے باندھا۔ پاؤں میں جرابیں اور گرگابی ہوتی۔ اکثر پنڈلیوں پر کسی گرم یا بھاری کپڑے کی پٹی باندھ لیتے۔ تاکہ گرمی رہے اور

دردنہ ہو۔
ایک بار فرمایا۔ "ڈاکٹر صاحب ہر سال ایک جوڑا کپڑوں کا بنا لاتے ہیں۔
بس وہی ہم پہن لیتے ہیں"۔
آپ کے کپڑوں میں بعض اوقات پیوند لگے ہوئے بھی دیکھے گئے۔ ان سادہ پھٹے
ہوئے کپڑوں میں بھی اس شاہِ گدا لباس کی شخصیت کا وقار ملنے والوں کے
دلوں میں قائم رہتا۔
اپنے ملنے والوں سے آپ بہت بے تکلفی سے ملتے۔ ان سے حال احوال
پوچھتے۔ باتیں کرتے ہوئے اشعار سناتے۔ غالب کے بہت اشعار آپ کو یاد
تھے۔ طالب علمی کے زمانے میں مثنوی گلزار نسیم کو بہت پڑھا تھا۔ اس کے بے شمار
اشعار آپ کے حافظے میں تازہ رہتے تھے۔ اور آپ اکثر اپنے ملنے والوں کو سناتے
رہتے تھے۔ اسی طرح لفظوں سے مذاق کا پہلو پیدا کر لیتے اور ہنستے ہنساتے رہتے
آپ کی مجلس سے ہر ایک مسرور ہو کر اُٹھتا۔ ایک عجیب بات یہ تھی کہ آپ ٹھیٹھ
پنجابی زبان بولنے والوں کے اس علاقہ میں ہمیشہ آنے والوں کے ساتھ اُردو
میں بات کرتے۔ لیکن سمجھنے والوں کو دقت پیش نہ آتی۔ البتہ بعض اوقات کچھ
بوڑھی عورتوں کو سمجھانے میں دوسروں کو مدد کرنا پڑتی تھی۔ اس طرح اُردو میں بات
کرنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کلیانوالا کے لوگ بے تکلف اُردو میں بات کرنے لگے۔
آپ ہر ایک ملنے والے سے اُس کی دماغی و ذہنی سطح کے مطابق بات
کرتے تھے۔ پڑھے لکھے لوگوں سے علمی گفتگو ہوتی اور گاؤں کے ملنے والوں سے
ان کے مشاغل اور دُکھ درد کے بارے میں پوچھتے۔ اپنے ملنے والوں کے دکھ درد

میں دعاؤں اور ہمدردی کے ذریعہ شریک رہتے۔ بلکہ اگر کسی کے دنیوی کام کی خاطر کسی کو کچھ کہنے کے لئے باہر جانا پڑتا۔ تو آپ ساتھ چل پڑتے تھے۔

فتوح کا سلسلہ کیسا ہی رہتا۔ آپ مہمانوں کا بہت خیال رکھتے۔ لنگر کا انتظام ہمیشہ سے جناب مستری عبدالجبار صاحب قبلہ کے گھر میں رہا۔ بعض اوقات اہتمام کے ساتھ کھانا تیار کراتے۔ اور مہمانوں کی رہائش و آسائش کی فکر میں رہتے۔ مہمان کی کوئی درخواست آپ رّد نہیں کرتے تھے۔

آپ کے اخلاق کا حال کہاں تک بیان کیا جائے۔ وہ جس نے اپنی ساری زندگی اخلاقی تزکیہ کیلئے ریاضت یا مجاہدے میں گذار دی ہو۔ اس کے اخلاقِ عالیہ کی تعریف کیا کی جائے۔

ایک بات جو اس فقیر کے لئے ہمیشہ بڑی اہم رہی۔ وہ آپ کی تکلفات سے بے نیازی تھی۔ آپ نیچے فرش پہ بچھے ہوئے کسی مصلے یا چٹائی پر بیٹھے ہوتے۔ اور ملنے والے بھی وہیں آ کر بیٹھ جاتے۔ یہاں امتیاز کی کوئی بات نہ تھی۔ چار پائی پر بیٹھے ہوتے تو ملنے والے کو ساتھ بٹھا لیتے۔ ہمیشہ کھری چارپائی پر بیٹھتے۔ اور کسی چادر یا تکیہ کا اہتمام نہ ہوتا۔ بعض اوقات کوئی کپڑا کہنی کے نیچے رکھ لیتے۔ اور وہی تکیہ کا کام دیتا۔

خاندانی پیروں کی طرح یہاں دربار تھے نہ مصاحب، آداب و تکلفات کا غیر ضروری سلسلہ تھا نہ ریاکاری و ملمع سازی کی فتنہ طرازیاں۔ عرس کے موقع پر بھی آپ لباس کی تبدیلی یا نشست و برخاست میں کوئی اہتمام نہ کرتے۔ آپ کو ان مواقع پر اپنے حجرے میں کبھی کبھار اس طرح بیٹھے نہ دیکھا گیا۔ کہ عقیدت مندوں اور مداحوں کا دائرہ آپ کے گرد ہو۔ آپ، انتظامات کی دیکھ بھال کے لئے حجرے سے باہر نکل کر ادھر اُدھر پھرتے رہتے۔ اور ملنے والے اسی طرح آپ سے ملتے رہتے۔ آپ سے

ملنا کبھی کوئی مسئلہ ہی نہ تھا۔ بچہ ہو یا بوڑھا، عورت ہو یا مرد، کوئی ملنگ ہو یا صوفی ہر ایک آپ سے بے تکلفی سے مل سکتا تھا۔

بعض اوقات آپ کو اس علاقے میں رہتے دیکھ کر تعجب ہوتا۔ یہ علاقہ جو جدید علوم اور تہذیب کی شائستگی سے خاصا دور تھا۔ یہاں سیدھے سادھے کسان تھے یا ان کے کارندے۔ جن کے ساتھ کوئی ذہنی، دماغی یا تمدنی مناسبت نہ ہو سکتی تھی۔ وہاں آپ بخوشی رہ رہے تھے۔ فرماتے تھے، لوگ آبادیوں میں رہتے ہیں۔ ہمیں حکم ہوا ہے۔ کہ جنگل میں جا کر رہو۔

کسی زمانے میں خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر بھی اسی طرح اجودھن کے علاقے میں آکر مقیم ہوئے تھے۔ اور وہاں بھی آبادی اور اسکی زندگی کیفیت ایسی ہی تھی۔

اولیاء اللہ کو اللہ تعالیٰ خاص طور پر ہمت عطا کرتا ہے۔ کہ وہ مربی و معلم بن کر ایسے لوگوں کے درمیان رہتے ہیں۔ جہاں ایک اوسط درجے کے حوصلے کا آدمی نہیں رہ سکتا۔ حضرت سید وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی صاحب ہمت مردانِ حق میں سے تھے۔ کہ یہاں عمر کا بڑا حصہ گذار دیا۔ ورنہ یہاں کون رہ سکتا تھا؟

ان اخلاقِ کریمانہ کے ساتھ اپنے وقت کا قطب ابدال یہاں کلیانوالا میں جلوہ افروز رہا۔ جب تک وہ سلطان الفقراء زندہ رہا۔ یہ جگہ باطنی نظام کا ایسا مرکز بنی رہی کہ جس کے زیرِ اثر ظاہر میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ اس کی دعاؤں اور توجہ سے برکات کا نزول ہوتا تھا۔ اور لوگ دینوی و اخروی نعمتوں کے وارث بنتے تھے۔

لیکن یہ بات تو اس وقت کی ہے۔ جب آپ ظاہری وجود کے ساتھ یہاں موجود تھے۔ اب یہاں کیا ہے؟

توجان لیجیۓ۔ کہ حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث وقطب قدس سرہٗ اور قطب العالم حضرت سید وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ آج بھی زندہ ہیں۔ اولیاء اللہ مرتے نہیں۔ وہ صرف جگہ بدل لیتے ہیں۔ وہ ظاہر کے بجائے باطن کے حقیقی دربار میں متمکن ہو جاتے ہیں۔ ان کا روحانی فیض ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اربابِ باطن جانتے ہیں۔ کہ اب بھی یہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ بیمار شفا پاتے ہیں۔ اور عوام وخواص کی پہلے کی طرح مشکل کشائی ہوتی ہے۔

فرشتے یہاں دعا کرنے والے کے لیۓ آمین کہتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی توجہ دعا کو درِ استجابت تک پہنچا دیتی ہے نیز یہاں ہمیشہ اللہ کے مقرب بندے موجود رہیں گے۔ خواہ وہ ہم پر ظاہر ہوں یا نہیں۔ اس مرکز پر ایسے فقیر ہمہ وقت موجود رہیں گے۔ جن کی دعائیں یہاں آنے والوں کے حق میں ہمیشہ قبول ہوتی رہیں گی۔

دربار کلیانوالا شریف

قطب العالم والزمان حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد خانقاہ کی تولیت کا مسئلہ سامنے آیا۔ تو متفقہ طور پر قرار پایا۔ کہ اس شرف کے مستحق جناب مستری عبدالجبار صاحب قبلہ ہیں۔ آپ نے بمعہ اہلیہ تحصیل پھلک (رام پور) میں حضرت حاجی عبداللہ شاہ در بادشاہ غوث و قطب" قدس سرہٗ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اپریل ۱۹۴۹ء میں جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ کے ہمراہ ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ چمن میں کچھ مدت کے لیے ڈاکٹر صاحب قبلہ کے ساتھ رہے، بالآخر پیر صاحب قدس سرہٗ کی محبت نے کشش کی۔ اور حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت دی۔ تو آپ کلیانوالا میں ہی آکر رہائش پذیر ہو گئے یہاں سائیکلوں کی مرمت کی دوکان کھول کر بیٹھ رہے۔ اور درویشانہ حالت میں توکل پر گذر بسر کرتے رہے، آپ کی اہلیہ مکرمہ نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر گاؤں کی بچیوں کو قرآن کی تعلیم دی۔ اور دونو میاں بیوی نے حضرت پیر صاحب کے مزار مبارک اور لنگر کی خدمت کو ہمیشہ اپنا اصل مقصود سمجھا۔ اور اسی خدمت کے صلہ میں آپ کو مخدوم کا رتبہ عطا ہوا۔ صاحب ذوق درویش ہیں۔ اور اپنے اوراد و وظائف بڑی پابندی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

پیرانِ طریقت کا فیض روحانی حضرت ڈاکٹر سید ابرار حسین صاحب قبلہ کے

ذریعہ جاری ہے۔ اس لحاظ سے آپ اس درگاہ کے شیخ تربیت ہیں۔ آپ کے شب و روز ذکر و عبادت اور خلق خدا کی خدمت میں بسر ہوتے ہیں بہت سے لوگوں کو آپ کے ذریعہ اس درگاہ کی طرف رجوع کرنے کی توفیق ملی۔ اور طریقۂ چشتیہ کے فیوض روحانی سے بہرہ مند ہوئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب قبلہ تقسیمِ ملک سے پہلے تحصیل ملک (رام پور) میں پریکٹس کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد بلوچستان میں مختلف مقامات پر بحیثیت میڈیکل آفیسر تعینات رہے۔ اور ریٹائرمنٹ کے بعد بھی وہاں کے لوگوں کی خدمت جاری رکھی۔ اب آپ کا ہر سال معمول یہ ہے کہ سردیوں کے تین ماہ کلیا نوالا تشریف سے آتے ہیں۔ اور باقی ماہ مستونگ (ضلع قلات۔ بلوچستان) میں قیام فرما رہتے ہیں۔ کلیا نوالا تشریف لاتے ہیں۔ تو آپ کے رات دن درگاہ کی تعمیر و ترقی کے لئے وقف رہتے ہیں۔

رام پور (بھارت) میں جناب سجاد علی خان صاحب قیصر ہر سال عرس کی تقریبات کا انتظام کرتے ہیں۔ اُن کے ساتھ اس درگاہ کے طالب و محب جناب صابر رضا بھی معاون ہوتے ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں اس درگاہ کے مقدم یا خلیفہ جناب قیصر صاحب ہی ہیں۔ ایک طویل عرصہ تک معلمی کے پیشہ سے منسلک رہے۔ آپ صاحبِ وجد و ذوق انسان ہیں۔ درگاہ پر عرس کے موقع پر جو سلام پڑھا جاتا ہے۔ وہ آپ کے قلم سے ہی صادر ہوا عرس کا انتظام رام پور میں محلہ جھوٹے والی املی میں ہوتا ہے۔

کلیا نوالا کی درگاہ میں خانقاہ کے دربان کے فرائض سلطان مہروانہ نے

سنبھال لئے۔ اور اب وہ رات دن وہیں رہتے ہیں۔ حضرت سید محمد ذراحسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ حاجی سلطان مہر وانہ حضرت پیر ابراہیم اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ مگر حضرت شاہ صاحب قبلہ کے ساتھ ہمیشہ قلبی لگاؤ رہا۔ حضرت رح کے وصال کے بعد آستانہ عالیہ پر مقیم ہو گئے ہیں۔ اس بار حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب اویسی کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے۔ اور حج کی سعادت حاصل کی۔

اس وقت خانقاہ میں صرف دو حجرے ہیں۔ عام طور پر باہر سے آنے والے مہمان انہی میں آکر رہتے ہیں۔ البتہ عرس کے موقعہ پر اور جگہ بھی انتظام کر لیا جاتا ہے۔ عرس کے موقع پر لنگر کا انتظام بدستور جناب مستری صاحب قبلہ کے ہاتھ میں رہتا ہے اور ڈاکٹر سید جرار حسین صاحب اُن کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ نیز روضہ اور بارہ دری کی زینت و آرائش، اہتمام سماع و نعت خوانی طعام و قیام زائرین کا کام بھی وہ اپنے ذمہ لے لیتے ہیں۔ اور ہر کام نہایت خوش اسلوبی اور ذوق و شوق کے ساتھ سرانجام دیتے ہیں۔ گاؤں کے سرکردہ لوگ بھی معاونت کی خدمت سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

کلیانوالا کی خانقاہ گاؤں سے ذرا باہر واقع ہے۔

کلیانوالا کا گاؤں تحصیل سمندری ضلع فیصل آباد (پنجاب) میں واقع ہے۔ یہاں آنے کے لئے دو تین راستے ہیں۔

۱۔ بذریعہ ریل گاڑی آئیں۔ تو شورکوٹ لاہور ریلوے لائین پر واقع ماموں کانجن کے اسٹیشن پر اُتر جائیں۔ بس اسٹینڈ سے

منی بسیں منتظر ملتی ہیں۔ وہ کلیانوالا پہنچا دیتی ہیں۔

۲۔ لائل پورسے بس پر سوار ہوں۔ تو ماموں کانجن کی بس مل جائے گی۔ ماموں کانجن پہنچ کر منی بس پر سوار ہو جائیں۔

۳۔ ملتان، ساہیوال یا اوکاڑہ کی طرف سے بس پر آ رہے ہوں۔ تو مرید والا اُتر جائیں۔ اور لائل پور سے آنے والی بس پر بیٹھ کر ماموں کانجن پہنچ جائیں۔ وہاں سے منی بس مل جائے گی۔

۴۔ کھِدّر والا سے یا اُس کے آگے منجھلا باغ ٹانگے بھی مل جاتے ہیں۔ جو کلیانوالا پہنچا دیتے ہیں۔ مگر ماموں کانجن سے منی بس کا سفر آرام دہ ہے۔ ماموں کانجن سے منی بسیں صبح سے شام تک چلتی رہتی ہیں۔ جو دربار شریف کے قریب اتار دیتی ہیں۔

کعبہ را ہر دم تجلّی می فزود
ایں ز اخلاصاتِ ابراہیم بود

(رومی)

اوّلین مقرّبین و منتسّلینِ دربارِ عالیہ

طریقت کے کسی سلسلہ میں گو فیض زمان و مکان کا پابند نہیں۔ کیونکہ یہ ہر ایک کو بقدرِ ظرف ضرور پہنچتا ہے، تاہم وہ حق شناس اور اہلِ نظر افراد جن کی بصیرت پہلے ہی موقعہ پر انسان کامل کو پہچان لیتی ہے۔ یارانِ طریقت کے حلقہ میں بہر حال ایک مرتبہ رکھتے ہیں۔ حضرت حاجی عبداللہ شاہ دربارِ شاہ غوث وقطب، رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اسی خطہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جہاں آپ اس زمانے میں زیادہ عرصہ قیام فرما رہے۔ یعنی ریاست رام پور یا دہلی یا دیگر مراکز سلسلۂ چشتیہ وغیرہ۔ ان میں سے بعض مقرّبین اوّلین کا انتقال ہو چکا ہے۔ اور بعض بفضلہٖ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں۔ بعد ازاں کچھ لوگ حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہؒ کے ذریعہ سے منسلک ہوئے۔ اور بعض حضرت ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہ کے توسل سے درگاہ تک پہنچے۔ تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ سلسلہ دو تین نسلوں پر محیط ہے۔

یہ بزرگ بیعت کے معاملہ میں بہت محتاط تھے۔ اس لئے مریدین کی تعداد میں معتد بہ اضافہ نہیں ہوا۔ حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو ظاہری رسمی بیعت کا طریقہ ہی ترک کر دیا تھا۔ اور گو کسی کو رسماً مرید نہیں کرتے تھے۔ مگر خدا رسانی اور خدا طلبی میں بزرگانِ سلسلہ کے طریق سے رابطہ قائم کرنے میں معاون ضرور ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے لوگ ذوق و شوق اور محبت کی بنا پر اپنے آپ کو ان کا مرید ہی کہتے تھے ان حالات میں یہ ہوا۔ کہ یہاں گدی قائم ہوئی نہ مریدوں کی کسی فہرست یا گنتی کا تصور

پیدا ہوا۔ بس فیض کا چشمہ رواں دواں رہا۔ اور تشنگانِ روحانیت و معرفت پیاس بجھاتے رہے۔ پیچھے جو فہرست دی جا رہی ہے۔ اس لئے مختصر ہے۔ کہ یہ صرف ان خواتین و حضرات کے ناموں پر مشتمل ہے۔ جنہوں نے باقاعدہ "دریک گیر و محکم گیر" کے مصداق اسی درگاہ کو بطور توسّل برائے قربِ الٰہی منتخب کر لیا۔

جناب ڈاکٹر سیّد ابرار حسین صاحب قبلہ نے جناب پروفیسر وقار صاحب کے توسط سے اُن افراد کے اسماءِ گرامی کی یہ فہرست ارسال فرمائی ہے۔ جو براہِ راست حضرت حاجی عبداللہ شاہ بادشاہ غوث و قطب رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ یا خود اُن کے ذریعے سے فیض یاب ہو کر حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ ان میں ان مقربین اولین کے نام بھی شامل ہیں۔ جو اس دارِ فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ اس فقیر کو جن کے بارے میں کچھ علم تھا۔ تو ان کے ناموں کے سامنے تعارفی جملے بھی لکھ دیئے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

۱۔ قطب العالم والزماں حضرت سیّد محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ:

خلیفۂ اعظم دربارِ عالیہ

۲۔ جناب قبلہ ڈاکٹر سیّد ابرار حسین زیدی؛ کتاب میں جابجا آپ کا ذکر آیا ہے۔ آپ ساداتِ نیٹھور (یوپی) سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے والد بغرض ملازمت ریاست رام پور میں آئے۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ ڈاکٹری کی تعلیم کے بعد تحصیل ملک (رام پور) میں پریکٹس کرتے رہے۔ یہیں اُن کی حضرت حاجی صاحب قُدِّسَ سِرُّہٗ سے ملاقات ہوئی اور بیعت ہوئے۔ پیرِ طریقت آپ کے حال پر خاص طور پر مہربان رہے۔ اور آپ کو اپنا مجاز بیعت قرار دیا۔

۳۔ جناب سید معصوم شاہ مرحوم: انتقال فرما چکے ہیں، محبانِ خاص میں سے تھے۔

۴۔ جناب مستری عبدالجبار صاحب قبلہ: آپ ملک (رام پور) کے رہنے والے ہیں، وہیں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے بیعت ہوئے، پاکستان آنے کے بعد بالآخر کلیانوالہ میں ہی رہائش پذیر ہوئے اور درگاہ کی خدمت اپنے ذمہ لی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کی دستار بندی ہوئی۔ آپ کی زندگی کا واحد مقصد درگاہ کی خدمت رہا ہے۔

۵۔ زوجہ جناب مستری عبدالجبار صاحب: نیک اور صالح خاتون ہیں، آپ کی وجہ سے کلیانوالہ کی بچیوں میں قرآنِ مجید کی تعلیم عام ہوئی۔ آپ کو اس درگاہ کی خدمت کا بہت زیادہ شرف حاصل ہے۔

۶۔ جناب یٰسین خان صاحب مرحوم: کبر سن بزرگ تھے۔ جب بیعت ہوئے۔ انتقال ہو چکا ہے۔

۷۔ زوجہ جناب یٰسین خان صاحب مرحوم

۸۔ جناب عبدالصمد صاحب مرحوم

۹۔ جناب سجاد علی خان صاحب قیصر: آپ رام پور میں اس دربار کے مقدم یا خلیفہ ہیں آپ کا ذکر کتاب میں آ چکا ہے۔ اعلیٰ درجہ کے شاعر بھی ہیں،

۱۰۔ پروفیسر وقار احمد صاحب: آج کل بلوچستان میں گورنمنٹ کالج قلات کے پرنسپل ہیں۔ آپ کو جناب ڈاکٹر ابرار حسین صاحب قبلہ کی دامادی کا شرف حاصل ہے انہی کے ساتھ ۱۹۶۰ء میں پاکستان تشریف لائے۔ بلوچستان میں ہی مختلف درسگاہوں سے وابستہ رہے۔ اعلیٰ درجہ کے معلم منتظم اور شاعر ہیں، یہ فقیر انہی کے ذریعہ سے اس درگاہ میں پہنچا۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا کرے۔

۱۱۔ بیگم پروفیسر فقار احمد صاحب : آپ جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ کی صاحبزادی ہیں آپ اُس وقت چھوٹی سی بچی تھیں، جب حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ ملک میں آیا کرتے تھے۔ آپ کو اکثر پیار سے اُٹھا لیتے تھے۔ آپ کا تعلقِ روحانی اپنے پیرِ طریقت سے بہت مضبوط رہا ہے۔

۱۲۔ جناب عبدالشکور صاحب مرحوم

۱۳۔ جناب مختار احمد صاحب مرحوم

۱۴۔ جناب سیّد شبیر میاں : آپ جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ کے ساتھ پاکستان تشریف لائے تھے۔ کچھ عرصہ کلیا نوالا میں بھی رہے پھر بعض خانگی مجبوریوں کی بناء پر واپس چلے گئے تھے۔

۱۵۔ جناب ڈاکٹر سیّد کرار حسین صاحب : آپ جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ کے بڑے صاحبزادے ہیں، کوئٹہ میں پریکٹس کرتے ہیں۔

۱۶۔ جناب ڈاکٹر سیّد جرار حسین زیدی : آپ بھی جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ کے صاحبزادے ہیں۔ عرس کے موقعہ پر انتظامات میں آپ کا ذوق وشوق قابلِ رشک ہوتا ہے صاحبِ جذب وشوق نوجوان ہیں۔

۱۷۔ سیّد احمد رضا : جناب سیّد جرار حسین صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ گو ابھی کمسن ہیں، مگر جذب وشوق انہیں اپنے والدِ گرامی سے ورثہ میں ملا ہے۔ اسی لئے ایک صاحبِ کشف ونظر بزرگ انہیں "میرا مجذوب" کہتے ہیں۔

۱۸۔ زوجہ سیّد جرار حسین صاحب اور اُن کی صاحبزادیاں

۱۹۔ جناب سیّد توفیق احمد صاحب زیدی : ریلوے میں ملازم ہیں حضرت شاہ صاحب قبلہ کے خاص عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ عرس کے موقع پر آرائش کا اکثر سامان نہایت شوق سے لاتے ہیں۔

۲۰۔ جناب سید جمیل احمد صاحب زبیری

۲۱۔ جناب صابر رضا صاحب: رام پور میں ہیں۔ عرس کے انتظامات میں جناب سجاد علی خاں قیصر کے نائب ہوتے ہیں۔

۲۲۔ جناب مولوی لشیر صاحب مرحوم: کلیانوالا میں امام الصلوٰۃ تھے۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کی وفات کے موقع پر آپ حاضر تھے۔ نیز حاجی صاحب قبلہ کے مکتوبات کی آخری کتاب آپ کے پاس تھی۔

۲۳۔ جناب مولوی امیر صاحب: کلیانوالہ کے علاقہ میں آپ ہی واحد آدمی ہیں۔ جنہیں حضرت شاہ صاحب نے اسماً بھی بیعت فرمایا۔ مولوی لشیر صاحب کے بھائی ہیں۔

۲۴۔ بی بخشائی صاحبہ

۲۵۔ جناب ظفر اقبال سیال: نہایت صالح نوجوان ہیں۔ بچپن سے ہی حضرت شاہ صاحب کے زیر تربیت رہے۔ اسی لئے دربار کلیانوالہ کے بزرگانِ کرام سے آپ کا روحانی تعلق بہت گہرا ہے۔

۲۶۔ زوجہ عظمت اللہ صاحب

۲۷۔ زوجہ خواہر نسبتی شیخ عظمت اللہ صاحب

۲۸۔ جناب مختار علی قریشی صاحب: آپ جناب پروفیسر وقار احمد صاحب کے داماد ہیں۔ محکمۂ وائرلیس میں ہیں۔

۲۹۔ عزیزہ ثمرہ وقار بیگم جناب مختار علی قریشی

۳۰۔ ڈاکٹر کیپٹن محمد امین وقار: آپ نے کراچی سے ایم بی بی ایس کی ڈگری لی۔ فوج میں ملازم ہیں۔ بزرگوں کی دعاؤں کے طفیل طبع سلیم اور انکسار کی مجسم تصویر ہیں۔

۳۱۔ عزیزہ محمودہ وقار: آپ اسلامیات میں ایم۔ اے ہیں۔ اور حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے روزنامچے کے مطالعہ کی بناء پر ان کی تعلیمات مرتب کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔ اللہ توفیق دے۔

۳۲۔ عزیزم نعیم وقار: میڈیکل کالج کوئٹہ میں پڑھ رہے ہیں۔

۳۳،۳۴۔ عزیزم قسیم وقار اور عزیزم وسیم وقار دونوں حضرت شاہ صاحب کے وصال کے موقع پر حاضر تھے۔ دونوں طالب علم ہیں۔ اللہ انہیں بھی بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔

۳۵۔ عزیزہ بدر وقار

۳۶۔ الحاج سید شفیع محمد صاحب: ملکانہ سے حضرت شاہ صاحب قبلہ سے تعلق محبت و اخلاص قائم ہوا۔ حضرت شاہ صاحب قبلہؒ حیدر آباد میں آپ کے ہاں ہی قیام فرماتے تھے۔ آپ کو سب سے زیادہ حضرت شاہ صاحب قبلہؒ کی خدمت کا موقع ملا۔

۳۷۔ جناب غلام محمد صاحب: آپ حیدر آباد میں مقیم ہیں۔ یہیں حضرت شاہ صاحب قبلہؒ سے تعلقِ اخلاص قائم ہوا۔ آپ بتاتے ہیں۔ کہ اپنی مشکلات میں ہمیشہ حضرت شاہ صاحب قبلہ کی طرف رجوع فرماتے رہے۔ اور اللہ ان کو رفع کر دیا کرتا ہے۔

۳۸،۳۹۔ جناب محمد علی صاحب اور جناب ناصر علی صاحب: دونوں جناب غلام محمد صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ ان پر بہت مہربان تھے یہ دونوں بھائی وقتاً فوقتاً کلیانولا آتے رہتے تھے۔ اور کچھ دن یہاں معتکف رہ کر چلے جاتے تھے۔ اب بھی ایسا ہی ان کا معمول ہے۔

۴۰۔ جناب اشرف صاحب

۴۱۔ جناب سید ضیاء الدین صاحب

۴۲۔ جناب سید اشتیاق احمد اجمیری صاحب: آپ اپنی اوائل عمر میں حضرت شاہ صاحب قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے کچھ کتابیں بھی پڑھیں۔ آپ اپنے ماموں حضرت سید عبدالحلیم شاہ صاحب چشتی کے آستانہ کے سجادہ نشین ہیں اور ساہیوال میں مقیم ہیں۔

۴۳۔ زوجہ جناب سید اشتیاق احمد اجمیری

۴۴۔ جناب میجر عبدالباری صاحب: آپ نہایت عابد و زاہد انسان ہیں۔ ایک بار عالمِ واقعہ میں آپ کو ایک بزرگ کے پاس جانے کا اشارہ ہوا۔ بعد میں جب آپ جناب ڈاکٹر صاحب قبلہ سے ملے، تو پہچان لیا۔ اور یوں اس سلسلۂ فیض سے منسلک ہوئے۔

۴۵۔ جناب محمد اکبر صاحب۔

۴۶۔ جناب مہر بشیر احمد بھروانہ: آپ اس علاقے کے بڑے زمینداروں میں سے ہیں۔ آپ اور آپ کی زوجہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے گہرے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔

۴۷۔ جناب مہر ذوالفقار علی بھروانہ: آپ مہر بشیر احمد صاحب کے بھائی ہیں۔ آپ بھی اسی درگاہ سے منسلک ہوئے۔

۴۸۔ سید احمد سعید ہمدانی: یہ فقیر جناب پروفیسر وقار احمد صاحب کی ترغیب و تحریک پر ۱۹۶۹ء میں کلیا نوالہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر

ہوا۔ اور پھر یہ ہوا۔ ؎

من کہ در ہیچ مقامے نزدم خیمۂ عشق
پیشِ تو رخت بیفگندم و سر بنہادم

اس درگاہ سے اپنے تعلق باطنی کی تفصیل انشاء اللہ ملفوظات کے مقدمہ میں لکھوں گا۔ فی الحال یہ فقیر اسی شرف پہ نازاں ہے کہ گو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجالس میں حاضری کے بہت کم مواقع ملے۔ مگر پھر بھی جو کچھ سنا۔ اُسے یاد رکھا۔ یہ کتاب اور آئندہ ملفوظات کا نسخہ انہی یادداشتوں کا حاصل ہیں۔

۴۸۔ بیگم سید احمد سعید ہمدانی۔

آخر میں فقیر اقرار کرتا ہے۔ کہ یہ فہرست کسی طرح بھی مکمل نہیں۔ کلیا نوالہ کے گردونواح میں کتنے ہی دیہات ہیں۔ جہاں کے بے شمار لوگوں کا حضرت شاہ صاحب کے ساتھ رابطہ تھا۔ اور جن کا ہمیں علم نہ ہو سکا۔ آئندہ ایڈیشن میں ان کے نام بھی درج کر دیئے جائیں گے۔ مگر یہ حقیقت ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہیئے۔ کہ اصل بات تو روحانی و قلبی تعلق کی ہے۔ فہرست میں نام کا آنا یا نہ آنا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ بعض اوقات عجب کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ آمین۔

تصاویر

مجدد شاہ محمد حسن معشوق اللہ رحمت اللہ علیہ
صابری چشتی قادری قدوسی رامپور شریف

حضرت حاجی شاہ عبد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا مرشد، شبیہ مبارک و مزار پر انوار

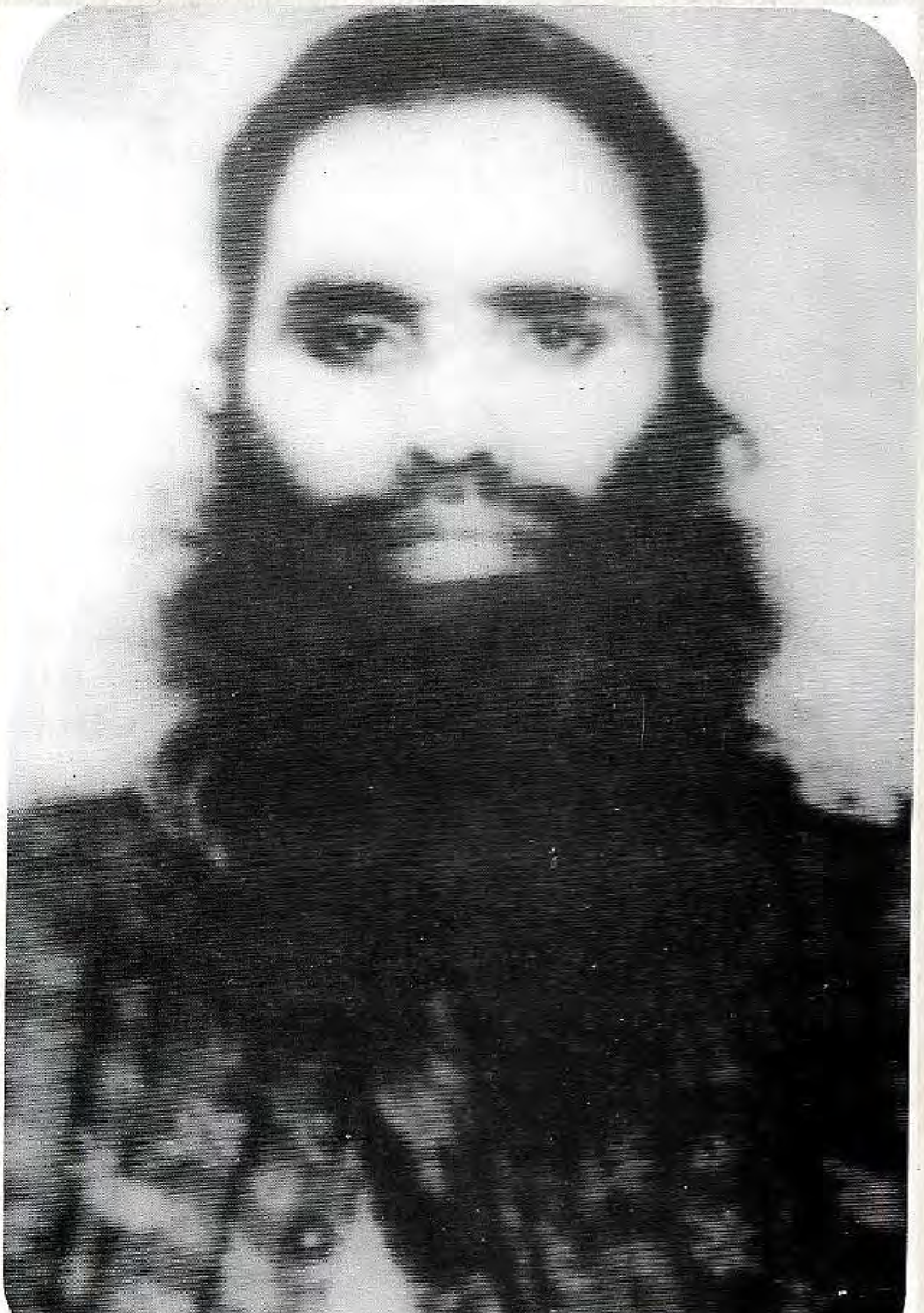

بادشاہ غوث وقطب حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمتہ اللہ علیہ

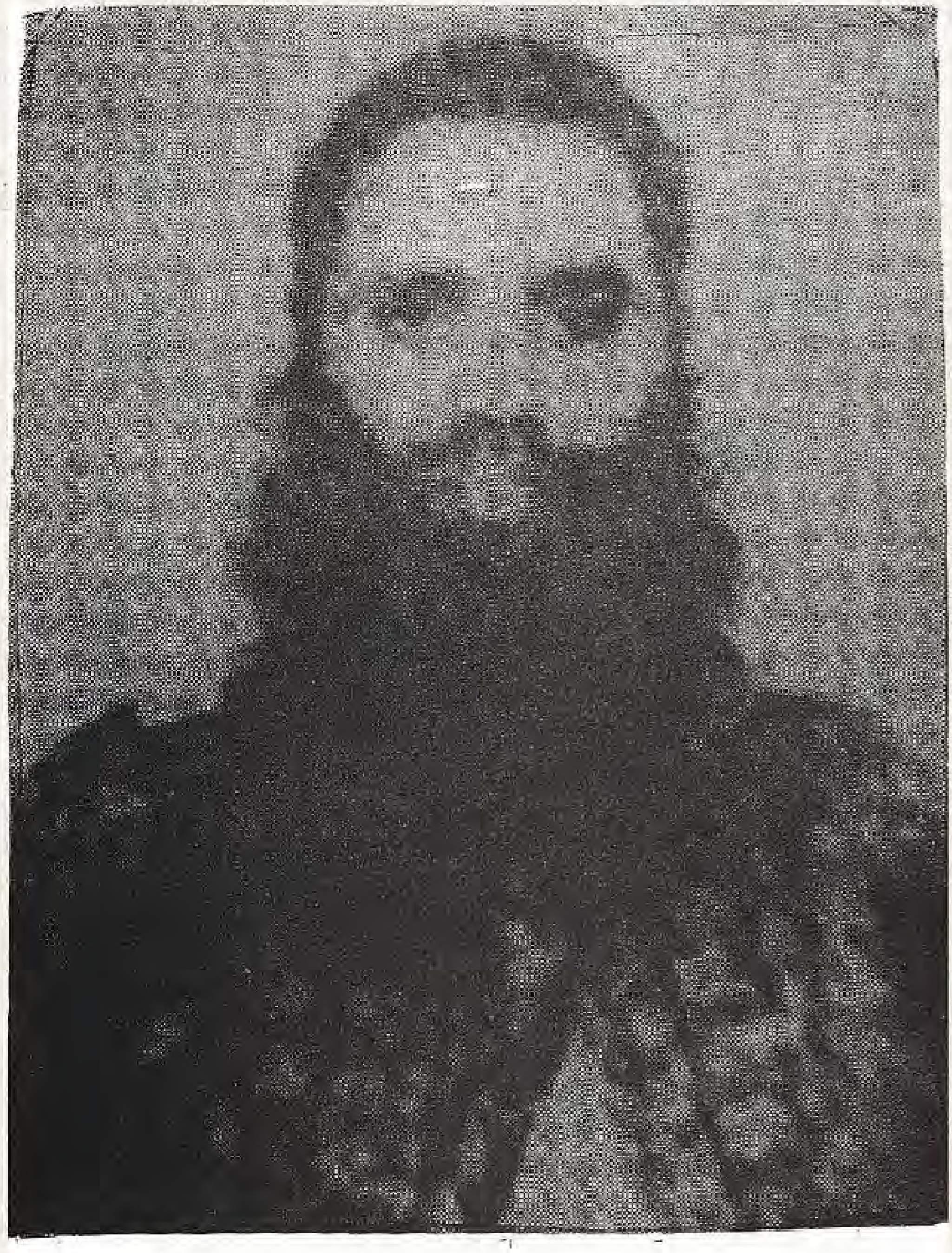

حضرت حاجی عبداللہؒ شاہ قدس اللہ سرہٗ
بادشاہ غوث وقطب

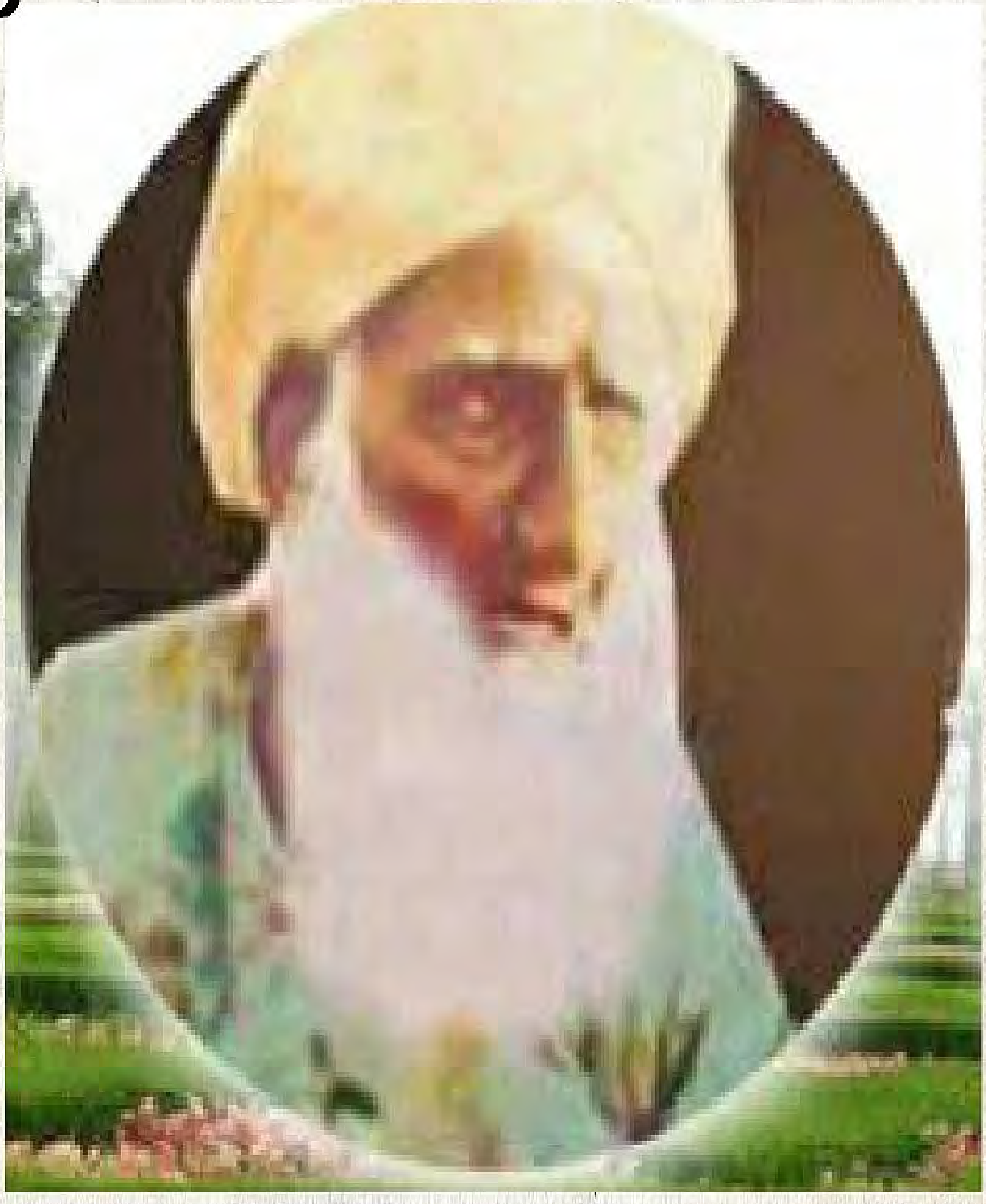

حضرت پیر محمد ابراہیم اویسی رحمۃ اللہ علیہ
(اویس نگر، پروکہ شریف)

مرشد عالی مقام، قطب عالم سید محمد وارث حسین شاہ رحمتہ اللہ علیہ

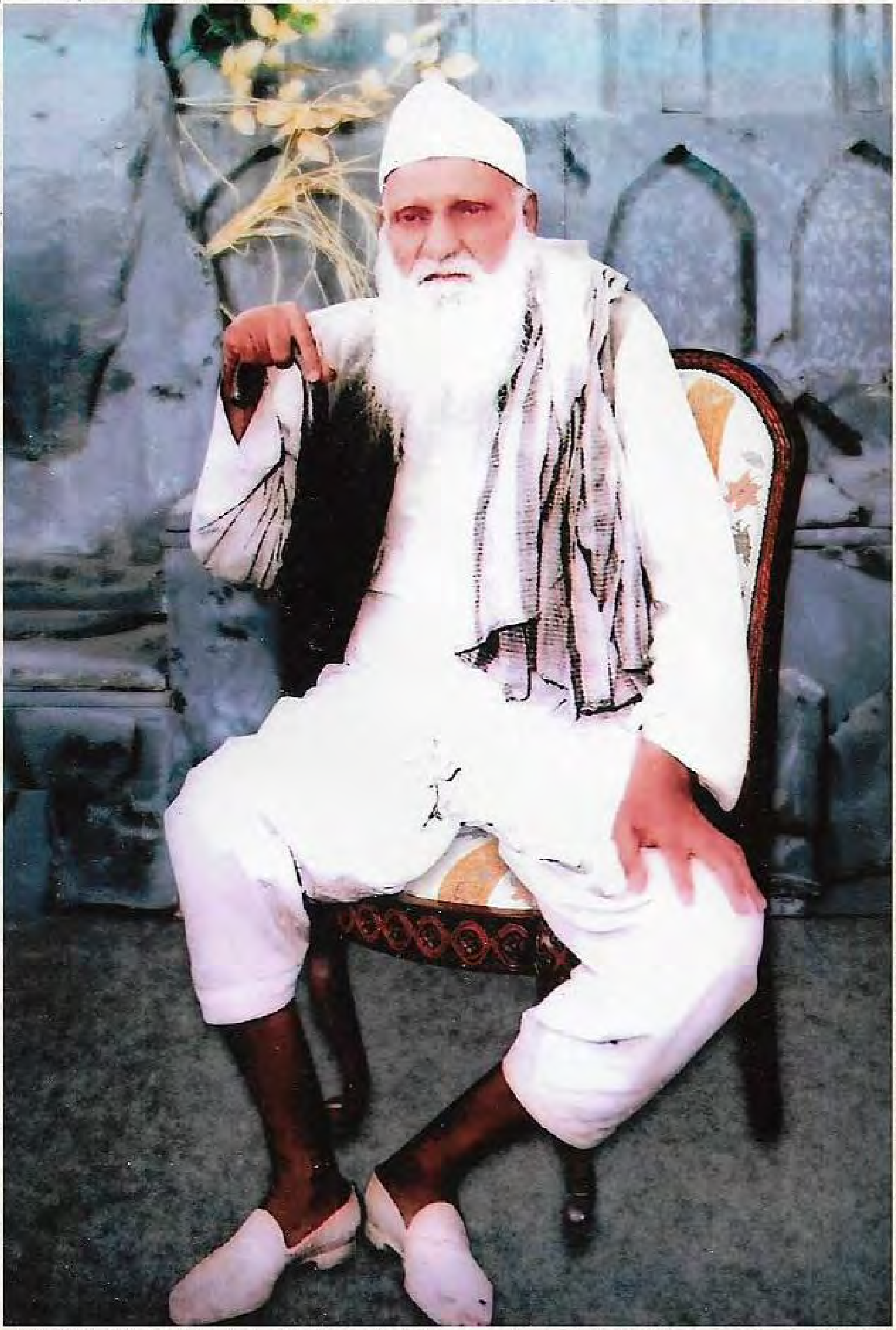

حضرت سید وراثت حسین شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سیّد مُحمّد وِراثت حسینؒ شاہؒ

رحمتہ اللہ علیہ

حضرت ڈاکٹر سید ابرار حسین شاہ زیدیؒ

حضرت سید جرار حسین شاہ زیدی مد ظلہ
سجادہ نشین کلیانوالہ شریف

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی
(مصنف)

دربارِ فیض بار حضرت حاجی شاہ عبد اللہ شاہؒ
بادشاہ غوث وقطب

مزار مبارک حضرت سید وراثت حسین شاہ بخاریؒ

خانقاہ صابریہ کلیانوالہ شریف

خانقاہ صابریہ کلیانوالہ شریف

خانقاہ صابریہ کلیانوالہ شریف

خانقاہ صابریہ کلیانوالہ شریف

قارئین کرام ، کتابت و طباعت کے دوران میں کچھ اغلاط رہ گئیں۔
ازراہِ کرم متعلقہ مقامات پر ان کو درست فرمالیجیے :

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۱	گنج بخش	گنج بخش روڈ	۵۴	۷	متائل	متأمل
۹	۶	تمسُّدُ	تمسُّدُ	۷۱	۱۵	الانفان	الایقان
۲۱	۱۱	پانی	بانی	۷۲	۱۵	طباعت	طبابت
۲۳	۷	سلسلے	سلسلہ	۷۳	۵	ہُوا	ہوئے
۳۸	۵	مسیخت	مشیخت	۸۳	۱۷ حاشیہ	کے	کے لئے
۳۹	۸	گذاز	گداز	۹۰	۱۸	حصول	حِصّوں
۴۲	۱۷	طلب نے	طلب کے	۹۶	۱۲	صلاحیتوں	ملامتیوں
۴۳	۱	پیر صاحب	پیر صاحب نے	۱۰۲	۱۲	عقیدت	عقیدت مند
۴۷	۳	فطرے	قطرے	۱۳۰	۷	با	اور
۴۹	۹	موعودہ	~~موعودہ~~	۱۴۱	۱۶	ادوار	اَوراد
۵۱	۱۶	ادتار	اوتاد	۱۴۹	۸	اسماً	رسماً
۵۲	۷	ہے	رہے				

تسامح

صفحہ ۹۳ ، ۹۴ : گگی بہاول پور کی بجائے شور کوٹ میں واقع ہے۔

صفحہ ۱۰۱ : کلیانوالا کے قریب جناب نہیں راوی کا دریا بہتا ہے۔

سید احمد سعید ہمدانی

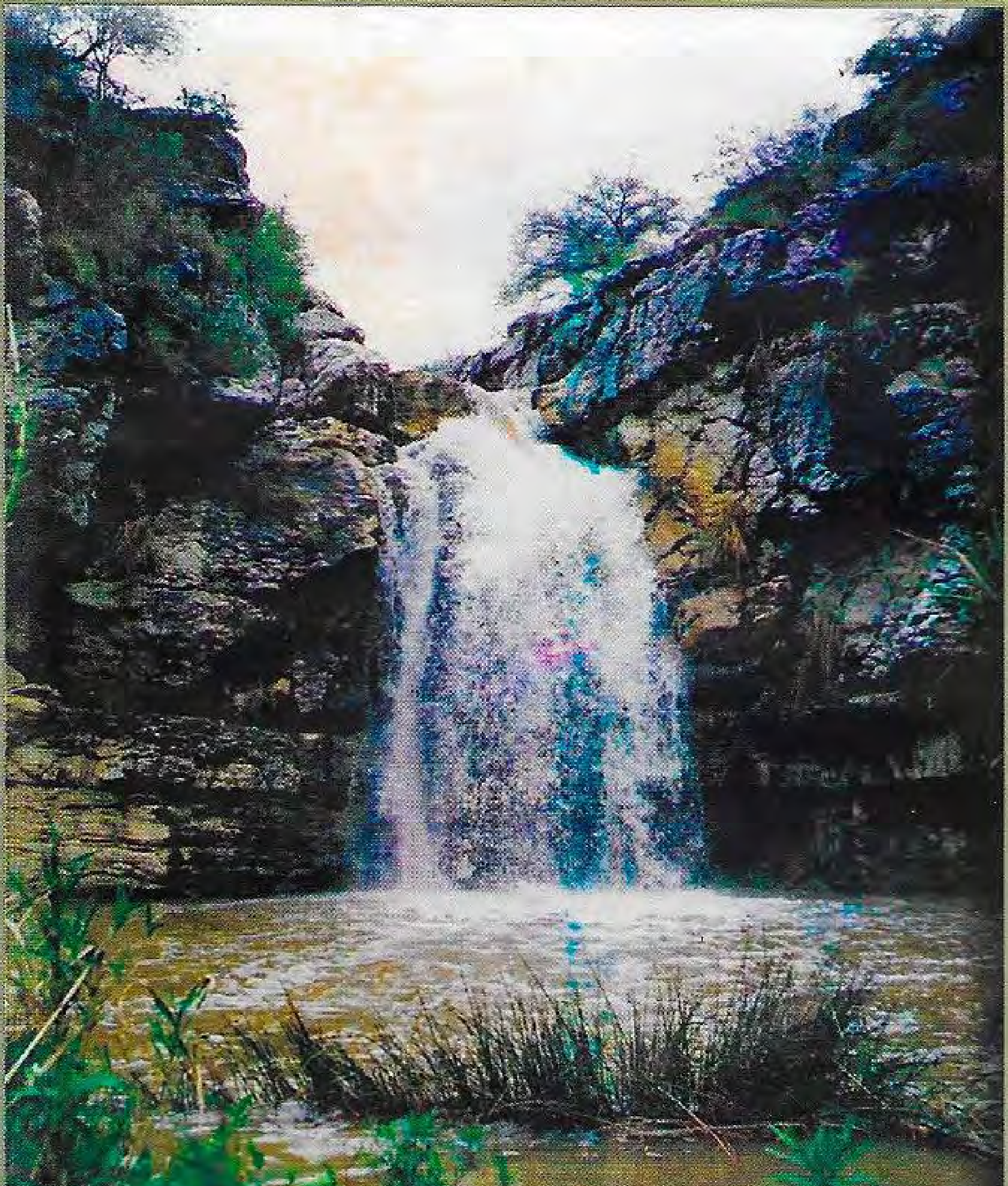

سرگرمِ سفر

Academy Manzil

سرگرمِ سفر

(روحانی مہم)

سید احمد سعید ہمدانی

سرگرم سفر

There were three men went down the road
As down the road went he.
The man he was; the man they saw;
And the man he wished to be.

"تین آدمی سڑک پر چلے جا رہے تھے!
ایک تو وہ تھا جو سڑک پر سامنے جا رہا تھا!
دوسرا جسے لوگ دیکھ رہے تھے!
اور تیسرا وہ جو سفر کے اخیر پر جیسا کچھ بننا چاہتا تھا"

غالب و صلاح و خاتون عجیم
Zavia Publishers Data Market

جملہ حقوق محفوظ

بحقِ مصنف محفوظ ہے

کتاب	:	سرگرم سفر (روحانی مہم)
مصنف	:	سید احمد سعید ہمدانی
سن اشاعت	:	۲۰۰۷
تعداد	:	ایک ہزار
کمپوزنگ	:	سانگھرو عبدالرزاق
قیمت	:	
زیرِ اہتمام	:	یکپاسی ٹرسٹ مستونگ بلوچستان
ناشر	:	منزل اکیڈمی، کراچی (0300-2761279)

تقسیم کار: ۱۔ اورینٹل پبلیکیشنز پاکستان
۳۵ رائل پارک لاہور
فون : 042 6363009

۲۔ ارمغانِ باہو
دربار حضرتِ سلطان باہو
ضلع جھنگ (پنجاب)

ترتیب بے ترتیب

پیش لفظ	ڈاکٹر طاہر تونسوی	I
تعارف	سید علی محمد شاہ ہاشمی	XVII
عرض حال	سید احمد سعید ہمدانی	XXXIII

۱۔ ابتدائے سفر ۱
مجھے اب تک یاد ہے! ۱
مرشد سے میری پہلی ملاقات ۴
۲ راہِ سلوک کا مسافر ۱۳
۳ مرشد عالی مقام ۳۳
سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ۳۳
ملفوظات ۳۹
حضرت حاجی شاہ عبداللہ۔ ۵۵
''بادشاہ غوث قطب'' رحمۃ اللہ علیہ
عالم رویاء وکشوف ۵۹
۴ سرگرم سفر ۹۳

مشائخ معرفت:

حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ۹۵

شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۱

مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۶

حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی (شاہ ہمدان) رحمۃ اللہ علیہ ۱۱۳

۵ مطالعہ کتب تصوف

کشف المحجوب ۱۲۱

عوارف المعارف ۱۲۸

۶ زیارات ۱۳۹

دربار داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۰

دربار حضرت میاں میر قادری رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۱

دربار حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۲

دربار حضرت سلطان شاہ بلاول ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۳

دربار حضرت شاہ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۳

دربار سادات لکھیوال ۱۴۴

دربار حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ۔ زیارت نوکوٹ ۱۴۵

دربار حضرت امام بری شاہ عبداللطیف رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۶

دربار حضرت سلطان مہدی رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۶

دربار مائی کی ڈھیری ۱۴۷

دربار حضرت بابا سبزواری رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۸

دربار حضرت مولانا ظفر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۹

دربار حضرت سید خواجہ ابراہیم یکپاسی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰

دربارحضرت مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۰
دربارحضرت شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ ۱۵۲
بائیس خواجہ کی چوکھٹ ۱۵۳
اجمیر شریف ۱۵۴
حاضری بیت اللہ شریف و روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۵۵
۷ تعلقات
مشائخ صحبت
جناب پروفیسر وقار احمد وقار ۱۵۷
ڈاکٹر سید ابرار حسین زیدی رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۳
جناب سید جرار حسین زیدی ۱۶۴
حضرت مولانا ظفر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ۱۶۵
حضرت مولانا جان محمد رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۴
چوہدری محمد دین رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۸
حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ ۱۷۹
حضرت سلطان غلام دستگیر ناشاد رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۴
حضرت حافظ محمد افضل فقیر رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۵
حضرت شیخ عبدالرؤف۔ بابا سبزواری رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹
جناب پروفیسر صاحبزادہ عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۵
جناب ملک محمد سرور خان اعوان رحمۃ اللہ علیہ ۱۹۶
ہمرہان طریقت
حکیم محمد یحیٰی خان شاہجہانپوری ۱۹۹
بابا سبحان اللہ ۲۰۰

جناب انور صاحب چیف ٹیک ۲۰۱
بابا عبداللہ لبلانی ۲۰۲
حضرت مولانا شمس الاسلام ۲۰۴
ڈاکٹر انے ماری شمل ۲۰۵
میجر جنرل ڈاکٹر سید جاوید الحسن ۲۰۷
قاضی محمد امین بھٹی مرحوم ۲۰۸
جناب ممتاز مفتی مرحوم ۲۰۹
جناب سید سرفراز شاہ ۲۱۲
جناب شاد فاروقی مرحوم ۲۱۲
حضرت صوفی برکت علی رحمۃ اللہ علیہ ۲۱۴
بابا دھنکہ ۲۱۵
صوفی خانوادوں سے تعلق ۲۱۷
خانوادہ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ۲۱۸
خانوادہ حضرت خواجہ سید ابراہیم یکپاسی رحمۃ اللہ علیہ ۲۲۰
خانوادہ اویسیہ پروکہ شریف ۲۲۱
خانوادہ عزیزیہ مکان شریف ۲۲۲
۸ اوراد و وظائف ۲۲۳
اوراد فتحیہ ۲۲۳
ذکر اسماء الحسنٰی ۲۲۴
درود تاج ۲۲۴
قصیدہ غوثیہ اور چہل کاف ۲۲۵
حزب البحر ۲۲۶

	حزب الوقایہ ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۶
	مراقبات و وظائف حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ	۲۲۷
۹	پیری مریدی	۲۳۱
۱۰	ذوق خامہ فرسائی	۲۳۹
۱۱	حال، احوال	۲۴۳
۱۲	دوستی و دوستداری	۲۵۳
	حواشی	۲۵۹

ضمیمہ

ضمیمہ		۲۶۹
جس طرح دوسروں نے دیکھا		۲۷۱
ایک عظیم دوست	پروفیسر محمد جلیل الرحمٰن	۲۷۳
ہمدانی صاحب	سید عبداللہ شاہ	۲۸۵
میرے چاچا جی	سید محمد طاہر شاہ ہمدانی	۲۹۳
حقیقی پروفیسر	صاحبزادہ محسن سلطان	۲۹۷
تبصرے	سلطان ارشد القادری	۳۰۱
کالم پُرسشِ احوال	حمید اختر	۳۰۳
انٹرویو	فرخندہ ہمدانی و نائلہ اکرام	۳۰۷
ایک اقتباس	لیویلین وان لی	۳۱۵

عرضِ حال

صوفیاءِ متقدمین نے کبھی خود اپنی خودنوشت سوانح کی اشاعت کا اہتمام نہ کیا۔ یورپ میں جب سے تصوف کی روایت کی اشاعت ہوئی ہے۔ تو وہاں کچھ لوگوں نے جرأت سے کام لیا ہے اور اپنی روحانی ابتداء اور ترقی کا حال لکھ دیا ہے۔ اس سے کم از کم یہ فائدہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والے تصوف و سلوک سے کچھ آگاہی حاصل کر لیتے ہیں یا جو تصوف و سلوک میں پہلے سے زیرِ تربیت ہیں اس کے زیر و بم اور نشیب و فراز کے متعلق کچھ جان لیتے ہیں۔

میں نے بھی یہ بے ترتیب واقعات اس لئے لکھے ہیں کہ شاید کسی کی رہبری ہو جائے اور میری اس روحانی مہم (''سفر در وطن'') میں کہیں کوئی کسر مجھ سے رہ گئی ہو تو دوسرے اس کا خیال رکھیں۔

جن عزیزوں نے مسودہ پڑھا، ان کے خیال میں لکھتے ہوئے میں کچھ خارجی حالات و واقعات سے بے خبر ہو گیا تھا۔ اس کی کمی ضمیمہ میں دوسروں کی تحریروں سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب کے ساتھ اگر ''قدم بر قدم'' سفرنامہ پڑھ لیا جائے تو اس خودنوشت میں جو کمی محسوس ہوتی ہے۔ کافی حد تک اس کی تلافی ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ ہی نیتوں کو جانتا ہے، وہی مقلب القلوب ہے اور وہی نورِ توفیق عطا کرتا ہے۔

میں برادر عزیز جناب سید علی محمد شاہ ہاشمی کا شکر گذار ہوں کہ وہ اس کتاب کے چھپوانے کا اہتمام فرما رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا ایک مضمون بھی اس کتاب میں شامل کیا ہے۔ اگر وہ یہ مضمون نہ لکھتے تو میری ابتدائی ظاہری و باطنی کیفیات کا کسی کو اندازہ نہ ہوتا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اپنے زمانۂ طالب علمی کے استاد کی تعریف میں اپنی عالی ظرفی کی بدولت بہت ''مبالغے'' سے کام لیا ہے۔

میں جناب ڈاکٹر طاہر تونسوی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں کتاب کا پیش لفظ لکھا۔

میں شاہ صاحب کے معاون صوفی عبدالرزاق سانگھرو کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے شب و روز محنت کر کے کتاب کو سنوارنے میں بہت کوشش کی۔

اللہ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے!

نوشہرہ (وادی سُون) پنجاب

فروری ۲۰۰۷

سید احمد سعید ہمدانی

ابتداءِ سلوک سے کچھ پہلے میں نے خواب میں دیکھا:

بطور نشاندہی!

میں نہایت گندی جگہوں سے گذر رہا تھا جیسے بستی کے قریب کے کھیت جن میں جا بجا فضلہ پڑا ہوا تھا۔ میں آلودگی سے بچتا بچاتا ایک گھاٹی میں آ نکلا۔ گھاٹی کے گرد پہاڑی کے ساتھ چھجے کی طرح نکلی ہوئی جگہ پر سے پگڈنڈی گذر رہی تھی۔ میں اس پر چلتا رہا۔ پھر تیز ہوا چل پڑی۔ میں دوڑنے لگا، زیادہ تیز ہوا مجھے پگڈنڈی سے کھڈ کی طرف دھکیلنے لگی۔ میں نے زیادہ کپڑے پھینک دیئے، میرا سانس پھولنے لگا لیکن بدحواسی کے عالم میں دوڑتا رہا۔ اوپر دو دوست حوصلہ افزائی کر رہے تھے کہ بس ذرا اور ہمت، ذرا اور آگے، اور تم پہنچ گئے!

ایک جگہ ذرا پگڈنڈی کی سطح اونچی تھی۔ دیکھا تو ادھر ہموار مقام پر مسند لگی ہوئی تھی اور سامنے غالیچے بچھے ہوئے تھے مگر نہ مسند نشین ہے نہ حاضرین۔ کہا گیا: ''یہی وہ جگہ ہے!'' میں نے اچھل کر اوپر چڑھنے کی کوشش کی کہ وہاں پہنچوں، ناکام رہا، جگہ میرے قد سے اونچی تھی۔

واپس لوٹا، جانے کیسے اور کہاں کسی اور طرف چلا گیا۔ وہاں عجیب و غریب لوگوں سے واسطہ رہا۔ ایک گروہ پر سے گذر ہوا تو حیرت ہوئی، وہ دسترخوان پر بوٹیوں کی تقسیم پر لڑ رہے تھے۔

میں مارا مارا پھرتا رہا، دریں اثنا میری جگہ خالی رہی۔ میں وہاں نہ پہنچ سکا۔

(۱)

ابتدائے سفر

مجھے اب تک یاد ہے!

اپنے باطنی سفر کی ابتدا میں دسمبر ۱۹۷۲ کا وہ دن مجھے اب تک یاد ہے جب میں اپنے مرشد سے ملنے جا رہا تھا۔ تیسری بار زیارت کے لئے۔

جب میں بس سے اترا تو شام ہو چلی تھی اور مجھے جنوب کی طرف سات آٹھ میل اور آگے گاؤں میں دربار[۱] تک پہنچنا تھا جہاں میرے مرشد قیام پذیر تھے۔ وہاں اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے مقبرے کے قریب وہ تنہا ایک حجرے میں رہتے تھے اور میں جلد از جلد وہاں پہنچ کر ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

میں نے ٹانگہ کرائے پر لیا کہ یہی سواری میسر تھی اور اس میں سوار ہو کر خراب اور بے ڈھب سی سڑک پر ہو لیا جو گاؤں جا رہی تھی۔

فضا میں ٹھنڈک تھی۔ یہ ایک خاموش پر سکون شام تھی اور دھند لکا ادھر اُدھر پھیل رہا تھا مگر آس پاس کے کھیتوں میں تا حد نظر سرسوں کے پھول کھلے تھے، اور ان کی خوشبو تازہ اور فرحت افزا

تھی۔ درمیان میں گندم کی نوخیز فصل بھی لہلہا رہی تھی۔ دو رنگ ہر طرف نمایاں تھے: سبز اور زرد۔ موسم، ماحول اور سفر سب یکجا ہو کر سلوک کے راستے کو قدرے آسان اور خوشگوار ظاہر کر رہے تھے۔

تانگہ ہچکولے کھاتا آگے بڑھ رہا تھا کہ میں نے اپنے دل کے اندر جھانک کر دیکھا تو وہاں بیٹھا شک اندیش شخص مجھے فکر مند نظر آیا۔ وہ حیران ہو رہا تھا کہ کیسے کالج کا ایک خردمند لیکچرار اور ایک جدید تعلیم یافتہ آدمی ایک خانقاہ کی طرف زیارت کے لئے جا رہا تھا جہاں ایک بزرگ بیٹھا کچھ کر رہا تھا جو جدیدیت کے سارے ضابطوں کے خلاف دکھائی دیتا تھا۔ تصوّف، سرّیت، خانقاہ، صوفیا کے مقابر و مزارات اور پھر پرانے وقتوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہوا ایک پیر مرد، ان صوفیوں کے بارے میں جو بہت مدت پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس کے ساتھ ان کی حکایات اور ان کی مرموز دانائی کا ذکر، یہ سب کچھ میرے اندر بیٹھے متشکک کو خلاف عادت اور ناآشنا نظر آ رہا تھا۔

چند ماہ پہلے میں ایک مرید کی حیثیت سے ان بزرگ کے حضور میں پیش ہوا تھا۔ میں ان کے پاس گیا تھا کیونکہ میں اپنے تئیں ایک اتھاہ گھاٹی کے کنارے کھڑا پا رہا تھا: خیالات و جذبات کا انتشار اور خودکشی کا خوف۔ موت!

وہ دوسروں کی طرح ایک پیر نہ تھے کہ ان کے گرد لوگوں کا جمگھٹا رہتا ہو، وہ ہم عصر صوفیوں کے درمیان کوئی معروف شخصیت بھی نہ تھے لیکن وہ ایک شفیق انسان تھے وہ ہر اس شخص کو سکھانے اور روحانی مدد بہم پہنچانے کے لئے تیار رہتے تھے جو اس غرض سے ان کے پاس آتا تھا۔ پس جب میں ان کے پاس آیا تھا تو انہوں نے مجھے دعائیں دی تھیں اور تعلیم صوفیا کے بارے میں کچھ اشارات سے مجھے نوازا تھا۔ یہ سب کچھ میرے لئے اطمینان بخش اور معاون ثابت ہوا تھا۔ اسی لئے اب میں ان کی خدمت میں تیسری یا چوتھی بار جا رہا تھا۔ لیکن میرے اندر کا شک کا مارا

شخص ابھی تک بڑبڑائے جا رہا تھا۔ میں اس کی سنتا رہا مگر پھر میں نے اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ میں نے اپنے مرشد کی زیارت کا سوچا اور مجھے ملاقات کی توقع اور روحانی تسلی بھلی محسوس ہونے لگی۔ میں ان سے ابتدائی تلقین کی برکت حاصل کر چکا تھا اور کچھ صوفیانہ احوال میرے تجربے میں آ چکے تھے مگر پھر بھی کوئی میرے اندر بک بک کیے جا رہا تھا جس کا اثر اب صرف لحاتی قسم کا رہ گیا تھا۔

اندھیرا اچھل چکا تھا جب میں گاؤں پہنچا جسے کلیانوالہ کہتے ہیں۔ ابھی تک وہاں بجلی نہیں آئی تھی، میں اپنے روحانی مرّبی سے ملا جو ایک یا دو درویشوں کے ساتھ لالٹین کی روشنی میں اپنے حجرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ مجھ سے مل کر خوش نظر آئے اور ان کی یہ خوشی میں نے اپنے قلب میں محسوس کی، میں پُر مشقت سفر کی ساری تکان فوراً بھول گیا۔

کھانے کے بعد میں نے بھی نماز عشاء ادا کی اور بستر پر لیٹ گیا۔ کسی وقت رات کو میں نے ایک خواب دیکھا۔ میں نے اپنے تئیں ایک معمار کو سیڑھی کے آخری زینے پر دیکھتے ہوئے پایا جو مقبرے کی دیوار کی کوئی چھوٹی موٹی مرمت کر رہا تھا۔ اس نے مجھ پر نظر ڈالی اور واضح طور پر کہا: ''یہ تیرا ہی گھر ہے!'' بس اس کے بعد یہ میرا گھر بن گیا، میرا روحانی گھر، اَصلی گھر!

اگلے دن اپنے مرشد سے تعلیمِ صوفیا اور ان کی بعض ذاتی روحانی واردات کا سن کر میں تمام شکوک اور اندیشوں کو بھول گیا۔ میں نے انہیں اپنے اذکار اور چند کشوف کے بارے میں کچھ بتایا اور گو انہوں نے یہ سب کچھ بظاہر نا دانستگی کے انداز میں سنا لیکن اب میرے اندر گھُسا ہوا متشکک مجھے چھوڑ کر جا چکا تھا۔ میں اب اپنے مرشد کے حضور میں خانقاہ میں ایسے بیٹھا تھا جیسے اپنے گھر میں۔ بالآخر مجھے روحانی سکونت مل چکی تھی، ایک مقدس پناہ گاہ۔ میں نے محسوس کیا کہ اب میں یہاں سے جہاں بھی جاؤں گا، میری ذات کی اصل پرت ضرور یہیں رہے گی اور میں جب بھی یہاں لوٹ کر آیا تو یہ جگہ بدستور میری منتظر ہوگی۔ رابرٹ فراسٹ نے اپنی

ایک نظم میں کہا تھا:

"گھر وہ جگہ ہوتی ہے جہاں تم جب کبھی جاؤ تو
وہ تمہیں بہر حال اندر آنے دیں"۔

مرشد سے میری پہلی ملاقات

جنوری ۱۹۶۹   عمر تقریباً ۳۵ سال۔

جب میں گورنمنٹ کالج خضدار (بلوچستان) میں لیکچرار تھا تو مجھے پروفیسر وقار احمد وقار نے ایک ایسے بزرگ کو دیکھنے اور اس سے ملنے کی ترغیب دی جو ان تمام اقدار کا حامل ہے جن کے بارے میں ہم صوفیاء وفقراء کے تذکروں میں پڑھتے ہیں۔ پروفیسر صاحب تو درحقیقت پہلے سے درویشوں کے حلقے میں شامل ہو چکے تھے جب کہ میں صرف ان کی روحانیت کی تعریف کرتا اور ان کے بارے میں کتابوں میں پڑھتا رہا تھا۔ جیسے علامہ اقبال اور دیگر صوفی شعراء کی شاعری میں ان کو داد و تحسین دی گئی تھی۔ بہر حال تعطیلات سرما میں اپنی پہلی فرصت میں حضرت سید وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے لئے میں پنجاب کے دور افتادہ علاقے کے ایک گاؤں کلیانوالہ کی طرف روانہ ہوا۔ لاہور سے میں نے ٹرین پکڑی اور ایک بھرے پڑے تھرڈ کلاس کے ڈبے میں تذکرہ غوثیہ پڑھتا سفر کرتا رہا۔ تذکرہ غوثیہ حضرت سید غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے اسفار، ان کی تعلیم اور ان کی بیان کردہ حکایات کا ریکارڈ ہے جو انکے مرید اور خلیفہ نے درویشوں، جوگیوں اور مجذوبوں کے ساتھ ان کی ملاقاتوں اور باتوں کے ساتھ تذکرہ کی صورت میں محفوظ کر لیا۔ دراصل میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس بزرگ سے ملنے کے لئے تیار کر رہا تھا جو میری دنیا سے مختلف ایک دنیا کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔

چند گھنٹوں کے سفر کے بعد میں ٹرین سے اترا اور ایک ٹانگہ لے لیا۔ سڑک (پر کیا وہ سڑک تھی؟) جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، گرد سے اٹی پڑی تھی اور جب میں کلیانوالہ پہنچا تو میں سر سے پاؤں تک گرد آلود ہو چکا تھا۔ خوش قسمتی سے پروفیسر وقار احمد کے خسر جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین شاہ صاحب میرے خیر مقدم کے لئے وہاں تھے۔ وہ میرے ہمراہ شاہ صاحب کی طرف چلے (حضرت سید وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو لوگ یہاں شاہ صاحب ہی کہتے تھے) اگرچہ میں اپنے خاندان میں پیشہ ور پیروں اور سجادہ نشینوں کو دیکھ چکا تھا مگر درحقیقت میں درویشوں کے طور طریق سے مانوس نہ تھا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ جب بندہ کسی فقیر کی خدمت میں حاضر ہو تو کیسے سلام کرے۔ وہ مسکرائے اور مجھے تسلی دینے کے لئے بتانے لگے کہ یہاں کوئی پروٹوکول نہیں ہے اور بظاہر فقراء بھی دوسرے لوگوں کی طرح ہی ہوتے ہیں اور انہیں رسمی آداب اور قواعد کی پروا نہیں ہوتی۔

خانقاہ میں آخر کار فقیر سے ملا جو برکت کے حصول کے لئے آنے والے ایک مرد اور عورت کے ساتھ کھری چارپائی پر بیٹھے بات کر رہے تھے۔

میرا پہلا تاثر: ایک سفید ریش بزرگ آدمی، دیہاتی انداز میں سلے ہوئے کپڑوں میں ملبوس۔ لیکن ان کی مسکراہٹ میں شفقت اور آنکھوں میں چمک۔

ابتدائی سلام و دعا کے بعد انہوں نے بڑے منکسرانہ انداز میں معذرت کے لہجے میں فرمایا کہ کچھ دیر کے لئے انہیں ملاقاتیوں سے بات کرنے کی اجازت دی جائے۔

پھر چند لمحوں کے لئے جو انہوں نے اپنی توجہ دوبارہ ان کی طرف مبذول کی تو یکلخت ایک انجانی خوشی کی لہر نے مجھے آ لیا۔ میں نے کھلکھلا کر زور سے ہنسنا چاہا۔ بڑی مشکل سے میں نے اس تحریک پر قابو پایا کیونکہ یقیناً یہ بڑی عجیب بات ہوتی اگر میں بے ضبط ہو جاتا، لیکن یہ بہت ہی انوکھا تجربہ تھا۔ اور فی الواقعہ اس قسم کے احساس سے دوچار ہونا حیران کن بھی تھا۔ شاید وہاں بیٹھا فقیر میرے آنے پر اندر ہی اندر اتنا خوش ہوا ہو یا اغلباً میری روح اپنی منزل پہچان کر باغ

باغ ہوگئی ہو اور یہاں اسے ایسے لگا ہو جیسے کوئی مدت کے بعد اپنے گھر لوٹ کر خوشی سے لوٹ پوٹ ہو رہا ہو۔ درحقیقت یہ سبھی باتیں اور تمثیلات درست ہو سکتی ہیں۔

میں جناب شاہ صاحب کے ہاں ایک دو دن ٹھہرا۔ انہوں نے مجھے صوفیوں کی کہانیاں سنائیں، اپنے جوانی کے دور کے کچھ تجربات بتائے اور اس زمانے کی باتیں کرتے رہے جب وہ حلقہ طریقت میں نئے نئے آئے تھے۔ انہوں نے مجھے ساتھی فقیروں کے متعلق بھی بتایا جن سے وہ ملتے رہے تھے۔

وہ دو[4] دن میرے باطنی سفر کی کہانی میں میرے لئے بہت قابل قدر ہیں کیونکہ انہی دنوں میں مجھے اس رائے پر وثوق حاصل ہو گیا تھا کہ یہ بزرگ اپنی جگہ پر ایک کامل مرشد ہیں۔ لیکن اس وقت میں طریق پر کسی قسم کی رہنمائی پانے کے لئے تیار نہ تھا کیونکہ مجھے اس کی طلب تھی نہ ضرورت۔ اگرچہ تصوف میرے دل کو لبھاتا تھا مگر مجھے صوفیانہ تعلیم و تلقین میں محض علمی طور پر دلچسپی تھی۔ جدیدیت کی دھند ابھی تک میری آنکھوں پر چھائی ہوئی تھی۔

اگرچہ میری باطنی ذات یا برتر ذات کسی حد تک یہ شعور رکھتی تھی کہ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اُسے ازلی نسبت ہے۔ کیونکہ مجھے یاد ہے کہ جب وہاں سے رخصت ہونے والا تھا تو میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

چند ماہ کے بعد مجھے کسی کام سے لاہور آنا پڑا تو ایک دفعہ پھر یونہی میں حاضر ہوا۔ شاہ صاحب اسی شفقت کے ساتھ مجھ سے ملے۔ میں ان کے ساتھ چند گھنٹوں تک ٹھہرا اور خضدار چلا گیا جہاں میں ڈگری کالج میں انگریزی کا مدرس تھا۔

پھر ایسا ہوا کہ میں تبادلے پر گورنمنٹ کالج جوہر آباد (پنجاب) پہنچ گیا۔ یہاں چند احباب کی صحبت میں موجودیت، منطقی اثباتیت اور کچھ دوسری اقسام فلسفہ کے مطالعہ نے مجھے گرفت میں لے لیا۔ اُس دور میں ہمارے مُدرسینِ فلسفہ بھی یہی دلپسند فلسفے تھے۔ عجیب بات یہ

ہے کہ مغرب میں ان مکاتیب فلسفہ کا زور ختم ہو چکا تھا مگر ہمارے پروفیسر حضرات ابھی تک انہی سے دل لگائے بیٹھے تھے۔ میں نے ان موضوعات پر ابھی چند ہی کتب اور اکا دکا مضامین پڑھے ہوں گے کہ میں نے ان کے مطالعہ سے ایک مختلف تاثر لیا گو وہ کچھ دوسرے لوگوں سے زیادہ خلاف معمول بھی نہ تھا۔ مجھے ''بصیرت'' ملی لیکن عریاں تشکیک کی صورت میں، شکوک و وساوس نے میرے پاؤں کے نیچے سے جیسے زمین کھسکا دی۔ زندگی کی لغویت کے احساس نے میرے اندر کہیں خودکشی کی جبلت کو تحریک دی۔ میں اس قدر مبہوت ہوا کہ مجھے اپنی زندگی کے کھو دینے کا خوف لاحق ہو گیا۔ میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ تبھی مجھے خیال آیا کہ اپنے تئیں بچانے کے لئے میرے لئے کہیں نہ کہیں کوئی پناہ گاہ ضرور ہو گی۔

اس سے کچھ پہلے میں اپنی ذات کے تشخص کے بارے میں سوچتا رہا تھا، جس نے مجھے کچھ مدت کے لئے پریشان کئے رکھا تھا۔ مجھے کیا کرنا ہے؟ ایک ادیب بنوں اور کہانیاں، ناول اور تنقید اور ایسا ہی کچھ لکھا کروں؟ یا کسی قسم کا کوئی مفکر، یا واعظ یا سریت پسند بن جاؤں یا پھر کیا؟

اب نئی صورت حال میں جو بحرانی کیفیت پیدا ہوئی تو میں نے محسوس کیا کہ بس اب حد آ گئی۔ میں نے سوچا کہ اگر مجھے پاؤں جمانے کے لئے کہیں زمین نہ ملی تو میں دھنستا جاؤں گا، دھنستا جاؤں گا یہاں تک کہ جہنم میں جا گروں گا۔

سوچ کی اس حد پر میں نے تصوف تک رسائی کی نیت کی اور شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سوچا کہ اگر میں ایک طالب یا مرید کے طور پر ان کے حضور پہنچوں تو شاید وہ میری مدد کر سکیں۔

میں نے مصمم ارادہ کر لیا اور ایک دن کلیانوالہ دربار میں ان سے ملنے کے لئے روانہ ہو گیا، جوہر آباد سے ان دنوں کلیانوالہ تک بذریعہ بس کوئی نو گھنٹے کا سفر تھا۔ میں جب خانقاہ میں ان سے جا کر ملا۔ وہ پہلے کی طرح مجھ سے مل کر خوش ہوئے۔ پہلی ہی فرصت میں جب میں نے

انہیں الگ اور اکیلا پایا تو میں نے ان سے طریق پر چلنے کے لئے رہنمائی پانے اور سیکھنے کی درخواست کی۔ وہ مسکرائے اور مجھے کچھ متامّل نظر آئے۔ اس وقت میں نے فقیر کے سامنے اپنے آپ کو ایک گداگر کی طرح محسوس کیا۔ یہ ایک بزرگ ہے جو پوری دنیا سے منہ موڑ چکا ہے، اسے نہ کسی قسم کی خواہش ہے نہ تمنا۔ اور اسے رقم، دولت اور اقتدار اور اثر و رسوخ وغیرہ کی بھی ضرورت نہیں۔ لیکن خود اس کے پاس وہ کچھ ہے جس کی ہم ایسے کچھ لوگوں کو اشد ضرورت ہے، اس کی کوئی قیمت نہیں ادا کر سکتا کیونکہ وہ انمول اور بے بہا ہے۔ اس کے باوجود اگر یہ بزرگ ہم سے بات بھی کر رہا ہے تو یہ اس کی محض مہربانی ہے۔ وہ دانائی سکھا سکتا ہے مگر اُسے اُس کا کوئی معاوضہ نہیں دے سکتا۔ اس لئے اگر کوئی اس سے خاص الخاص تعلیم کی درخواست کرے تو فی الواقع یہ اس کے دروازے پر بھیک مانگنے کے مترادف ہے۔

جب مجھ پر یہ ظاہر ہوا تو مجھے ایک طرح کے دبدبے اور تذبذب کا احساس ہوا۔ وہ یقیناً ایک مہمان کی حیثیت سے میرا خیر مقدم کر کے خوش ہوئے تھے لیکن اب یہ مجھے معلوم نہ تھا کہ آیا وہ مجھے ایک مرید کے طور پر یا طریق کے ایک طالب کی حیثیت سے بھی قبول کر کے مہربانی فرمائیں گے یا نہیں۔ بے یقینی کے احساس نے مجھے ایک طرح کی مایوسی اور محرومی کی لہر سے دوچار کر دیا۔ شاہ صاحبؒ نے فوراً ہاں یا نہ میں جواب نہ دیا۔ انہوں نے طریق کی مشکلات، ڈگمگا کر پیچھے ہٹنے اور اچانک دلچسپی بدلنے کے نتائج کے بارے میں باتیں شروع کر دیں جیسا کہ اِس دور کے تعلیم یافتہ نوجوان کی عادت ہے۔ میں نے وہ رات تشویش میں گذاری۔ میں اندازہ نہ کر سکا کہ آیا وہ مجھے حلقہ تصوف میں ایک آموزگار کے طور پر قبول کر لیں گے یا بس انکار کر دیں گے۔

میں نے پروفیسر وقار احمد کے خسر محترم کی مدد چاہی کہ وہ فقیر کے ہاں میری سفارش کریں۔ اور ان سے میرے روح و دماغ کی طمانیت کے لئے رہبری پانے کی درخواست کریں۔ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے صاف طور پر وضاحت کر دی کہ میں بالکل ابتداء سے آموزش

کے لئے تیار ہوں اور اس خاطر روحانی ریاضتیں کرنے کے لئے بھی مستعد ہوں۔ لیکن اس طرح شروع کرنے سے پہلے مجھے صوفیانہ کشف اور صوفیانہ بصیرت کے ذریعے روحانی برکات کا ذائقہ چکھنے کی خاطر ان کی مدد کی ضرورت ہوگی۔ جو کچھ میں نے عرض کیا وہ اسے پوری طرح سمجھتے دکھائی دیئے۔ البتہ انہوں نے یہ بتا دیا کہ پیری مریدی کے رسمی نظام کے وہ پابند نہیں ہیں۔ ہاں، وہ ہر اُس شخص کو ہدایت دینے کی طرف مائل ہوتے ہیں جو خلوص کے ساتھ ان سے راہِ سلوک کے بارے میں کچھ سیکھنے کے لئے آئے۔ پھر انہوں نے مجھے ایک دو سادہ سے اذکار بتائے اور فرمایا کہ ان کے دہرانے سے کشف و رویا اور باطنی واردات کے لئے وجدانی قوتیں جاگ اٹھتی ہیں۔

خانقاہ میں اس مرتبہ قیام کے دوران وہ ایسے مسائل کا ذکر کرتے رہے جو حلقے میں نو وارد طالبوں کو پیش آتے ہیں۔ مثلاً بعض اوقات وہ کشوف و واردات اور وجدانی قوتوں میں ایسی کشش پاتے ہیں کہ راہ میں ہی اٹک کر رہ جاتے ہیں اور آگے جانے سے انکار کر دیتے ہیں، میں نے انہیں بتایا کہ میں ایسی صورت حال کے بارے میں کچھ پڑھ چکا ہوں، انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا۔ لیکن مجھے ان واردات و مشاہدات کے تجربہ کی ضرورت ہے کہ کیسے کشف والہام شکوک و شبہات رفع کر دیتے ہیں جنہوں نے میرے دل و دماغ میں اودھم مچا رکھا ہے۔

انہوں نے میرے لئے کسی طور پر بھی الگ ذکر اور توجہ کے لئے کسی نشست کا اہتمام نہ کیا بلکہ ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ بس مجھے صبح اور شام کو صرف سادہ سے کلمات کی دہرائی کرنا تھی۔ اور یوں میں ان کی دعا اور برکت کے ساتھ گھر لوٹا۔

وہ میری تیسری زیارت تھی جب خواب میں اس بات کی تصدیق کی گئی کہ مجھے قبول کر لیا گیا ہے اور میں اب اپنے گھر میں ہوں جیسے کہ واقعی طور پر آدمی اپنے گھر میں ہوتا ہے:

''اور جو اس کے اندر آیا، اس کو امن ملا''!

(قرآن مجید، ۳:۹۷)

(۲)

راہِ سلوک کا مسافر

The man he was;

And the man he wished to be.

''وہ جو سڑک پر سامنے جا رہا تھا، اور وہ جو سفر کے اخیر پر جیسا کچھ بننا چاہتا تھا۔''

حضرت شاہ صاحبؒ کوئی اس طرح کے پیر نہ تھے کہ ان کے گرد مریدوں اور عقیدتمندوں کا ازدہام رہتا ہو۔ ایسی کوئی پیری مریدی وہاں نہ تھی وہ ایک رسوم سے ''آزاد فقیر'' تھے۔ ایک غیر رسمی معلم۔ وہ طالبانِ حق کی روحانی تربیت کے لئے رسمی یا روایتی طریقے استعمال نہیں کرتے تھے۔ مرشد اور مرید کے لئے کسی زبانی اقرار یا عہد کی ضرورت بھی نہیں سمجھی جاتی تھی، فرمایا کرتے تھے: ''یہاں تو بس یہی ہے کہ رجوع کرو، فیض ملنا شروع ہو جائے گا''۔ جیسا کہ پہلے بتا چکا ہوں مجھے انہوں نے صرف چند تسبیحات پڑھنے کے لئے کہا اور طریق پر مضبوط اور مستقیم الاحوال رہنے کی تاکید فرمائی۔

ان کے ساتھ بالکل پہلی ملاقات کے بعد جب میں واپس گھر آیا تھا تو میں نے اپنی

ذاتی یادداشت کے لئے ان کی باتیں کہیں لکھ لی تھیں۔ بعد میں بھی ایسا ہی کرتا رہا۔ پھر میں نے ان کے تجویز کردہ کلمات پڑھنے شروع کئے اور تعجب کی بات، میں حیرت زدہ رہ گیا کہ معاً میرے اندر ایک جہان کھل گیا۔ مجھے ایک جذب کی کیفیت کا تجربہ ہوا جس نے دل ودماغ اور جسم تک کو متاثر کیا۔ اگرچہ بظاہر میں ویسا ہی رہا جیسے کہ پہلے تھا مگر اندر سے میں وہ نہ رہا، بالکل بدل گیا۔ یعنی میرے اندر وجدانی قوتیں بیدار ہونے لگیں، رویا وکشوف بکثرت نظر آنے لگے۔ میں خود کو پہلے سے زیادہ طاقتور اور مضبوط اور بے خوف محسوس کرنے لگا۔ میرے اندر یقین کی ایسی قوت پیدا ہوئی کہ گویا وہ کسی بھی ظاہری وباطنی خامی اور کمی کو تسخیر اور درست کر سکتی ہے۔

یہ ضرور ہوا کہ میں دل ودماغ کی موجودہ حالت کی مطابقت میں غیر متعلق کتابوں کو نظر انداز کرنے لگا۔ باتونی لوگوں اور ظریفانہ گفتگو کرنے والے دوستوں کی مجلس سے کترانے لگا۔ میرے قلب سے مجھے ہدایت ملنے لگی کہ میں ان کے گروہ میں سے نہیں ہوں [۳]۔ گو میرے مرشد نے مجھے روزمرہ کاموں میں زہد وریاضت کے لئے کچھ نہ کہا تھا۔ مگر میں ہفتے میں دو دن روزے سے رہنے لگا۔ نمازوں میں بھی باقاعدگی اختیار کر لی اور نوافل کی ادائیگی میں مشغول رہنے لگا۔ غرضیکہ میں عبادات کے معاملے میں جنون کی حد تک تو آگے نہ بڑھا صرف میرے احساس دینداری میں گہرائی در آئی مگر میرے اندر کوئی مصلحانہ جذبہ نہ تھا۔ اس وقت میری غرض صرف اپنے انفرادی تزکیہ نفس وتجلیہ روح سے متعلق تھی۔

ایک غیر معمولی تجربہ یہ ہوا کہ میں دیکھنے سے پہلے جاننے لگا اور جاننے سے پہلے دیکھنے لگا۔ میں نے صاف طور پر دیکھ لیا کہ میرے اندر ہدایت کا ایک حجرہ کھل گیا ہے جہاں میرے مرشد نے رہنمائی اور پڑھائی کے لئے مسند سنبھال لی ہے۔ جب کسی فیصلے کے بارے میں مجھے کچھ تذبذب ہوتا، میں ان کی طرف رجوع کرتا اور وہاں سے فوراً حکم صادر ہوتا۔ یہ حکم براہ راست اور حتمی ہوتا۔ یہ نہ تو کبھی نادرست ہوتا اور نہ ہی اس میں کچھ تردد ہوتا اور میں فوراً اس کی تعمیل پر اپنے

نہیں مستعد پاتا۔ پہلے میں نے یہ ضرور سن رکھا تھا کہ درویشوں اور فقیروں کو غیبی مختار مرکز سے احکام ملتے ہیں لیکن اب میرے لئے تو یہ ایک ظاہر اور با قاعدہ طریقہ ہدایت بن گیا۔ اب جو کچھ میرے مشاہدے میں آ رہا تھا، وہ بدیہی طور پر میرے ایسے زبان وادب کے لیکچرار کے نام نہاد عقلی اور استدلالی رویہ کے مقابلے میں اس قدر حیرت انگیز اور تعجب خیز تھا کہ اِن واردات کی ترجمانی کے لئے ای ایس پی (مافوق الطبع ادراک) ایک سطحی سی اصطلاح ہے۔

ایسے میں دور سے پیغام سن اور سنا لینا، کسی کے خیالات پڑھ لینا یا کسی خیال کو کسی کے اندر منتقل کر لینا معمول کی باتیں ہو گئیں۔ تخلیقی تخیل کا ملکہ اس قدر راسخ ہوا کہ صرف سوچ لینا بھی دن کی طرح واضح کشف کے برابر ہو گیا۔ مثلاً میں کسی مرد یا عورت کو دیکھتا اور اس کے متعلق جاننا چاہتا کہ اپنی فطرت میں وہ کیسا ہے۔ تو میں ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر کے ذرا دیر کے لئے سر جھکاتا تو میرے سامنے ایک منظر رُو پذیر ہوتا جس میں متعلقہ فرد کی اصل فطرت ایک علامتی سنگل ایکٹ کی صورت میں سامنے آ جاتی۔ نماز فجر کے بعد مراقبہ میں دن میں ہونے والے واقعات کے بارے میں جاننے کی نیت کرتا تو مجھے آواز کے ذریعے بتا دیا جاتا یا کبھی رمزیہ انداز میں اور کبھی حقیقی طور پر دکھا دیا جاتا کہ میرے ساتھ یا میرے اندر کیا ہونا مقدر ہے۔

تمام باطنی قوتیں بیدار ہو گئیں۔ مجھے کہیں اور ذکر کرنے والوں کے ساتھ رابطہ محسوس ہونے لگا۔ میں اپنے کشوف میں متوفی اولیاء اللہ سے باتیں کرنے لگا۔ کشفی کیفیت میں دیکھتا تھا کہ مرد، عورتیں، بچے، مریض اور زخمی وغیرہ میرے پاس آ رہے ہیں، اپنی حاجات کے بارے میں مجھے بتا رہے ہیں اور برکت کے لئے ملتمس ہیں۔ اور مجھے حکم ہوتا ہے کہ ان کو برکت سے نوازو۔ جب کبھی میں اللہ سے کوئی دعا کرتا تو مجھے یقین ہوتا کہ اس نے سن لی ہے اور قبول فرمالی ہے کیونکہ بعد ازاں ایسا ہی ہوتا جیسا کہ میں نے چاہا تھا۔

سب سے زیادہ عجیب تجربہ: میرا ہر قسم کا خوف جاتا رہا، میں بالکل نڈر ہو گیا۔ نہ نوکری

جانے کا خدشہ نہ کسی حادثے کا اندیشہ اور نہ ہی موت سے خوف۔ یہ سب حقائق واحساسات میرے لئے دلچسپ بھی تھے اور عجیب بھی!

پھر میں اپنے روحانی اتالیق کے ساتھ ایک غیر معمولی وابستگی محسوس کرنے لگا کہ اگرچہ ان کی جائے سکونت تک سفر پرُ مشقت اور تھکا دینے والا تھا مگر ان دنوں میں بار بار جا کر ان سے ملا۔ میں ان کے پاس جا کر کسی قسم کی تشریح یا خوش کن تبصرے کی امید رکھتا تھا مگر وہ سنتے تو بس مسکرا دیتے۔ بعد ازاں میں نے ایک استاد اور ان کے ایک شاگرد کا مکالمہ کہیں پڑھا تو تب میں کچھ سمجھا:

> ''ربی مَنڈَیل نے اپنے استاد ربی ایلی میلیخ کے سامنے شیخی بگھارتے ہوئے کہا کہ شام کو میں فرشتے کو دیکھتا ہوں کہ وہ تاریکی سے پہلے روشنی کو لپیٹ لے جاتا ہے اور صبح کے وقت دیکھتا ہوں کہ فرشتہ روشنی سے پہلے تاریکی کو لپیٹ لے جاتا ہے۔
>
> 'ہاں'۔ ربی ایلی میلیخ نے کہا۔'جوانی میں میں بھی دیکھا کرتا تھا۔ بعد ازاں تم یہ باتیں نہیں دیکھتے'۔''

ایک دفعہ ایک صوفی بزرگ نے اپنے مریدوں کے سامنے وضاحت کی کہ یہ سب باتیں بچوں کے سامنے دودھ اور ٹافیوں کی طرح ہیں جن کی ایسی میٹھی اشیاء کے ساتھ پرورش کی جاتی ہے۔

لہٰذا حضرت شاہ صاحبؒ ایسے کشف کی کچھ زیادہ تعریف نہیں فرماتے تھے بلکہ بعض اوقات مختصر طور پر اور مستحسن انداز میں کہہ دیتے تھے کہ ہاں ایسی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور یہ سفر کے دوران کے مناظر اور تماشے ہیں، منزل نہیں۔ وہ اکثر تنبیہ فرماتے تھے کہ طالب کو اس قسم کے تمام مکشوفات ومظاہر کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیے۔ کیونکہ کبھی وہ ان کا اس قدر گرویدہ بھی ہوسکتا ہے

کہ راہ میں ہی رک کر رہ جائے اور نئی حاصل شدہ قوتوں اور پرکشش نظاروں سے مسحور ہو کر راستہ کھو بیٹھے۔

میں بہت ادب کے ساتھ ان کی خدمت میں عرض کرتا تھا کہ مجھے اُن سب خطرات کا علم ہے جو اس سلسلے میں پیش آتے ہیں مگر مجھے ان سب واردات و تجربات کی ضرورت ہے تاکہ میرے شکوک وشبہات رَفع ہوں۔ آپ خاموش ہو جاتے تھے، ظاہر ہے کہ تنبیہ کے ساتھ مجھے انہوں نے اجازت دے رکھی تھی کہ ان کی توجہ و برکت سے اِن تمام کیفیات نیز مشاہدات و تجربات سے استفادہ کرتا رہوں۔[۴]

میں نے مراقبات جاری رکھے۔ میں مہینے میں دو یا تین بار خود اپنے مرشد حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دیا کرتا تھا اور اندر سے میں کتابوں کے مطالعہ اور دوستوں کی گپ شپ سے الگ ہو گیا جن کی میری روحانی کیفیت کے ساتھ کوئی مطابقت نہ تھی۔ البتہ باہر سے میں نے وضع قطع ویسی ہی رکھی۔ میں کالج جاتا اور پہلے سے زیادہ تدریسی کام کی طرف توجہ دیتا۔ طلباء کو درس دیتے یا لوگوں سے ملتے دیکھ کر کوئی اندازہ نہ کر سکتا تھا کہ میں اپنے نظریات و خیالات بلکہ ذات میں کسی بنیادی تبدیلی سے دوچار ہو چکا تھا۔ صرف میرے گھر کے لوگ یا ایک دو قریبی دوستوں کو میری روحانی مہم کا علم تھا۔ ہاں، ابتداء میں اہتزاز کی کیفیت اور اپنے اندرُ ون میں نئی دریافتوں اور تجربوں کی وجہ سے میں اسے ایک مہم ہی کہوں گا۔

اب یہ بات تقریباً مجھ پر واضح ہو چکی تھی کہ گو میرا ظاہری طور طریق اپنے گردو پیش کے لوگوں جیسا تھا لیکن میری دنیا دوسری تھی۔ میں نے اپنا تشخص پا لیا تھا۔ اب میں درویشوں اور فقیروں کے ساتھ کھڑا تھا، ان کے گروہ میں شامل ہو چکا تھا۔ چونکہ میں اب ان کی دنیا کا آدمی تھا، اس لئے اس دنیا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ دریافت کرنا اور جاننا چاہتا تھا جو مجھے اب بھی پراسرار دکھائی دیتی تھی۔ اس موقع پر ایک تمنا میرے دل میں اُٹھی کہ باہر نکل کر اس دنیا کے

نمائندوں سے ملوں، اِن کی خانقاہیں دیکھوں، اِن کے طرزِ زندگی اور اِن کے کاموں کے بارے میں کچھ جانوں اور متوفی اولیاء و فقراء کے مزاروں اور درگاہوں پر بھی حاضری دوں۔ صوفیا کی تعلیم کی رُو سے اِن کی روحانی برکت اب بھی کارفرما ہے اور ان کی قبروں کے حضور میں اب بھی محسوس کی جا سکتی ہے۔ وہ گویا اس قوت روحانی کی علامت ہیں یا کہا جا سکتا ہے کہ مجسم قوت ہیں جو اپنی ارضی حیات کے دوران میں ان کے اندر اور باہر متحرک رہتی تھی۔

عام طور پر مبتدی طالبوں کو مرشد اجازت نہیں دیتے کہ ایسی حرکات کریں اور ایسے میلانات کو خاطر میں لائیں۔ ہمیشہ اس بات کا خدشہ رہتا ہے کہ یہ لوگ کہیں بھٹک نہ جائیں یا پھر استاد تبدیل کر کے اپنا سبق درمیان میں ہی نہ چھوڑ دیں۔ چنانچہ مرشدین اپنے ہاں طالبوں کے ایسے رجحانات کی تائید نہیں کرتے اور اس قسم کی طفلانہ حرکات کی اجازت دینے سے انکار کرتے ہیں۔

لیکن حضرت شاہ صاحبؒ مجھ پر بہت مہربان تھے۔ وہ جانتے تھے کہ میں فقیروں کے متعلق سب کچھ جاننا چاہتا تھا، کیونکہ میرا معاملہ دوسروں سے ذرا جدا تھا۔ میں تصوف کے بارے میں کچھ ابتدائی علم بھی رکھتا تھا۔ اور مجھے ضرورت تھی تو روحانی تجربے کی، اپنے اندر بھی اور باہر بھی۔ پس جب بھی ان سے اجازت چاہی، وہ بس مسکرا دیئے اور مجھے اپنے تجسس کو مطمئن کرنے کی اجازت دے دی (تجسس صوفیوں میں ایک منفی قدر ہے)، آپ اکثر فرمایا کرتے تھے: ''یک در گیر و محکم گیر'' (ایک دروازہ پکڑو اور اسے مضبوطی سے پکڑے رہو)۔ مطلب واضح ہے کہ تم جہاں بھی جاؤ مگر آخر میں لوٹ کر گھر آ جایا کرو۔ بعد ازاں میں جہاں بھی گیا، میں اپنے روحانی گھر (دربار کلیانوالہ) میں واپس گیا۔ میں بہت درویشوں اور فقیروں سے ملا ہوں مگر راہِ سلوک میں اپنا شیخ طریقت میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کو ہی تسلیم کیا ہے۔ میں نے ہمیشہ مولانا رومؒ کی طرح ہی محسوس کیا، انہوں نے اپنے مرشد حضرت شمس تبریزؒ کے متعلق فرمایا:

من ندیدم ہیچ او اندر جہاں

من ندیدم ہیچ او اندر جہاں

(میں نے اس کی مانند جہاں میں کسی اور کو نہ دیکھا)

مجھے بھی اپنے صوفی مرشد سے ایسی ہی والہانہ محبت محسوس ہونے لگی اِس احساس قربت اور شدید وابستگی کو ہی صوفیاء عشق کہتے ہیں۔ یہ عشق ہر قسم کی تمناؤں اور آرزوؤں سے بڑھ کر ایک جذبہ ہوتا ہے جیسے سلطان باہو فرماتے ہیں:

ایہہ تن میرا چشماں ہووے، میں مرشد ویکھ نہ رَجّاں ھُو

لُوں لُوں دے مُڈھ لکھ لکھ چشماں ہِک کھولاں ہِک کَجّاں ھُو

اِتناں ڈٹھیاں صبر نہ آوے، ہور کِتے وَل بھَجّاں ھُو

مرشد دا دیدار ہے باھو، لکھ کروڑاں حَجّاں ھُو

(کاش میرا یہ سارا بدن آنکھ بن جائے!

میں مرشد کے دیدار سے سیر نہیں ہوتا

ہر روئیں کے ساتھ لاکھوں آنکھیں پیدا ہو جائیں

تا کہ ایک بند کروں تو دوسری کھل جائے

پھر بھی کسی طرح قرار نہ آئے

تو بھاگ کر کہاں جاؤں

باھو! مرشد کا دیدار میرے لئے

لاکھ کروڑ حج کے برابر ہے)

تب ساری وجدانی قوتیں میرے اندر جاگ چکی تھیں۔ میں نے اپنی ایک کتاب [۵] میں اشارۃً لکھا ہے کہ اگر مجھے میرے مرشد راہ پر نہ چلا دیتے اور مجھے ان کے حضور پہنچ کر اِن بیداریوں اور اندرونی کشادگی کا تجربہ نہ ہوتا تو کبھی مجھے روحانی رہبر کی اہمیت اور ضرورت پر یقین

نہ آتا۔ اس لئے صوفیا پہلی نصیحت یہی فرماتے ہیں کہ اول کسی "رفیق" (مرشد) کو تلاش کرو اور پھر طریق پر چلو۔ صرف کتابی علم سے راہ نہیں کھلتی۔ محض خارج سے "تصوف کے بارے میں مطالعہ" کسی کی زندگی میں کوئی ہمواریت پیدا نہیں کرسکتا۔ البتہ آدمی طلب میں اس قابل ضرور ہوجاتا ہے کہ کسی مرشد کو تلاش کرسکے اور مرید ہونے کا اہل ہوجائے۔ اندر اور باہر کے راستے جو مرشد کے حضور میں اُس کی توجہ سے کُھلتے ہیں، صرف کتابی علم سے دریافت ہی ہوسکتے ہیں نہ کسی کو ان کا علم ہوسکتا ہے۔

۱۹۷۲ میں پہلی بار میں مرشد کے حضور میں اس درخواست کے ساتھ حاضر ہوا تھا کہ وہ مجھے روحانی تلقین وہدایت فرمائیں۔ ۱۹۷۷ میں ان کا وصال ہوگیا۔ اِس پانچ سال کے عرصہ کے دوران میں کبھی بھی میں نے ان سے ملنے کے لئے سفر میں تأمل نہ کیا۔ ہر بار جب میں نے اُن کی زیارت کی، اُن سے ملا اور اُن کی باتیں سنیں، تو راہ سلوک میں ترقی پانے کے جذبے اور مشکلات زندگی سے نبٹنے کے لئے تازہ قوت کے ساتھ واپس آیا۔ اُس زمانے میں یہ سب کچھ بہت جوش آفرین تھا۔ ابتداء میں ہمیشہ کچھ لطف ودلچسپی کا رنگ بھی ہوتا ہے ورنہ عملی سلوک کے سفر میں چلنا یا تیرنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔

ایک صبح مجھے یاد ہے، میں خانقاہ سے واپس روانہ ہونے والا تھا اگرچہ موسم گرمیوں کا تھا مگر فضا میں ٹھنڈک سی تھی۔ ہلکی ہلکی نسیم چل رہی تھی جو جسم وروح کے لئے آسودگی بخش تھی۔ حضرت شاہ صاحبؒ خانقاہ کے دروازے تک مجھے رخصت کرنے کے لئے تشریف لائے۔ اگرچہ ظاہر میں کبھی وہ زیادہ محبت یا پیار کا مظاہرہ نہ فرماتے تھے مگر اُس وقت جب میں نے ان سے جُھک کر ہاتھ ملایا تو انہوں نے میری پیٹھ تھپکی اور نرم وملائم دلگداز لہجے میں فرمایا: "خوش رہو! با اقبال رہو!! دین و دنیا میں کامیاب رہو!!!"

یہ ایک مسعود لمحہ تھا جب یہ دعائیہ کلمات ان کے منہہ سے نکلے۔ سورج طلوع ہو رہا تھا

شاہ صاحبؒ کی خوب صورت ریش مبارک کے بال ہوا میں ہلکے ہلکے ہل رہے تھے۔ان کا چہرہ اندر اور باہر کی روشنی سے منور ہو رہا تھا۔اب بھی جب کبھی میں یاد کرتا ہوں اور اُس صبح کے الوداعیہ منظر کا تصور کرتا ہوں تو پکار اٹھتا ہوں: ''اے اللہ، مجھ پر رحم فرما اور شاہ صاحبؒ نے میرے لئے جو دعا فرمائی، اسے شرفِ قبولیت عطا فرما!''۔

دیگر مواقع پر جب میں روانگی کے لئے تیار ہوتا تو میں ان سے ملتجی ہوتا کہ وہ اپنے پیرو مرشد کے مزار پر تشریف لا کر میرے لئے دعا فرمائیں۔صوفیاء یقین رکھتے ہیں کہ جہاں کہیں کوئی ولی اللہ دفن ہوتا ہے۔وہ جگہ ایک خاص روحانی مرکز بن جاتی ہے۔جب کوئی وہاں دعا کرتا ہے تو فرشتے ''آمین'' کہتے ہیں اور اللہ اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے۔

میں نے کہیں پڑھا تھا کہ جب کوئی مرید رخصت ہوتا ہے تو مرشد کی کسی نہ کسی صفت کا عکس برکت کے طور پر اس کے ساتھ ہو لیتا ہے۔ایک دفعہ کچھ یوں ہوا کہ میں خانقاہ سے روانہ ہوا اور جب میں ٹانگہ میں بیٹھا تھا تو میری آنکھیں نرمی سے از خود بند سی ہوئیں اور میں نے فضا میں لفظ اللہ لکھا ہوا دیکھا۔میں نے فوراً آنکھیں کھول دیں، ٹانگہ ناہموار سڑک پر ہچکولے کھاتا چلا جا رہا تھا۔چند منٹ بعد ویسی ہی بے خودی کی کیفیت طاری ہوئی اور ایک نیا منظر نظر آیا۔ایک جھیل اور اس کے اوپر فضا میں سطح آب تک اسم اللہ لکھا ہوا تھا۔پہلے ٹانگے پر اور پھر ٹرین میں اس سارے سفر کے دوران لاہور تک میں ایسے مناظر ومکشوفات سے لطف اندوز ہوتا آیا۔غنودگی یا بے خودی کے عالم میں مختلف رسم الخط میں اور مختلف رنگوں میں اللہ ہی اللہ۔یہ کیفیت اس طرح رہی حتیٰ کہ میں لاہور پہنچ گیا۔پھر یہ معاملہ ختم ہو گیا۔مجھے اس پر تشویش محسوس ہوئی، اور میں نے سوچا، شاید مجھ سے کوئی کوتاہی یا غفلت سرزد ہوئی ہے کہ برکت کی یہ صورت میرا ساتھ چھوڑ گئی۔

میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا اور مراقب ہو کر اس کیفیت کے زائل ہونے کا سبب جاننا چاہا۔چنانچہ میرے اندر سے کوئی مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا: ''شہر میرے

حواس پر چھا گیا ہے''۔ میں سمجھ گیا کہ شہر کے شور و شغب اور رنگوں نے اس کیفیت کو مغلوب کر کے ختم کر دیا۔ آخر یہ مرشد کی انعکاسی صفت ہی تو تھی جس کی میری اپنی ریاضت پر تو کوئی بنیاد تھی نہیں، ایسے میں یہی کچھ ہونا تھا جو ہوا۔ ایسی کیفیات خود مرید کی اپنی کمائی کا نتیجہ نہیں ہوتیں۔ سو مجھے اس کے غائب ہو جانے پر کوئی خاص افسوس نہ ہوا۔

ایسی ہی زیارتوں کے دوران جناب شاہ صاحبؒ نے پاکپتن میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کی درگاہ کی زیارت کی اہمیت کی طرف اشارہ فرمایا۔ بابا فریدؒ چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کبار میں سے ایک ہیں جن سے خود حضرت شاہ صاحبؒ کو نسبت تھی۔ جب میں نے جانے پر رضامندی ظاہر کی تو وہ خوش نظر آئے۔ مجھے اس بات کا احساس ہو گیا تھا کہ گو انہوں نے اپنے اختیار سے مجھے طریقہ میں داخل کیا مگر وہ چاہتے تھے کہ میں حضرت بابا فرید گنج شکر صاحبؒ کے ہاں حاضری دے کر بھی برکت حاصل کروں۔

جب حضرت شاہ صاحبؒ انڈیا سے ہجرت کر کے تشریف لائے تھے تو کچھ مدت کے لئے بابا فرید گنج شکر کی درگاہ پر وہ معتکف رہے تھے۔ آپ یقین رکھتے تھے کہ بابا صاحبؒ کا مزار اب بھی ایک مضبوط روحانی مرکز ہے۔

میں نے پاک پتن میں حاضری دی۔ جب بابا فریدؒ یہاں رہتے تھے تو یہ جگہ ایک اونچا سا ٹیلا ہو گی۔ یہاں انہوں نے اپنے کنبے اور مریدوں اور آنے والے درویشوں کے لئے ایک جماعت خانہ بنایا۔ اب وہیں ایک شاندار گنبد کے نیچے آپ کا مزار ہے۔ اس کمرے کے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازے کو جنت کا دروازہ کہتے ہیں۔ آپ کے روحانی جانشین حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ نے فرمایا تھا کہ جو بھی اس دروازے میں سے گزرے گا، جنت میں جائے گا۔ یہ دروازہ سارا سال مقفل رہتا ہے اور صرف عرس کے دوران اُسے کھولا جاتا ہے۔ پھر لاکھوں زائرین اس دروازے میں سے گذرنے کے لئے لپک پڑتے ہیں۔ ایسے موقع پر پولیس ان کی

نگرانی پر مامور کرنی پڑتی ہے۔

میں جناب شاہ صاحبؒ کے حوالے سے درگاہ کے متولی درویشوں میں سے ایک سے ملا۔ انہوں نے مجھے چائے پلائی اور شام کو گھر پہ جا کر کھانا بھی کھلایا۔ بس آگے میں اپنی مرضی سے وہاں گھومتا رہا۔ نماز عشا کے بعد وہاں پر ہر رات قوالی ہوتی ہے جس کی صدارت کے لئے خانقاہ کے سجادہ نشینوں کا کوئی فرد وہاں موجود ہوتا ہے۔ بلکہ میں نے تو دن کو بھی دیکھا کہ عام طور پر کسی نہ کسی وقت قوالی کی بے قاعدہ محفلیں جاری رہتی تھیں۔

میں وہاں دو ۲ دن رہا۔ جب بھی وقت ملا، بابا فریدؒ کے مزار پر مراقب بیٹھا رہتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ بابا صاحبؒ کی روح مبارک زندہ اور فعال ہے اور اپنے عقیدتمندوں پر نوازش فرما رہتی ہے۔ مزار کے کمرے کے ساتھ ہی ایک حجرہ ہے جہاں بابا نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ میں بھی وہاں نمازیں ادا کرتا رہا۔ میں سامنے ایک اور کمرے میں بھی گیا جہاں بابا کے بھانجے حضرت علاؤالدین علی احمد صابرؒ چالیس دن معتکف رہے تھے ایسی متبرک جگہوں پر میں نے نفل پڑھے اور اپنی باطنی کشاد کے لئے دعائیں کیں۔ گرمیوں کا موسم تھا، میں رات کو مزار سے متصل مسجد کے صحن میں سو رہتا اور دن کا تمام وقت درگاہ میں گذارتا۔

بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے اجداد عرب سے چلے اور افغانستان کے راستے ہندوستان پہنچے تھے۔ بابا کا اصل نام فریدالدین تھا۔ اور آپ ملتان کے قریب ایک گاؤں میں آج سے آٹھ سو سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔

آپ کی والدہ ایک پارسا خاتون تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک بار ان کے مکان میں ایک چور گھس آیا مگر وہیں رک گیا، اسے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اسے فوراً معلوم ہو گیا کہ یہ کسی ولی کا گھر ہے۔ اس نے وہیں قسم کھائی کہ اگر اس کی بینائی لوٹ آئی تو وہ آئندہ چوری نہیں کرے گا۔ آپ کی

والدہ سب دیکھ رہی تھیں، انہوں نے اُس کے لئے دعا کی اور وہ دیکھنے لگا۔ بعدازاں اس نے نیکی کی طرف رجوع کیا تو ولی ہو گیا۔

فرید جوان تھے، حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ملے اور طریقت میں ان کے مرید ہو گئے۔ انہوں نے ملتان میں رسمی علوم کی تحصیل کی اور پھر خواجہ قطبؒ کے ہاں ایسی تربیت پائی کہ ان کے خلیفہ بنے۔

حضرت خواجہ قطبؒ کی وفات پر وہ پنجاب کے ایک دورافتادہ مقام اجودھن چلے آئے جہاں انہوں نے خانقاہ بنائی۔ سینکڑوں کیا ہزاروں افراد نے آپ کی وساطت سے برکت پائی، اپنے طور طریق تبدیل کئے اور مفید شہری بن گئے۔ یہی جگہ پاک پٹن کے نام سے معروف ہوئی۔

آخری عمر میں آپ اللہ کی یاد میں مستغرق رہتے تھے۔ ۹۵ برس کی عمر میں وفات پائی اور اپنی ہی خانقاہ کے اندر دفن ہوئے۔ لوگ دعا کے لئے آپ کے مزار پر حاضر ہوتے ہیں، ہر قسم کے لوگ آتے ہیں، امیر غریب، عام خاص، گداگر اور بادشاہ سب۔ انہی کے خاندان کے افراد خانقاہ کے متولی اور سجادہ نشین ہیں۔

اپنے مختصر قیام میں مَیں مسلسل اپنی روحانی ترقی کے لئے دعا کرتا رہا۔ یہ ایک نہایت با برکت مقام ہے اور بندہ درگاہ کے ماحول میں اس برکت کو محسوس کرتا ہے۔

وہاں سے میں لاہور آیا اور حضرت شیخ علی بن عثمان الہجویریؒ کے دربار میں حاضری دی۔ یوں حضرت شاہ صاحبؒ کے فرمان کی تعمیل ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب ہر درد و مرض کے روحانی معالج تھے۔ آپ اپنے معمولی سے حجرے میں مریضوں سے ان کی بیماریوں اور تکلیفوں کے بارے میں سنتے رہتے، کچھ کلمات پڑھ کر دم شُف بھی کرتے رہتے تھے۔ آپ بعض اوقات تعویذ بھی لکھتے اور ہدایت فرماتے تھے کہ وہ

بازو پر باندھ لیں، گلے میں لٹکا لیں یا بس اپنے پاس محفوظ رکھیں۔ آپ انہیں بتاتے تھے کہ اللہ ان تعویذات کی برکات سے اُنہیں خطرات سے محفوظ رکھے گا اور برائی سے بچائے گا۔ لوگ اکثر ان کے پاس واپس آتے اور بتاتے کہ ان کی دعاؤں کے طفیل، تعویذوں اور دم درود کی برکت سے وہ جسمانی یا نفسیاتی بیماریوں سے نجات پا گئے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ یقین رکھتے تھے کہ ہمارے آس پاس نہ دکھائی دینے والی اچھی اور بری قوتیں ہیں اور وہ اسباب و نتائج کی کاروائی کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ اُنہیں یقین تھا کیونکہ یہ سب باتیں ان کے تجربے اور مشاہدے میں آ چکی تھیں۔ مثلاً وہ جانتے تھے کہ کسی حاسد اور فطرتاً برے شخص کی نظر بد دوسرے کو اس طرح نقصان پہنچاتی ہے کہ اُسے سبب کا علم ہی نہیں ہوتا۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ کس طرح تعویذات کے ساتھ متعلق اچھی یا بری قوتیں حالات کے قدرتی نظم کو بے ترتیب کر دیتی ہیں۔ اسی طرح وہ مانتے تھے کہ ہمارے گرد فرشتے، جنات اور بہت قسم کی حاضرات و ناظرات موجود ہیں جو مثبت یا منفی طور پر معمول کے نظام کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔

سب سے بڑھ کر اپنے دینی و روحانی عقائد و نظریات اور ذاتی مشاہدات و تجربات کی روشنی میں آپ کو دعا کی قبولیت پر کامل یقین تھا۔ کم از کم میں نے انہیں اللہ کے ہاں مستجاب الدعوات پایا۔

میں اس زمانے میں نفسیاتی رو سے شفایابی میں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ علاج و شفا کے کراماتی واقعات کے بارے میں بھی میرا یقین متزلزل سا تھا۔ میں کھلی تباہ کن تشکیک سے روحانیت کی طرف آ تو گیا تھا مگر ابھی شاید آدھے راستے تک آیا تھا۔ جب میں شاہ صاحبؒ کو ایسا کرتے دیکھتا تو مجھے خیال ہوتا کہ یہ خود بیمار یا خراب حال شخص کا اپنا ہی اعتقاد ہے جو مثبت اثر پیدا کرتا ہے۔

ابتدائی دور کی اِن زیارتوں کے دوران سرما کی ایک شام میں بذریعہ بس نو گھنٹے کے سفر کے بعد اپنے مرشد کی خانقاہ میں پہنچا۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس گاؤں کے کچھ لوگ اور ملاقاتی بیٹھے تھے۔ اِن سب کے لئے دم دُرود سے شفایابی کے واقعات معمول کی بات تھی، لیکن میں جو نو وارد تھا ابھی تک کچھ تحفظات رکھتا تھا۔ اور میرے اندر کا دانشور اگرچہ کمزور پڑ چکا تھا، پھر بھی اسے عوام الناس کے اعتقادی اثر کی ایک مثال سمجھتا تھا۔ ان دنوں بس کے لمبے سفر کے بعد مجھے سر درد ہو جایا کرتا تھا۔ اس روز سر درد کی لہکن سے میرا برا حال تھا کہ آٹھ دس سال کا بچہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں آیا۔ اور ان سے سر درد کے لئے دم کرنے کو کہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے کچھ کلمات دہرائے، ''شف'' کیا اور بچے سے حال پوچھا، اس نے کہا کہ وہ کچھ بہتر ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے دوبارہ زیرِلب کچھ پڑھا، شف کیا اور پھر بچے نے معصومیت کے ساتھ جواب دیا کہ اب بس ذرا سا درد رہ گیا ہے، تیسری بار بھی حضرت شاہ صاحبؒ نے ایسا ہی کیا اور بچہ درد سے آرام پا کر ہنستا مسکراتا دوڑ گیا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ بچے نے اپنی حالت چھپائی نہیں اس کا سر درد واقعی رفع ہو چکا تھا...... میں حیران رہ گیا۔

اندر سے مجھے تحریک ہوئی کہ میں بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے ''شف'' کرنے کی درخواست کروں انہوں نے بلا تأمل میری بات مان لی اور میرے ماتھے کو سامنے سے تھام لیا تب میرے اندر کا شک پرست دانشور جو ابھی تک میرے ذہنی سیٹ اپ میں موجود تھا، مجھ پر ہنسنے لگا۔ میں بھی ایسی شفایابی کے بارے میں کچھ شک کر کے مسکرانے لگا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جب مجھ سے پوچھا، ''کیا حال ہے''؟ تو میں نے فوراً کہہ دیا۔ ''جی ہاں، اب میں ٹھیک ہوں''۔ اگرچہ یہ بات پوری درست نہ تھی، درد باقی تھا۔ لیکن صرف ایک منٹ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میری ناک سے ٹھنڈے پانی کی ایک رَو بہتی چلی آ رہی ہے۔ میں نے فوراً رومال نکالا اور حیران ہوا کہ یہ سب کیسے ہوا۔ چند سیکنڈ میں یہ پانی بہہ گیا اور اس کے ساتھ ہی تڑپا دینے والا سر درد بھی چلا

گیا۔ لیجئے کرامت ہوگئی، میں نے سوچا۔ اگرچہ بہت عرصہ بعد میں نے اس قسم کی شفا بخشی اور شفایابی کے فن کا مطالعہ کیا اور ہر قسم کے روحانی علاج کا مجھے یقین ہوگیا تاہم اس وقت یہی ایک تجربہ میری یقین دہانی کے لئے کافی تھا کہ روحانی طور پر بھی علاج کیا جاتا ہے اور اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ اکثر اپنے ملاقاتیوں کو بتاتے رہتے تھے کہ کوئی اُن کے مرشدؒ کی قبر کی زیارت کے لئے آئے تو وہ بیماری سے شفا پاتا ہے اور بے کس وضرورت مند لوگوں کی دعائیں وہاں عنداللہ قبول کی جاتی ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مزار مبارک کا پرسعادت ماحول زائرین کی ارواح وقلوب پر صحت وعافیت اور طمانیت کی کیفیات کے ساتھ اثرانداز ہوتا ہے۔

ایک صوفی مرشد اس امر کو لازم گردانتا ہے کہ اپنے مریدوں کی رہبری میں اور ان کے روزمرہ کے معاملات کی سہولت میں حقیقی دلچسپی لے۔ ایک مرشد کامل کی حیثیت سے حضرت شاہ صاحب قبلہؒ ہمیشہ ان لوگوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے جو ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتے تھے یا ان سے دعا وبرکت کی درخواست لے کر آتے تھے۔ اس کے بعد وہ لوگ بآسانی ان مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے مستعد ہوجاتے تھے جو انہیں اُس وقت درپیش ہوتی تھیں۔ مُرشد یہ سب کچھ بڑے لطیف انداز میں کیا کرتے تھے۔ کبھی وہ کوئی نہایت بے ضرر سا لطیفہ سنا کر ہنس دیتے تھے یا کسی موقعہ پر کوئی صوفیانہ حکایت سنا دیتے تھے۔ البتہ ایک نووارد پر ایک بات بہت واضح ہوتی تھی۔ جونہی وہ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آ کر بیٹھ کر کوئی بات کرتا تھا، تو اسے یقین ہو جاتا تھا کہ شاہ صاحبؒ اس کے خیالات کو پڑھ سکتے ہیں۔ جونہی اس کے دل میں کوئی خیال گذرتا تو اس کا جواب اسے دوران گفتگو مل جاتا تھا۔ حضرت شاہ صاحبؒ فن اندیشہ خوانی کے ماہر معلوم ہوتے تھے۔ ان کا ہر جملہ اور ان کی ہر ادا ایک عمدہ پیرائے میں آراستہ ہوتی تھی، جو وقت اُن کی مجلس میں گذرتا تھا، ایک فطری ترتیب کے سلسلے کے ساتھ بڑے لطیف انداز میں منسلک ہوتا تھا۔

میرے سمیت ان کے تمام مریدوں اور عقیدت مندوں کو یقین ہوتا تھا کہ وہ جہاں بھی ہیں یا جو کچھ بھی کر رہے ہیں، اپنے مرشد کی پناہ اور حفاظت میں ہیں۔ کبھی کبھی کسی کو یہ بھی معلوم ہو جاتا تھا کہ وہ برائی کے ارتکاب سے اُسے بچا رہے ہیں اور اسکی نفسانی خواہشات اور اس کے درمیان ایک ڈھال بن گئے ہیں۔ میرے لئے تو درحقیقت یہ ایک عجیب واقعہ تھا کہ مجھے محسوس ہوتا تھا جیسے میرے اندر ایک گوشۂ ہدایت کھل گیا ہے۔ جہاں مرشد بیٹھے بیٹھے ان تمام میلانات کے بارے میں جو فیصلہ چاہتے ہیں، ''ہاں'' اور ''نہیں'' میں صادر فرما دیتے ہیں۔

ملاقات کے دوران اگر میں تصوف یا کسی روحانی واردات کے بارے میں سوال پوچھتا تھا تو ان کا جواب ہمیشہ مختصر ہوتا تھا زیادہ تر وہ ایک اشارہ فرما دیتے تھے اور توقع رکھتے تھے کہ میں سمجھ گیا ہوں گا۔[9]

میں ان کے حضور اکثر خاموش بیٹھا رہتا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میرا ذہن ان کے سامنے ایک لوح کی مانند ہے جسے وہ مجھ سے بھی بہتر اور صاف تر انداز میں پڑھ سکتے ہیں۔ ایسے میں یہ بات مجھے عجیب لگتی کہ وہ کسی اور کے ساتھ بات کر رہے ہوتے تھے لیکن باتوں ہی باتوں میں میرے اوہام وخیالات کا جواب مل رہا ہوتا تھا۔

میرے لئے یہ مرحلہ ایک قسم کے حظ اور لطف اندوزی کا دور تھا کیونکہ میں زندگی کی دوسری پَرت کا مشاہدہ و تجربہ کر رہا تھا جو دراصل حقیقی اور سچ کی حامل تھی۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ اب میں صرف بیرونی مظاہر سے فریب نہیں کھاؤں گا۔ اور اگر اتفاقاً مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی تو میرے اندر کے گوشہ ہدایت سے کوئی بااختیار آواز وہیں اسی وقت میری اصلاح کر دیگی۔ اب میں لوگوں میں مردوں اور عورتوں کی اصل فطرت سے آگاہ ہو سکتا تھا۔ میں کسی بھی پیش آمدہ صورت حال کا صحیح طور پر فہم کر سکتا تھا۔ مجھے موقع پر ہی کسی بات کو سمجھ کر فیصلہ کرنے کی ہدایت حاصل ہو گئی تھی۔ مجھے اپنے اندر ایک ایسی قوت علم نظر آنے لگی تھی جو پہلے مجھ سے اوجھل تھی کیونکہ

ہیں محض استدلالی انداز میں سوچنے کا عادی تھا اور میں نے نا دیدہ اور لامحدود وجدانی قوت (کشف) کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ اور یہ قوت کبھی میرے اندر رونما نہ ہوتی اگر عظیم قطب عالم یعنی حضرت شاہ صاحب قبلہؒ کے ساتھ میرے تعلق کی صورت پیدا نہ ہوتی۔ ہاں، وہ ایک قطب ارشاد بھی تھے اگرچہ بہت سے صوفی اُنہیں نہیں جانتے تھے۔ لیکن صوفیاء تو کئی دوسرے طریقوں سے واقعات عالم پر اثر انداز ہوتے رہتے ہیں اور عارف ولی جانتے اور مانتے ہیں کہ دنیا کے وقوعات واقعتاً ان کی باطنی ذات کا عکس ہوتے ہیں جن کے ذریعے سے قدرت نظام کائنات میں کارفرما ہوتی ہے۔

پیشتر اس کے کہ مَیں حضرت شاہ صاحبؒ کی زندگی کا ایک سوانحی خاکہ لکھوں، میں ان کی روزمرہ زندگی کے کچھ ضروری معمولات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ عبادت میں ہمہ وقت مشغول رہتے تھے۔ مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ دعا و عبادت کی حالت میں رہا کرتے تھے۔ وہ اگر ملاقاتیوں کے درمیان بھی بیٹھے ہوتے تو پانچ سو دانوں کی ایک تسبیح ان کے پاس رہتی۔ باتوں میں وقفہ آ جاتا تو وہ اللہ کے اسماء یا اس کے کسی ایک اسم کا ذکر کرنے لگتے۔ جب وہ الفاظ دہراتے تو ہونٹ ہلتے نظر آتے۔ کبھی کبھی ان کے ہونٹوں سے یہ ذکر سنا بھی جا سکتا تھا۔[۱۰]

آپ رات اور دن کے نوافل بھی ادا کرتے رہتے تھے اس سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان گہرا تعلق ظاہر ہوتا تھا۔ کوئی اجنبی بھی عبادت میں ان کا یہ ذوق وشوق دیکھتا تو کہہ اُٹھتا تھا: ''ہاں یہ ایک مردِ خدا ہے''! غرضیکہ وہ لوگوں کی خدمت کرتے رہتے اور عبادت کرتے رہتے، عبادت کرتے رہتے اور لوگوں کی خدمت کرتے رہتے تھے۔[۱۱]

(۴)

مرشد عالی مقام

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ضلع پٹنہ کے ایک قصبے صفی پور میں ۱۳۲۷ ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید وزیر علی تھا جو ایک طبیب بھی تھے اور زمینداری بھی کرتے تھے۔

جناب شاہ صاحبؒ نے اپنی ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر انہوں نے مدرسہء عالیہ رام پور میں داخلہ لیا اور وہاں فارسی زبان و ادب میں تعلیم حاصل کی۔ یہاں ان کے استاد فارسی ادب کے ایک بہت بڑے عالم تھے جو کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔ نام ان کا شاداں بلگرامی تھا۔ وہ طبعاً، مزاجاً فلسفی اور منطقی بھی تھے۔ ہر مسئلے میں عقلی استدلال کو اہمیت دیتے تھے۔ ان کے درسوں کے درمیان میں ہی ایسا ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ بھی ایک نوجوان طالب علم ہوتے ہوئے تشکیک کی جانب مائل ہوئے اور مروجہ اعتقادات میں انہوں نے تزلزل محسوس کیا۔ دراصل انہیں ان دینی مابعد الطبعیاتی عقائد نے دوبارہ سوچنے پر مجبور کیا جو ان دنوں علماء وصوفیاء کے حلقوں میں مقبول تھے۔ پھر کچھ مدت آپ نے لکھنوء میں فرنگی محل کے

مدرسے میں عربی بھی پڑھی اور وطن واپس لوٹ آئے لیکن دل میں اطمینان نہیں تھا۔ آپ کو گویا اپنے نظریات وعقائد کو اپنی تسلی کی خاطر نئے سرے سے سلجھانے کی ضرورت تھی۔۱۲

انہی ایام میں کہیں آپ کو کسی کام کے لئے دہلی آنا پڑا اور آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی زیارت کے لئے گئے۔ وہاں آپ حضرت شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملے جو دربار کے نگران تھے۔ اگرچہ آپ چند دنوں کے بعد واپس آنا چاہتے تھے مگر اتفاق ایسا ہوا کہ آپ کو ایک سال تک وہاں قیام کرنا پڑا۔ آپ نے حضرت شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ سے باتیں کیں اور اس پاک درگاہ پر صوفیوں اور درویشوں کو دیکھا اور ان کے ساتھ ہمکلامی سے مستفیض ہوئے۔ کسی حد تک آپ کے شکوک رفع بھی ہوئے لیکن آپ کچھ زیادہ جاننا چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضرت شاہ عبداللہؒ سے جو در حقیقت اعلیٰ درجہ کے روحانی ہادی تھے، مرید ہونے کی درخواست کی۔ اس کے بعد حضرت شاہ عبداللہ ہی ان کے مرشد رہے۔

انہوں نے آپ کو تنہائی میں کچھ کلمات کا ذکر کرنے کی تلقین فرمائی اور اس طرح آپ کی وجدانی صلاحیتیں بیدار ہونے لگیں۔ ذکر کے دوران روحانی واردات نے آپ کے خیالات و عقائد کو ازسرِ نو استوار کیا۔ آپ اپنے روحانی مرشد کی باقاعدگی سے پیروی کرنے لگے۔

اپنے اذکار و اوراد پر عمل پیرا ہونے کے دوران آپ نے اجمیر شریف کا سفر کیا۔ وہاں وہ ایک درویش احمد علی بابا سے ملے جو خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے روحانی نگران تھے۔ آپ نے وہاں کے مجاوروں کے درمیان اُنہیں ایک نادر صورت درویش پایا۔ بابا اپنے حجرے میں بیٹھے رہا کرتے تھے اور وہیں سے آداب و انتظام پر نظر رکھتے تھے۔ یہ بات واضح تھی کہ وہ ایک اہل نظر، دوربین اور فوق الطبع قوتوں کے حامل ولی تھے۔ وہ اپنے حجرے کی چاردیواری کے اندر بیٹھے اردگرد ہر طرف دیکھ سکتے تھے۔ پہلی ہی ملاقات میں انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کو قدرے درشت انداز میں تنبیہ کردی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے مزار کو پتھر مت سمجھنا، وہ زندہ ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ حیران ہوئے کہ انہوں نے اُن کے دل کے

اندر اس وسوسے کو کیسے بھانپ لیا کہ بھلا موت کے بعد ایک ولی کیسے ظاہر میں متصرف ہو سکتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف میں مقیم رہے اور احمد علی بابا کے ساتھ روزانہ ملاقاتوں اور کئی مشاہدات و واردات نے ان کے یقین کو مستحکم کر دیا کہ زندگی کا روحانی پہلو ایک حقیقت ہے اور اس سے صرف وہی لوگ منکر ہو سکتے ہیں جنہیں زندہ دل منور ہستیوں سے ملنے اور فقیروں اور درویشوں کی صحبت رہنے کے مواقع نہیں ملے۔ اب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اندر کی تشکیک ختم ہو چکی تھی۔

ایک دو۲ سال بعد جب حضرت احمد علی بابا کا انتقال ہوا تو حضرت شاہ صاحب اجمیر کے ایک قصبے بوراوڑ چلے آئے جہاں وہ ایک مسجد میں امامت کرنے اور بچوں اور بچیوں کو قرآن مجید پڑھانے لگے۔ اور روحانی ترقی بھی ساتھ ساتھ جاری رہی۔

حضرت شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر آپ کے ہاں تشریف لاتے اور ضروری ہدایات دے کر چلے جاتے۔ اُسی مدت میں حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس کچھ رقم جمع ہو گئی تو آپ نے اپنے مرشد کو پیش کر دی کہ وہ اسے لے کر حج کے لئے چلے جائیں۔ ان کے مرشد نے یہ رقم قبول کی اور حج کے لئے روانہ ہوئے۔

بوراوڑ میں ہی آپ کو حکومت کے کسی شعبے کی طرف سے سرکاری طور پر کہیں امامت و خطابت کی پیشکش ہوئی لیکن آپ نے اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور انکار کر دیا۔ اوپر کی حاضر و ناظر ہستیوں نے اس پر سزا دی جسے آپ نے اپنے باطن کی گہرائیوں میں سنا۔ حکم ہوا کہ داڑھی منڈوا دو اور بھیک مانگو۔ آپ نے تعمیل میں تامل کیا لیکن حکم اور تنبیہ سخت تھی۔ بتا دیا گیا کہ اس نظام میں تم مرتبے سے معطل ہو۔ پھر کیا کیا جا سکتا تھا، آپ نے حکم مان لیا، کہیں سے بلیڈ لے کر داڑھی مونڈ ڈالی اور بھیک مانگنے نکل پڑے۔ لیکن ایک معزز خاندان کے آدمی کے لئے ایسا کام مشکل ترین امتحان تھا۔ چولستان کے کسی گاؤں میں ایک ہندو کی دوکان سے ایک پیسہ مانگا اور چلتے گئے۔ حضرت سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر پہنچے اور آپ سے سفارش اور مدد کی درخواست کی، وہاں سے اشارہ

ہوا کہ حضرت خواجہ بہاؤالدین ذکریاؒ ملتانی کی درگاہ پر ملتان جاؤ (شاید اس لئے کہ آپ ان کی ولایت کے زیرِ اثر علاقے کی طرف سے آئے تھے تو ادباً وہیں سے فیصلہ مقدم سمجھا گیا) [۱۳] آپ حضرت بہاؤالدین ذکریا رحمۃ اللہ علیہ ملتانی کے مزار پر پہنچے، وہیں آپ کو خواب میں دکھایا گیا کہ خطا معاف ہوئی اور مرتبہ برقرار رہا۔ روحانی زندگی میں ایسی سزائیں دوسرے صوفیا سے تذکروں میں منقول ہیں۔

بوراوڑ میں آپ کوئی دس ۱۰ سال تک رہے۔ بہت سے لوگ آپ کے ارادت مند ہو گئے۔ وہ آپ کا بہت ادب واحترام کرنے لگے۔ اس کے بعد آپ گویا ان کے سرپرست ولی ہو گئے۔

آپ کے مرشد حضرت حاجی شاہ عبد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے روابط ایک مرشد حضرت خواجہ محمد ابراہیم اویسی رحمۃ اللہ کے ساتھ بھی تھے جو موضع پروکہ تحصیل سمندری، ضلع لائل پور (موجودہ واقع پاکستان) میں رہتے تھے۔ وہ اکثر حضرت خواجہ صاحبؒ موصوف سے ملنے آتے رہتے تھے۔ ایسے ہی کسی دورے کے دوران آپ کی وفات ہوئی اور پروکہ کے نزدیک کے گاؤں کلیانوالہ میں دفن ہوئے۔ یہ ۱۹۴۲ کی بات ہے۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے مرشد کے ساتھ بے حد محبت تھی۔ [۱۴] قدرتی طور پر ان کی وفات کا سن کر آپ کو بہت صدمہ ہوا۔ آپ اُس وقت بوراوڑ میں تھے۔ آپ اپنے مرشد کی قبر پر حاضری دینے لمبے سفر پر روانہ ہو پڑے اور کلیانوالہ پہنچے۔

کلیانوالہ میں آپ کے میزبان حضرت خواجہ محمد ابراہیم اویسی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ارادت مند درویش تھے جنہوں نے آپ کے پیر صاحبؒ کے کفن دفن کا انتظام کیا تھا۔ انہوں نے مرشد کے ساتھ آپ کے لگاؤ کی آزمائش کرنا چاہی۔ وہ آپ کو اپنے ساتھ قبرستان لے گئے اور ایک کونے میں کھڑے ہو کر کہا کہ لیجئے صاحب، یہاں اس قبرستان میں آپ کے پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں، اب خود جا کر قبر ڈھونڈ لیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ مسکرائے اور ایک طرف سے دوسری طرف چلے گئے، پھر لوٹے تو ایک قبر کے پاس جا کر رک گئے اور اپنے میزبان سے پوچھا! ''کیوں صاحب، یہی ہمارے پیر صاحبؒ کی قبر ہے؟'' میزبان نے تصدیق میں سر

ہلایا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے دعا و فاتحہ کے لئے ہاتھ اُٹھا دیئے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پھر بوراوڑ چلے گئے، ۱۹۴۷ میں برصغیر کی تقسیم عمل میں آئی۔ تو بوراوڑ اور اجمیر شریف کے بہت سے مسلمان ہجرت کر کے کراچی اور حیدر آباد میں آ بسے۔ کچھ گھر بوراوڑ میں رہ گئے۔ شاہ صاحبؒ ان کی وجہ سے وہاں ٹھہرے رہے۔ ایک دو سالوں میں وہ بھی ہجرت کر کے چلے آئے تو حضرت شاہ صاحبؒ بھی پاکستان آ گئے۔

سب سے پہلے آپ پاکستان میں چشتیہ سلسلہ کے سب سے بڑے مرکز پاک پٹن میں پہنچے جہاں حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے۔ آپ نے سوچا کہ ہمیشہ کے لئے اس درگاہ پہ ہی رہ جائیں۔

یہاں آپ ایک مجذوب بابا نبی بخش عرف مستان بابا سے ملے۔ اجمیر میں احمد علی بابا کی طرح یہاں کی درگاہ کے روحانی نگران یہ بزرگ تھے۔ اگرچہ بہت سے لوگوں کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ یہاں بھی حضرت شاہ صاحبؒ کو بابا کے ذریعے بہت سے مشاہدات ہوئے کیونکہ بابا آپ پر بہت مہربان رہے۔

آپ کے بہت سے مرید حیدر آباد میں آ کر آباد ہو گئے تھے اس لئے آپ اکثر وہاں چلے جایا کرتے۔ آپ کلیانوالہ میں بھی آنے جانے لگے جہاں آپ کے پیر صاحبؒ کا مبارک مزار ہے لیکن لوٹ پھر کر آپ پاک پٹن واپس آ جاتے۔ کوئی ایک سال بعد آپ کو روحانی طور پر حکم ملا کہ کلیانوالہ چلے جائیں اور وہیں اپنے پیر کے مزار پر معتکف رہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے حکم کی تعمیل کی مگر دلی طور پر آپ اس پر چنداں خوش نہ تھے۔ دیہات کے لوگ ان پڑھ اور دینی لحاظ سے ناسمجھ تھے۔ یہ جگہ اُس وقت ایک جنگل کی مانند تھی۔ اگرچہ یہ دیہات کا ایک میدانی رقبہ تھا لیکن یہ جگہ بے رنگ اور تقریباً بے کیف اور بے رونق تھی۔ شاہ صاحبؒ نے بے چینی محسوس کی مگر اب تو یہاں رہنے کا حکم مل چکا تھا۔ چنانچہ آپ یہاں رہنے لگے۔

کسی نہ کسی طرح حضرت شاہ صاحبؒ یہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد چند

عقیدت مند حضرات خاص طور پر جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین شاہ مدد کو پہنچے۔ ہجرت کے بعد وہ کہیں بلوچستان میں بطور میڈیکل آفیسر متعین تھے لیکن سردیوں کی چھٹیوں میں ہمیشہ کلیانوالہ آنے لگے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے چند دن کے لئے مل بیٹھنے کا موقعہ نکل آتا تھا۔ اسی طرح ایک مکینک مستری عبدالجبار صاحب تھے، وہ اپنی بیوی کے ساتھ کلیانوالہ آ پہنچے اور یہیں رہنے لگے۔ لوگوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے لئے ان کے پیر مرشد کے مزار کے ساتھ ایک دو کمرے بنا دیئے۔ آپ نے اس معمولی قیام گاہ کو زاویہ یا خانقاہ سمجھا اور یہیں اقامت اختیار کر لی۔ [16]

آہستہ آہستہ لوگوں کو آپ کی مؤثر قوت قدسیہ کا علم ہوا تو وہ آپ کے پاس دعا کے لئے آنے لگے۔ اب مقامی آبادی میں آپ کی حیثیت ایک پیر بزرگ کی تھی (گو آپ نے پیری مریدی کا رسمی انداز کبھی اختیار نہ فرمایا) لوگ آپ کی عزت کرنے لگے اور انہیں آپ سے ارادت ہو گئی۔

اگرچہ آپ نے اپنی زندگی ایک لحاظ سے ایک گمنام فقیر کے طور پر بسر کی لیکن وہ جو آپ کو جانتے تھے، دور دور سے آپ سے روحانی مدد کے لئے استدعا کی خاطر آنے لگے۔ آپ بخوشی ان کی مدد فرماتے تھے اور لوگ آپ کی برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔

آپ نے اپنی نگرانی میں اپنے پیر و مرشد کا روضہ تعمیر کرایا، آپ کی وفات سے چند ہفتے پہلے اُس کا کام مکمل ہوا، آپ خوش تھے، ایسے لگتا تھا کہ گویا آپ کی کوئی دیرینہ خواہش پایہ تکمیل تک پہنچی ہو۔

۱۲ جنوری ۱۹۷۷ کو آپ کا وصال ہوا۔ [17] میں آپ کی تجہیز و تکفین کے موقعہ پر نہ پہنچ سکا۔ لیکن چند دن بعد آپ کے مزار پر حاضری دی اور فاتحہ پڑھ کر آپ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کی۔

میں نے لوگوں کو صدمے کی کیفیت سے دوچار پایا مگر دیکھا کہ روحانی طور پر وہ قوی تھے۔ سب کو ایک ولی کی برکت اور قوت قدسیہ سے اپنی اپنی استعداد اور ظرف کے مطابق حصہ مل چکا تھا۔ [18]

میں اپنی ابتدائی زیارتوں میں کچھ باتیں نوٹ کرتا رہا تھا۔ اب پہلی بار میں ان کو یہاں لکھ رہا ہوں۔ [19] آپ ہمیشہ اردو میں بات کرتے تھے۔ اس لئے اکثر جملے بلا ردّ و بدل خود آپ کی زبان سے ہی نقل کئے گئے ہیں:

ملفوظات حضرت سید محمد وراثت حسین شاہؒ

''ہمیں شروع سے ہی خیال رہا کہ ایک نہ ایک دن منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے۔

ہم نے ابتدائی زمانے میں ایک بار کشف میں دیکھا کہ ایک چھوٹا سا حوض ہے اور ایک مچھلی اس میں تیر رہی ہے۔

اس نے تڑپ کر چکر کاٹا اور بولی: حافظ ہے!

پھر چکر کاٹ کر بولی: عالم ہے!

پھر بیقراری سے تڑپی اور چکر کاٹ کر بولی: عارف ہے!

پھر اور زیادہ بیقراری سے تڑپی اور چکر کاٹ کر بولی: عارفِ کامل ہے!

پھر اس نے اسی طرح چکر کاٹا اور بہت زیادہ تلاطم پیدا کرتے ہوئے بولی:

اب ولایت ہے![20]

ہم نے پیر صاحبؒ کو یہ کشف سنایا تو انہوں نے تعریف کی اور فرمایا کہ کیسے اچھے طریقے سے دکھادیا گیا ہے!

-----ہمت-----

فقر کی راہ کے لئے بہت بڑا دل چاہیئے۔ ہمت کے ساتھ ہی یہ راستہ طے ہو سکتا ہے۔ آدمی اپنی جان کو جان نہ سمجھے اور کوشش میں لگا رہے تو آخر ایک دن منزل پا ہی لیتا ہے۔

-----ہر ایک کے لئے مختلف----

ہر ایک کے لئے سلوک کی منزلیں ایک سی نہیں ہوتیں اور ترتیب میں بھی فرق ہوتا ہے۔

-----نور باطن ----

بعض لوگوں کو چار ہی مہینوں میں نور باطن حاصل ہو جاتا ہے۔اور بعض لوگوں کو سالوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔

-----مشکلات ----

ریاضت اور مجاہدے کے دوران میں ہمیں ایسے ایسے تجربات سے گذرنا پڑا کہ ان کا بیان بھی مشکل ہے۔

-----شہوت کی منزل ----

(آزمائش ہوتی ہے تو) بہت سے لوگ شہوت کی منزل میں آ کر گر جاتے ہیں اور جو اس منزل میں رہ جاتا ہے اس کا پھر اُٹھ کھڑا ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔

بہتر یہ ہے کہ سلوک کی راہ اختیار کرنے سے پہلے آدمی شادی کر لے۔کم از کم شہوت کی منزل سے سلامتی کے ساتھ نکل جانے کی سبیل پیدا ہو جاتی ہے۔ ۲۱

-----ولایت ختم ----

یہ لوگ (شہوت کی آزمائش میں گرنے والے) گرنے کے بعد توبہ وغیرہ کر کے جنت تو حاصل کر سکتے ہیں مگر ولایت کی بات ختم ہو جاتی ہے۔یہ اُنہیں نہیں ملتی!

-----شیطان ----

شیطان آخر تک دھوکا دینے سے باز نہیں آتا۔عجیب و غریب طور پر دھوکے دیتا ہے۔پچھلے دنوں میری موت کی تاریخ مقرر کر دی۔ساتھ ہی دو۲ اور آدمیوں کو بھی خواب میں دکھا دیا کہ ہمارا انتقال ہونے والا ہے مگر وہ تاریخ گذر گئی اور سب جھوٹ نکلا۔

-----شیطان اور پڑھے لکھے لوگ ----

شیطان راہ سلوک میں پڑھے لکھے لوگوں کو زیادہ ورغلانے کی کوشش کرتا ہے اور وساوس کے راستے سے انہیں دھوکہ دیتا ہے۔

-----تصور کی مشق ----

سلوک میں تصور سے بہت کام لئے جاتے ہیں مگر ہمارے خیال میں مبتدیوں کو اس سے پرہیز کرنا چاہیئے کیونکہ تصور تو جم جاتا ہے لیکن خطرہ لاحق رہتا ہے کہ کوئی اور صورت تصور میں آ گئی تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔[۲۲]

یہاں ایک گاؤں میں جسے شیرازہ کہتے ہیں، ایک پیر صاحب کا مرید ہمارے پاس آیا تو ہم نے کہا کہ تصور کی مشق بہت کرتے ہو مگر احتیاط سے رہنا۔ کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ ایک عورت پر عاشق ہو کر سب کچھ کھو بیٹھا۔ پیر صاحب سے کہنے لگا کہ اُس عورت سے میری شادی کرادو۔ اُنہوں نے کہا عقل کی بات کرو، وہ عورت شادی شدہ ہے، اُس سے تمہاری شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ پیر صاحب نے بھی اسے نکال دیا اور سب کیا کرایا ضائع ہو گیا۔

-----کشف اور مقبولیت ----

کسی طرح سے بھی تصور کی عادت پختہ کر لی جائے تو کشف ہونے لگتا ہے۔ سلوک میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ اصل بات تو خدا کے ہاں مقبولیت ہے۔ اگر یہ بات حاصل ہو تو پھر کشف ٹھیک ہے گو پھر بھی اس میں غلطی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

-----بذریعہ نماز یا معنیٰ ----

کراچی میں ایک صاحب ہمیں ملے انہیں کشف بہت ہوتا تھا۔ انہوں نے ہمیں کہا کہ ایک ہفتہ ہمارے ساتھ رہو۔ چنانچہ ایک ہفتہ کے لئے ہم ان کے ساتھ رہے۔ تو انہوں نے بتایا

کہ تصور کی عادت پختہ کرنے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ نماز میں معنی کا خیال کر کے کلمات پڑھو۔ اس طرح چار رکعت میں بیس ۲۰ منٹ لگ جائیں گے۔ اگر ساری نمازیں اس طریقے سے پڑھو گے تو بہت فائدہ ہوگا۔

ہم نے کچھ دن ایسا کیا۔ واقعی اس سے فائدہ تو ہوا مگر ہم سے نبھ نہ سکا کہ دوسرے وظائف رہ جاتے تھے۔

ان کا کشف آواز کے ذریعے سے تھا۔ جب کچھ معلوم کرنا چاہتے تو توجہ کرتے۔ آواز کے ذریعے بات کشف ہو جاتی۔ ایک بار کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتے تھے تو خود حضرت امام ابو حنیفہ ؒ کی روح نے آ کر وضاحت کی۔

-----تین نقطے -----

ایک بار خواجہ قطب صاحب ؒ کے مزار پر ہم حاضر تھے کہ ہمیں تین نقطے دکھائے گئے۔ آنکھ کھلنے پر حیران تھے کہ تین نقطے کیا ہیں۔ بعد میں تعبیر سمجھائی گئی کہ یہ نفس، دنیا اور شیطان ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

-----بادشاہ اور اس کے ماتحت -----

ہمارے پیر صاحب ؒ کو بتایا گیا کہ نفس بادشاہ ہے، دنیا اور شیطان اس کے ماتحت ہیں۔ اگر نفس کسی پر غالب ہے تو دنیا اور شیطان اس سے فارغ رہتے ہیں۔ اگر نفس زیر ہو گیا تو پھر دنیا اور شیطان اپنا کام شروع کرتے ہیں۔

-----گمراہ کرنے کا موقعہ-----

شیطان اُس وقت خاص طور پر گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے یا دل میں وساوس پیدا کرتا ہے جب کسی بندے کے دل میں اللہ کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر وہ کہتا ہے، اب میرا کام شروع ہوا کہ اس کو اس راہ سے ہٹانے کی کوشش کروں۔

----- عیب پوشی ----

فقیر کے لئے عیب پوشی کی خصوصیت لازمی ہے۔ شیطان نے ہمیں بہت پھسلایا۔ لوگوں کے عیب سامنے کئے۔ فلاں ایسا کرتا ہے، فلاں ویسا کرتا ہے لیکن ہم نے کہا: ''لوگ ایسے ہوا کریں، ہمیں کیا''؟

----- کشف وکرامت ----

کشف وکرامت کوئی چیز نہیں۔ اس قسم کی باتیں تو نجومی لوگ بھی بتا دیتے ہیں۔ مثلاً ہم ایک بار راجپوتانہ میں تھے کہ ہمیں ایک نجومی ملا۔ اُس نے ہمارا ہاتھ دیکھ کر بتایا کہ عمر رام بھجن میں گذرے گی۔ نیز اِن اطراف میں اس جیسا کوئی عالم نہیں ہے۔

----- اہل خدمات ----

اہل خدمات ۲۳ (اولیاء اللہ) مقلب القلوب ہوتے ہیں، دل بدل دیتے ہیں یہ لوگ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے ورنہ فیض چھن جانے کا خطرہ رہتا ہے اور سزا بھی ملتی ہے۔

----- اہل خدمات کا فیض ----

سیاحت کے دوران میں ایک بار ہم ایک شہر کی مسجد میں جا اترے۔ بے سروسامانی کی حالت تھی۔ کھانا وغیرہ نہیں کھایا تھا۔ وہاں بیٹھے تو کچھ اپنی حالت کا خیال آ گیا۔ رو پڑے اور اللہ کے حضور میں عرض کی کہ یہ سب کچھ تیری خاطر اختیار کیا ہے۔ اس لئے تو ہی فیض پہنچانے والا ہے۔ اتنے میں ایک آدمی آیا۔ وہ ہمیں گھر لے گیا، کھانا کھلایا اور رخصت کیا۔ ہمیں احساس ہوا کہ یہ کسی درویش کی کرامت ہے۔ اہل خدمات میں سے کسی نے ہماری حالت دیکھی اور اس شخص کو بھیج دیا۔

----- احمد علی بابا ----

احمد علی بابا (جو دربار اجمیر شریف میں نگران اور اہل خدمات کے سردار تھے): ان کے پاس ایک نوجوان شمس الدین رہتا تھا۔ وہ ایف اے میں کہیں پڑھتا تھا۔ اُسے سل ہوگئی۔ اس

زمانے میں سل لا علاج مرض خیال کیا جاتا تھا۔ ڈاکٹروں نے پڑھائی چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ اس نے بچپن میں اپنی ماں سے بزرگوں کی کرامتوں کے بارے میں سُن رکھا تھا۔ چنانچہ وہ خواجہ صاحب کے مزار پر اجمیر شریف چلا آیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ وہ بھی احمد علی بابا کی خدمت میں بیٹھا رہتا تھا۔ اور ان کو دعا کے لیئے کہتا رہتا تھا۔ ہماری اس سے دوستی ہوگئی۔ وہ ہمارے ساتھ والے حجرے میں رہنے لگا۔ اور کھانا ہم اکٹھے کھا لیتے تھے۔ ایک شام وہ حجرے میں نہ پہنچا۔ ہم نے کھانا کھالیا اور اس کے لئے طاق میں رکھ دیا۔ مگر عشاء کی نماز پڑھ کر ہم واپس آئے تو دیکھا، کھانا ابھی پڑا تھا۔ ہم اسے ڈھونڈنے نکلے، دیکھا تو وہ ایک طرف بیٹھا رو رہا تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ کچھ اور آدمیوں کے ساتھ احمد علی بابا کے پاس بیٹھا تھا۔ اسی دوران احمد علی باباؒ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوئی۔ انہوں نے اپنے خادم احمد کو بکس میں سے نئے کپڑے نکالنے کو کہا۔ پھر انہوں نے نئی قمیص پہنی، سر پہ عمامہ باندھا اور حجرے سے باہر کی طرف چل دیئے۔ ان دنوں بابا ابھی بیماری سے نئے نئے اُٹھے تھے، کچھ کمزور تھے، اس لئے احمد ان کے ساتھ ہولیا کہ کہیں گر نہ پڑیں۔ تھوڑی دور تک تو وہ ساتھ گیا مگر باباؒ نے کچھ ایسی نظروں سے اس کی طرف دیکھا کہ جیسے وہ اُس کا ساتھ آنا پسند نہیں کرتے۔ وہ واپس چلا آیا اور بابا پنی گروں کے محلے کی طرف چل دیئے۔ احمد اور شمس الدین حجرے میں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

کچھ دیر کے بعد محبوب عالم صاحب تشریف لائے۔ بابا ان کا بڑا خیال رکھتے تھے کہ وہ حضرت خواجہ بزرگ کے متوسلین کی اولاد میں سے تھے۔ انہوں نے آ کر بابا کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ وہ کہیں باہر گئے ہیں۔ وہ بولے: ”ارے تم نے انہیں جانے کیوں دیا، وہ تو ابھی بہت کمزور تھے“۔ انہوں نے احمد کو بھیجا کہ جاؤ جا کر بابا کو دیکھو، کہاں ہیں اور انہیں لے آؤ۔ احمد گیا تو اس نے دیکھا کہ بابا پنی گروں کے محلے کی ایک گلی میں موءدب کھڑے ہیں۔ احمد کو دیکھا تو ساتھ ہولئے۔ یہاں آ کر تخت پوش پر بیٹھ گئے اور شمس الدین سے کہا: ”مانگو شمس الدین،

کیا مانگتے ہو، اِس وقت جو مانگو گے، ملے گا"۔ شمس الدین نے کہا: "مجھے سل سے نجات مل جائے، اعلیٰ تعلیم حاصل ہو، دولت ملے۔ حسب خواہش اپنی خالہ زاد سے شادی ہو جائے"۔ اس موقع پر محبوب عالم بول اٹھے اور کہا: "نہیں شمس الدین، ایک چیز مل سکتی ہے"۔ اب شمس الدین سوچ میں پڑ گیا کہ کیا مانگے۔ صحت مانگے اور باقی چیزیں حاصل نہ ہوں تو صحت کس کام کی اور اگر دوسری چیزیں مل جائیں اور تندرستی نہ ہو تو اِن سب چیزوں کا کیا فائدہ؟ کہنے لگا: "میں لوں گا تو سب لوں گا ورنہ کچھ نہیں لیتا"۔

بابا کچھ دیر کے لئے چپ ہو گئے اور پھر بولے: "شمس الدین وقت ہاتھ سے نکل جائے گا، ایک چیز مانگ لو"۔ تو شمس الدین نے ڈرتے ڈرتے اپنی صحت کے متعلق سوال کیا۔ بابا نے کہا: "ہم نے تمہیں صحت دی"۔

بعد میں جب وہ کیفیت ختم ہو گئی تو بابا نے بتایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے تھے اور حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت امام حسن علیہ السلام، خواجہ غریب نوازؒ اور خواجہ قطبؒ اور بہت سے دوسرے اولیاء اللہ ان کے ہمراہ تھے۔

بابا نے کہا: "افسوس شمس الدین، تو نے اس لمحے کی قدر نہ کی!" اب شمس الدین روتا تھا اور پچھتا رہا تھا کہ اسے سب چیزیں کیوں نہ ملیں۔ بعد میں وہ تندرست ہو گیا اور وطن چلا گیا۔

---- باباؒ کے خادم احمد کا بیان ----

احمد علی باباؒ کے انتقال کے بعد ان کا خادم احمد وہاں سے چلا گیا، لیکن کچھ دنوں کے بعد واپس آ گیا تھا۔ وہیں اس کا انتقال ہوا۔ اور احمد علی باباؒ کے مزار کے پاس ہی اُسے دفن کیا گیا۔

ان کا یہ خادم ان کی بہت سی کرامات کا ذکر کرتا تھا۔ اس نے بتایا کہ ایک رات بابا کے ساتھ حجرے میں اکیلا تھا۔ اور ابھی سونے کا وقت نہیں ہوا تھا کہ بابا نے کہا کہ: "احمد تمہیں نیند آ رہی ہو گی۔ جا کر سو رہو"۔ احمد کو حیرت ہوئی کہ پہلے تو کوئی دو بجے کے قریب سویا کرتے تھے اور

آج بابا ابھی سے کہہ رہے ہیں۔

آخر احمد ایک طرف جا کر لیٹ رہا۔ بابا نے آواز دی: ''احمد سو گئے؟'' مگر ہوا یہ کہ اگرچہ احمد جاگتا تھا مگر بے حس ہو گیا تھا۔ اور اس میں بولنے کی سکت نہیں رہی تھی۔

اتنے میں کواڑ خود بخود کھل گئے۔ احمد علی بابا ؒ دروازے کی طرف بڑھے ایک دبلے پتلے بزرگ اندر آئے۔ بابا ؒ نے کہا: ''حضور، آپ نے اس گنہگار کے ہاں کیسے کرم فرمایا؟''

وہ بزرگ بولے: ''ہم خواجہ صاحب ؒ کے دربار میں حاضر ہوئے تھے سوچا، احمد علی سے ملتے چلیں''۔

بابا نے کہا: ''حضور کی بندہ نوازی ہے''۔ ساتھ ہی احمد کو مخاطب کر کے بولے: ''احمد، مانگو جو مانگتے ہو، دیکھو، صابر صاحب تشریف لائے ہیں''۔

ادھر احمد کی حالت یہ تھی کہ اُٹھنا چاہتا ہے مگر اٹھ نہیں سکتا۔ بولنا چاہتا ہے مگر بول نہیں سکتا۔ آخر کو وہ بزرگ رخصت ہو کر چلے گئے تو بابا نے احمد کو آواز دی۔ تب وہ اُٹھنے کے قابل ہوا۔

بابا نے بتایا کہ صابر صاحب ؒ (حضرت علاؤالدین علی احمد صابر کلیری ؒ) تشریف لائے تھے اور کہنے لگے: ''اس وقت تُم جو کچھ مانگتے تمہیں ملتا''۔ احمد بڑبڑانے لگا: ''واہ بابا، خود ہی تو مردہ بنا دیتے ہو اور خود ہی کہتے ہو جو کچھ مانگتے مل جاتا''۔

بابا مسکراتے رہے اور بالآخر بولے: ''اچھا، جاؤ جاؤ، کواڑ بند کر دو''۔

احمد نے یہ واقعہ بابا کی وفات کے بعد سنایا۔

---- بابا ؒ کاشف القلوب تھے ----

احمد علی بابا ؒ سے ہمیں بہت فیض پہنچا، ان کو دیکھ کر ہمارا یقین مکمل درست ہوا۔ وہ اس حد تک کاشف القلوب تھے کہ ابھی کوئی خیال دل میں گذرا اور انہوں نے اسی کے متعلق بات کہہ دی۔ آخر میں تو ان کے سامنے ڈر محسوس ہوتا تھا کہ یہ دل کی چوری پکڑ لیتے ہیں۔

----- باباؒ کی پیشگوئی ----

احمد علی باباؒ کہا کرتے تھے کہ بزرگوں کے دربار میں فیصلہ ہو چکا ہے کہ ہندوستان آزاد ہو جائے۔

فرماتے تھے کہ ہندوستان آزاد ہو جائے گا اور انگریز تو ایک رات میں یہاں سے چلا جائے گا لیکن عام لوگ انگریزوں کے دور کے امن وامان کو یاد کیا کریں گے۔۲۴

----- وفات کے بعد بھی ----

اب وفات کے بعد بھی احمد علی باباؒ بدستور حضرت خواجہ صاحبؒ کے ہاں پیشکار کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

----- ہندوستان کی ولایت ----

ہندوستان کی ولایت حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے۔اور آپ کی شان جمالی ہے۔

ان کے ہاں تین بزرگ سفارشی بنتے ہیں، حضرت امام حسین علیہ السلام، حضرت خواجہ صاحب کے پیر مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کیؒ ۔کام زیادہ تر خواجہ قطبؒ کے سپرد رہتا ہے۔

----- حضرت خواجہؒ کی اولاد----

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد تھی مگر اب ان میں سے کوئی باقی نہیں رہا۔لوگ جو ان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، دراصل مزار کے خادموں کی اولاد سے ہیں۔اسی لئے ان کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے۔ہمیں اس لئے علم ہے کہ ہم سب خدام کو جانتے ہیں کیونکہ ڈیڑھ سال تو مسلسل وہاں رہے اور اسکے بعد بھی مزار پر بہت آنا جانا رہا۔

----- حضرت صابر کلیری کی شان جلالی و جمالی ----

حضرت صابر صاحبؒ بڑے جلالی طبیعت کے تھے۔ لیکن اب ان کی جمالی شان ظاہر ہوگی اور لوگ ان کے سلسلے سے بہت فیض پائیں گے۔

----- خواجہ قطب صاحب کا فیض ----

ہمیں جب بھی کوئی اشارہ ملتا ہے تو عموماً خواجہ قطب صاحبؒ ظاہر ہوتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں۔ آپ وجیہ شکل کے ہیں، داڑھی کے بال سیاہ ہیں، پینتالیس ۴۵ چھیالیس ۴۶ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا تھا۔

----- مولانا عبدالسلام نیازیؒ ----

مولوی عبدالسلام نیازیؒ دہلی کے علماء میں سے تھے۔ وہ بھی حضرت خواجہ صاحبؒ (حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ) کے مزار پر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک آدھ گھنٹہ بیٹھ کر پڑھتے اور چلے جاتے۔ انہیں کشف کی قوت حاصل تھی اور بڑے رُعب والے آدمی تھے لیکن وہ باطن کا رُعب ڈالتے تھے۔

دہلی میں اس زمانے میں ان کے پایہ کا کوئی عالم نہ تھا۔ دہلی کے علماء ان کے علم کے دبدبے سے خائف رہتے تھے۔ اور ان کے مقابل نہیں ہوتے تھے۔ ۴۵

-----قلندر کے لئے حفظ ادب ----

ایک بار اکبر الہ آبادی، مولوی عبدالسلام کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے وحدت الوجود کا مسئلہ سمجھا دیجئے۔ وہ سمجھاتے رہے۔ آخر میں پوچھا: ''سمجھ گئے؟''۔ انہوں نے کہا: ''جی ہاں سمجھ گیا''۔ کہا: ''میری جوتی کو بوسہ دو''۔ اکبر الہ آبادی نے ان کی جوتی کو بوسہ دیا۔

----- چارقسم کے اولیاء کرام -----

اولیاء چار قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔اولیاء ۲۔اولیاء خاص

۳۔اولیاء خاص الخواص ۴۔اولیاء خاص الاخص

آخری دو رتبوں کے اولیاء اب نہیں آتے۔البتہ پہلے دو رتبوں کے اولیاء اللہ اب بھی موجود ہیں۔۲۶

----- خلفائے راشدین اور صحابہ کرام -----

خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کے بارے میں اعتقاد درست رکھنا چاہیئے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ کا رتبہ اتنا بلند ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہیں۔

ہمیں کشف میں حضرت ابوبکرؓ کو دکھایا گیا اور کہا گیا کہ انہیں اچھی طرح سے دیکھ لو، یہ ابوبکرؓ ہیں۔حضرت ابوبکرؓ کا بڑا مقام ہے۔

----- بزرگوں کا ہیڈ آفس -----

ہمارے پیر صاحبؒ (حضرت شاہ عبداللہ۔بادشاہ غوث قطب) کو کشف میں بتایا گیا تھا کہ زندگی میں تمہارا نام ونشان نہ ہوگا، مگر وفات کے بعد شہرت ملے گی، اور یہ دربار مرجع خلائق ہوگا۔یہ جگہ بزرگوں کا ہیڈ آفس بنے گی۔

----- رؤیا کی کتابت -----

صابر یہ سلسلہ کے بزرگ خواب لکھ لیا کرتے ہیں اور اِن رویا کے ذریعے سے سالک کو فیض ملتا رہتا ہے اور ان کے لئے رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہمارے پیر صاحبؒ بھی ہمیشہ خواب لکھ لیا کرتے تھے۔اس طرح کئی مجموعے ہو گئے۔اِن میں سے کچھ تو ضائع ہو گئے مگر بہت سے ڈاکٹر صاحب (جناب ڈاکٹر ابرار حسین زیدی)

کے پاس محفوظ ہیں۔

ہم بھی پہلے پہل رویا لکھ لیا کرتے تھے مگر بعد میں لکھنا چھوڑ دیا اور یہی وقت ہم ورد و وظائف میں صرف کرنے لگے۔ رویا لکھ لئے جائیں اور یہ معمول رہے تو خواب بھی باقاعدگی اور کثرت کے ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔

----- درویشی ----

درویشی بڑی چیز ہے۔ ایک معمولی درویش سے بھی فائدہ ہوتا ہے۔ جو لوگ زیادہ محنت نہیں کر سکتے، اگر انہیں اہل خدمات میں سے کوئی درویش مل جائے تو انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ جس قدر جذبہ کامل ہوگا۔ اسی قدر فیض کے اسباب بھی مہیا ہوں گے۔

----- ترک دنیا ----

یہ اللہ کی دین ہے کہ دنیا سے خود بخود دل سرد ہو جائے۔ ورنہ برسوں لگ جاتے ہیں۔ یوں تو کہا گیا ہے: طے شود جادہ صد سالہ بآ ہے گا ہے

مگر وہ ’’آہ‘‘ بھی کہاں سے آئے گی؟

----- جذب صادق ----

بعض لوگوں کو ان کے جذب صادق کی وجہ سے براہ راست بھی فیض مل جاتا ہے مگر باقی لوگوں کو عموماً کوئی نہ کوئی وسیلہ ڈھونڈنا پڑتا ہے۔

----- درویش کی طاقت ----

ایک درویش کو جسے معمولی سی روشنی حاصل ہو۔ یہ طاقت حاصل ہوتی ہے کہ وہ سلطنت اُلٹ سکتا ہے۔ مگر درویش قضا و قدر میں دخل نہیں دیتے۔

----- ملامتی فقیر ----

ملامتی فقیر جلد فیض پا لیتے ہیں۔ گالیاں سنتے ہیں اور اللہ کی طرف لو لگائے رہتے ہیں۔

حضرت ذوالنون مصریؒ کو لوگ کہتے تھے کہ اگر کسی نے دوزخی دیکھنا ہو تو یہ ہے۔ وہ سب سنتے تھے اور جواب نہیں دیتے تھے جب کہ باطن میں وہ بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔

-----قیاس اور مشاہدہ ----

روحانی زندگی میں ایسے ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ اگر کوئی فلسفی یا سائنس دان سنے تو وہ انکار ہی کر دے۔ ہم کہتے ہیں تم تو محض قیاس سے انکار کرتے ہو مگر ہمارا مشاہدہ ہے۔

-----یقین ----

تصوف میں اعتقاد کی درستی اور یقین بہت اہم ہیں، اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس راستے میں کم پڑھا لکھا آدمی جلد ترقی کر لیتا ہے، مگر پڑھا لکھا آدمی وساوس میں گھر کے رہ جاتا ہے۔ شیطان بھی زیادہ تر پڑھے لکھے لوگوں کو ہی پھسلاتا ہے۔[۲۷]

جاہل آ کر قبر پر ماتھا ٹیکتا ہے، عاجزی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی مشکل حل کر دیتا ہے۔ مگر عالم اپنے علم کے حجاب کی وجہ سے مشکلوں میں گھر جاتا ہے۔

اگر علم والے وساوس سے نجات حاصل کر کے آگے بڑھ جائیں تو ان کی فضیلت بھی بہت ہے۔ وہ پھر بہت اونچا مقام حاصل کرتے ہیں۔

----- شہر اور جنگل ----

لوگ شہروں میں جا کر رہتے ہیں اور ہمیں کہا گیا ہے کہ جا کر جنگل میں رہو۔[۲۸]

----- ہم اُلٹے، بات اُلٹی یار اُلٹا ----

فقیری کی راہ بہت مشکل ہے، اس میں اُلٹے لٹک جانا پڑتا ہے۔[۲۹] یہاں اگر کوئی آتا ہے تو ہم اسے کہتے ہیں، آؤ، ہم تو الٹے لٹک ہی رہے ہیں، تم بھی اُلٹے لٹک جاؤ ہم اُلٹے، بات اُلٹی، یار اُلٹا۔

یہاں تو جو کوئی آتا ہے، ہمارے پاس دنیا کی طلب کے لئے آتا ہے اور جب کام بن

جائے تو بھول جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حالت وہی ہے جو اجمیر میں لوگ بیان کرتے ہیں، ''چرسی بھائی کس کے۔ دم لگایا اور کھسکے''۔

----- دیوان غالب اور مثنوی گلزار نسیم -----

ہمیں اشعار سے کوئی رغبت نہ تھی مگر ایک بار کہیں پہ ہم نے دیوان غالب دیکھا۔ اس کے اشعار جو پڑھے تو بڑے دقیق معاملات و نکات اس کے اشعار میں نظر آئے۔ ہم نے پورا دیوان پڑھ ڈالا اور بہت سے اشعار ہمیں یاد ہو گئے۔ پھر ہمیں شوق ہوا کہ کہیں سے اور شعراء کے دواوین لے کر پڑھیں۔ کسی نے دیوان داغ لا دیا۔ مگر اس میں ہمیں کچھ نہیں ملا۔ پھر اور شاعری کی کتابیں پڑھیں پر مزا نہ آیا۔

کسی سے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ دیوان غالب کے بعد کوئی کتاب آپ کی نظر میں نہیں جچ سکے گی۔

مثنوی گلزار نسیم ہم نے بچپن میں پڑھی تھی۔ اس کے بعض اشعار ہمیں بہت پسند ہیں۔ جب پڑھائی سے اکتا جاتے تھے تو مثنوی گلزار نسیم پڑھا کرتے تھے''۔

حضرت حاجی شاہ عبداللہ

''بادشاہ غوث و قطب'' رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ اکثر اپنے پیر مرشد حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں باتیں کرتے رہتے تھے۔ اکثر وہ میرے ساتھ اپنی گفتگو میں یا کسی سوال کے جواب میں کوئی نہ کوئی اہم تفصیل بتا دیتے تھے۔ اگر آپ اس قسم کا تذکرہ نہ فرماتے رہتے تو حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کسی کو بھی قدرے تفصیلاً کچھ معلوم نہ ہوتا۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح کا یہ ایک مختصر سا خاکہ ہے۔ مزید تفصیل میں نے اِن دونوں ولیوں کے بارے میں اپنی کتاب ''تذکرہ غوث و قطب'' میں لکھی تھی۔ [۳۰]

حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۸۹۴ یا ۱۸۹۵ میں رام پور (واقع موجودہ بھارت) میں ایک ہندو خاندان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ جب آپ بارہ، تیرہ سال کے ہوئے تو آپ نے کہیں سے ایک غزل کے چند اشعار سنے جن کا آپ کے دل پہ اثر ہوا۔ پھر آپ کو اپنے ایک ہم جماعت کے پاس نماز کی کتاب ملی جو آپ نے پڑھی۔ ساتھ ہی آپ نے مسلمانوں کو مسجدوں میں نمازیں پڑھتے دیکھا تو ان کی عبادت کا یہ انداز آپ کو اچھا لگا۔

آپ کے پڑوس میں ایک بارسوخ مسلمان خاندان کا گھر تھا۔ بچپن میں آپ اکثر ان کے مکان پہ جایا کرتے تھے۔ وہاں ایک بزرگ خاتون رہتی تھیں۔ جن سے آپ بہت مانوس تھے۔ آپ نے ان سے درخواست کی کہ وہ آپ کو چھپ کر قران مجید پڑھا دیا کریں۔ پھر انہی دنوں آپ مشاعروں اور قوالیوں کی مجلسوں میں آنے جانے لگے اور آپ کا دل اسلام کی قبولیت کی طرف رفتہ رفتہ مائل ہوتا گیا۔ آخر مذکورہ خاندان کے تعاون اور ان کی سرپرستی میں آپ نے کورٹ میں جا کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا۔[۳۱] آپ کے گھر کے لوگ آپ کے مخالف ہو گئے لیکن آپ نے پروا نہیں کی۔ آپ کے سرپرستوں نے آپ کو اپنی حفاظت یا تحویل میں لے لیا اور آپ کا اسلامی نام شاہ عبداللہ قرار پایا۔

آپ کی مروجہ سکول کی تعلیم تو نامکمل رہ گئی مگر آپ کا طبعی میلان آپ کو صوفیاء کے حلقے میں کھینچ لایا۔ ایک بار آپ دہلی تشریف لے گئے تو وہاں نقشبندی سلسلہ کے مرشد بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ایک صوفی شیخ کو ایک دو مریدوں کیساتھ کھڑا پایا۔ آپ نے ان سے بیعت کی درخواست کی اور آپ ان کے ساتھ ہو لئے اور چند سال وہ آپ کے روحانی مربی رہے۔[۳۲]

جب آپ کو روحانی نصاب کی تکمیل کے بعد رخصت ہونے کی اجازت ملی تو آپ حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پاک کی زیارت کے لئے بغداد شریف روانہ ہوئے۔ کچھ مدت تک وہاں معتکف رہ کر عبادت میں مشغول رہے، مگر پھر حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کشف میں دیکھا کہ وہ آپ کو انڈیا لوٹ جانے کے لئے ارشاد فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی ایک مرد بزرگ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان سے طریقت میں مزید تعلیم پائیں۔

عراق اس زمانے میں جنگ عظیم اول کی لڑائیوں کی آماجگاہ تھا اور ترک برطانوی فوج کے ساتھ لڑ رہے تھے جس میں زیادہ تر ہندوستانی سپاہی اور افسر تھے۔ آپ ترکوں کی فوج میں جا

شامل ہوئے مگر ایک ہندوستانی افسر نے آپ کو گرفتار کر کے انڈیا بھیجنے کا انتظام کر دیا۔ جب آپ رام پور پہنچے تو پھر آپ کے سرپرست مسلمان خاندان نے آپ کو اپنی تحویل میں لے لیا۔

ایک دن حضرت شاہ عبداللہؒ نے ایک شخص کو کہیں دیکھا جو بالکل کشف میں دیکھے جانے والے بزرگ کی مانند تھا جس کی طرف حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا تھا۔ آپ نے ان سے بیعت اور طریقت تعلیم و تلقین کی درخواست کی۔ اِن بزرگ کا نام خواجہ محبّ حسن تھا۔ وہ چشتیہ صابریہ سلسلہ میں بڑے ضابطہ کے صوفی مرشد تھے۔ اُنہوں نے حضرت شاہ عبداللہؒ کو اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دی اور پھر بارہ ۱۲ سال تک آپ طریقہ عالیہ چشتیہ صابریہ میں ان کے زیر تربیت رہے۔ یہاں سے تکمیل تربیت کے بعد آپ اپنے اویسی طریق کے شیخ حضرت محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی آنے جانے لگے جو اب مستقلاً پروکہ (ضلع فیصل آباد) میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ دونوں مرشدوں نے آپ کو خلافت دے رکھی تھی کہ وہ لوگوں کو رشد و ہدایت سے سرفراز فرمائیں۔ اب آپ ان مستند صاحب اختیار صوفی معلموں کی صف میں کھڑے تھے جن کا سُنہری سلسلہ پیچھے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچتا ہے۔[۳۳]

آپ ہمیشہ سفر میں رہے اور ایک درگاہ سے دوسری درگاہ تک جاتے رہے اور آپ کے رؤیا و کشف کی یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے برصغیر ہندو پاک کی تقریباً تمام درگاہوں کی زیارت کی۔

چند سالوں تک آپ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی درگاہ پر قیام پذیر رہے۔ جب تک آپ وہاں رہے سب تقریبات عرس و دیگر مجالس آپ کے زیرِ انتظام منعقد ہوتیں تھیں۔ یہیں حضرت سید محمد وراثت حسین شاہؒ کی آپ سے پہلی ملاقات ہوئی جنہیں بعدازاں آپ نے خلافت عطا فرمائی۔

حضرت سید وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بولراوڑ (راجپوتانہ) میں تھے کہ آپ کے مرشد آپ سے ملنے آئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے آپ کو کچھ رقم پیش کی جو آپ کے

سفر حج کے لئے کافی تھی پس آپ مکہ اور مدینہ چلے گئے جہاں سے دو ۲ سال بعد واپسی ہوئی۔

حج سے واپسی کے بعد آپ نے زندہ صوفیا سے ملنے اور متوفی اولیاء اللہ کی زیارات کے لئے سفر جاری رکھے۔

ایسے ہی ایک سفر میں آپ ۱۹۴۲ء میں اپنے پہلے شیخ سے ملنے پروکہ (ضلع فیصل آباد) میں آئے۔ وہاں ایک قریب کے گاؤں کلیانوالہ میں ان کے ایک پارسا مرید کے ہاں ٹھہرے۔ وہیں چند دنوں کے لئے آپ کو اسہال کی شکایت رہی اور وصال فرمایا۔ آپ کو گاؤں کے عام قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔ آپ کے میزبان نے ہی آپ کے مریدوں اور عقیدتمندوں کو وصال کی خبر دی۔

پہلے پہل یہ عام سی مٹی اور سنگریزوں سے ڈھکی ہوئی قبر تھی جو دوسری قبروں سے متمیز نہ تھی۔ یہیں آپ کے ارادت مندوں نے مختلف قصبوں اور شہروں سے آ کر آپ کی آخری آرامگاہ کی زیارت کی اور آپ کے درجات کی بلندی کے لئے دعائیں کیں۔

آپ کی قبر مبارک پر روضہ کی تعمیر ہوئی جب حضرت شاہ صاحبؒ کلیانوالہ آ کر مستقل طور پر رہائش پذیر ہوئے۔ پہلے ان کے لئے قبر کے نزدیک ایک دو کمرے بنے جن میں انہوں نے اپنی وفات تک سکونت رکھی۔

حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں اور شاہ صاحب کے عقیدتمندوں نے مالی طور پر تعاون کیا اور پھر دیواروں اور فرش پر سنگ مرمر کی پٹیوں کے ساتھ روضہ کی تزئین ہوئی۔

جب حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنا وصال ہوا تو انہیں نزدیک ہی قبر میں دفن کیا گیا اور اس کے اوپر الگ روضہ تعمیر ہوا۔

اب دونوں مرشد (پیر اور خلیفہ) کلیانوالہ (ضلع فیصل آباد) کے گاؤں میں مدفون ہیں جہاں ان کے مرید اور دوسرے کئی زائرین ان کی برکات سے مستفیض ہونے کے لئے سال کی خاص تاریخوں میں (۴ سے ۶ صفر) جمع ہوتے ہیں اور عرس منایا جاتا ہے۔

عالمِ رویاء وکشوُف:

آپ کی روحانی تعلیم شروع سے رویاء وکشوف کے ذریعہ جاری رہی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ زندگی میں اپنے مرشدوں سے آپ کو رشد وہدایت کا فیض ملا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے آپ نے صرف تصوف کے ضابطے اور اصول اور اذکار واوراد سیکھے۔ صوفی مرشدوں کی روایت کی مطابقت میں خصوصی معرفت وبصیرت آپ نے اپنی ہی برتر ذات سے، اپنے قلب وروح کی گہرائیوں سے حاصل کی جس کا منبع بزرگان سلاسلؒ کی قوت قدسیہ تھی۔

آپ اپنے رویا وکشوف باقاعدگی سے اپنی یاداشت کی کتابوں میں لکھا کرتے تھے۔[۳۴] آپ نے ایسی ایک کتاب میں اپنے کشف کے حوالے سے لکھا ہے کہ اِن کتابوں میں طالبان حق کے لئے الہامی تعلیم موجود ہے۔[۳۵]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند باتیں رویاء وکشوف کے بارے میں لکھ دی جائیں تاکہ تصوف وسلوک کے بیان میں ان کی اہمیت کو سمجھا جا سکے۔

یاد رہے کہ خوابوں کو حدیث میں نبوت کا چالیسواں[۴] حصہ کہا گیا ہے، خواب میں انسان کے اندر وہ روحانی شعور زندہ ہوکر مصروف عمل ہو جاتا ہے جس کا تعلق براہ راست الٰہیاتی شعور کے ساتھ ہے۔ نیند گویا وہ مراقبہ ہے جس میں روحانی شعور کے ذریعہ مشاہدہ ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے لئے نیند غفلت ہے، اس لئے ایک طرح کی موت ہے۔ مگر ولیوں اور نبیوں کے لئے نیند ایک تجربہ ومشاہدہ ہے۔ اس لئے ایک بلند سطح پر یہ حیات کا ایک عمل خاص ہے۔ حضرت شاہ عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خواب میں اس طرح کا مکالمہ ملتا ہے۔ ایک پوچھتا ہے:

''سونے کی بابت تم کیا کہتے ہو؟''

آپ فرماتے ہیں: ''سونا بڑی چیز ہے۔ تم اس کو کیا جانتے ہو؟ اس میں بڑے بڑے

فوائد ہیں۔ اسی میں تو سب کچھ ہے!''

''کیسے؟ سوائے غفلت کے اور کیا''؟

''غفلت کا سونا تو اہل ظاہر کا ہوتا ہے اور نبیوں اور اللہ والوں کا سونا عین بیداری ہے اور اس میں بڑی رسائی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ خدا تک رسائی اسی میں ہوتی ہے''۔ ۳۶

جس طرح موت کے بعد عام انسان اپنے آپ کو ایک نئی دنیا میں نئی زندگی کو بیداری اور پچھلی زندگی کو نیند سے تعبیر کرے گا۔ اسی طرح اہل اللہ اس دنیا میں بیداری کو خواب اور خواب کو بیداری خیال کرتے ہیں۔ ۳۷

خوابوں کی دنیا باطن کی دنیا ہے اور باطن ایک کُل ہے جو ماضی حال اور مستقبل پر محیط ہے۔ اس میں روحانی شعور کارفرما ہوتا ہے جو بیک وقت معلم بھی ہے اور مربی بھی، عارف بھی ہے اور سیاح بھی۔ تقدیر اور خیر شر کی حقیقت بھی اس پر واضح ہوتی ہے اور خالق کی معرفت بھی اسے حاصل ہوتی ہے۔ اہل اللہ اس شعور کے ساتھ اپنے تئیں رویاء کے عالم میں زندہ و بیدار پاتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے دعویٰ سے پہلے کسی واقعہ کے ظہور کے بارے میں خواب میں جو کچھ دیکھتے تھے، وہ اسی طرح ظہور پذیر ہو جاتا تھا۔ گویا روحانی شعور اس مقام سے مصروف عمل ہوتا ہے، جہاں سے ظاہر و باطن میں وہ متصرف ہوتا ہے۔

اہل اللہ کے خواب گو تمثیلی انداز میں ہوتے ہیں مگر ظہور میں ان کی اپنی تعبیر و ترتیب ہوتی ہے۔ حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے رویاء کا عالم بھی ایک ایسا ہی عالم ہے جہاں کُن فیکُون کے راز کی شرح رو پذیر ہو رہی ہے۔

خوابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ آپ کے روحانی شعور کا براہ راست اپنے رب سے رابطہ قائم ہے جہاں سے آپ کو ہدایات بھی مل رہی ہیں، اسرار اور رموز بھی منکشف ہو رہے ہیں، قبولیت کا مژدہ بھی سنایا جا رہا ہے اور عمل کی تاثیر کا علم بھی دیا جا رہا ہے۔

اِن خوابوں کی اہمیت اس لحاظ سے شروع میں ہی آپ پر واضح تھی کہ ان کی ایک تعلیمی حیثیت ہے اور جو تعلیم آپ کو دی جارہی ہے، وہ سب کے لئے عام ہے۔

آپ کو اِن خوابوں میں بتایا جاتا تھا کہ روحانی دنیا میں آپ کا کیا مرتبہ ہے۔ شروع سلوک کے رویا میں ہی آپ کو بشارت دی گئی تھی کہ آپ ''بادشاہ غوث و قطب'' ہوں گے۔[٣٨]

اِن رویا کے مطالعہ سے ایک شخصیت اُبھرتی ہے یہ روحانی شخصیت اپنے ظاہری ماحول سے بلند اور ارفع ہو کر عالم قدس میں سِرّی زندگی میں عمل پیرا ہے اور اس سری زندگی کا عکس تاریخ کے تغیر و تبدل میں ڈھل رہا ہے۔ حق یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخصیت باطن کے اسرار کو پاکر خود بھی ایک سِرِ بلکہ صاحب سِرِ بن گئی ہے۔

اجنہ اور ملائکہ سے اس کی ملاقات ہے۔ ملائکہ اسکے دوست اور مربی ہیں، اجنہ سے مقابلے ہوئے ہیں، انہیں یہ مسخر کر چکی ہے، عاملوں کی مجال نہیں کہ اس سے مقابلے کا خیال بھی دل میں لائیں۔

یہ ایک ولی کامل و مکمل و اکمل کی روح ہے جس کی نسبت ذات سے ہے۔ ایک ایسے عارف کی روح جو اپنے سارے معاملات حق کو تفویض کر کے آزادگی کو پا چکا ہے۔ اس پر تقدیر کے راز کھل چکے ہیں اور مزید کھل رہے ہیں۔ اسے معلوم ہے کہ مشیت الٰہی اہل اللہ کے ارادوں سے ہم آہنگ ہے اور ان کی رضا اس سے وابستہ ہے۔

عالم رویاء میں ایک ولی کامل کے ایسے تجربات اور واردات و مشاہدات کا بیان ملتا ہے کہ دن میں عام بیداری کی زندگی اور اس کے معاملات پھیکے اور کم مایہ نظر آتے ہیں۔ عالم غیب کے واقعات میں وسعت و گیرائی ہے، عُمق اور گہرائی ہے، تنوع اور رنگارنگی ہے۔ اور ایسے لگتا ہے جیسے روح اپنی تمام صلاحیتوں اور قوتوں سے آگاہ ہونے کے بعد ماورا کی سیر و مہم پہ رواں ہے۔

اب یہ سوچنے کی بات ہے کہ رویاء و کشوف اور باطنی واردات کی اس فراوانی کے

باوجود اہل کشف ظاہری دنیا میں بھی مضبوطی سے قدم جمائے رکھتے ہیں۔اور جماعت کے ساتھ رابطہ استوار رکھتے ہیں۔ذالک فضل الله یو تیه من یشاءُ۔

حکمت الٰہیہ کے چند نکات یہاں نقل کیے جا رہے ہیں جو دراصل حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے رویاء کے اقتباسات ہیں۔اس کے بعد چند رویاء ہو بہو مکمل طور پر بھی لکھ دیئے گئے ہیں جو روحانی معاملات وواقعات سے متعلق ہیں:

(۱)

''سُنو!

یہ راز ایزدی ہیں،

رموز الٰہی ہیں!

اِن سے واقف نہ ہوگا جز عرفان والا۔

یہ تعلقاتِ قلبی ہیں،

بھید سلطانی ہیں،

جانے ان کو وہ جو ہوگا مصطفیٰ والا!''

----- نصیحت -----

حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

''ایسے ہو جاؤ، کبھی خیالات تبدیل نہ ہوں، کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔''

----- جو کچھ ہو آپ ہی ہو -----

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر گیا، رویا، گڑگڑایا کہ حضورؐ جو کچھ ہو آپ ہی ہو، باپ کہوں ماں کہوں۔

آقا کہوں ، مالک کہوں ، پیر کہوں ، استاد کہوں

مرشد کہوں ، عاشق کہوں ، معشوق کہوں"

----- بلاواسطہ احکام -----

"سرداروں کے پاس احکام بلاواسطہ آیا کرتے ہیں"۔

----- یکسوئی -----

"سب بھول بھلیاں ہیں، سب کو چھوڑ کر ایک طرف کو چلنا چاہیئے"۔

----- خاکساری وانکساری -----

"آج شب کو دیکھا کہ عاجز ہاتھی پر سوار جارہا ہے ایک کبوتر اور ایک بلی بھی ہے۔ کہہ رہا ہوں: کعبہ تو اب دیکھ لیا، چلو کعبہ کا کعبہ دیکھیں۔ ایک بزرگ مست سے ملاقات ہوتی ہے۔ کپڑے پھٹے ہوئے، دھول میں اٹے ہوئے، میل چڑھا ہوا، خراب خستہ حال، غلام اُتر کر ان کے پاس جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: غوث و قطب ہو، نیچا ہو کر رہنا چاہیئے: خاکساری وانکساری کے سوا کام نہ یہاں دوجا کوئی

گر سر اٹھائے، ہزار جوتے کھائے،

اِس پر بھی نہ مانے تو وہ حال اوسکا ہووے

گھی سے مکھی سی پھکے، نہ مددگار اس کا کوئی۔"

----- سب فیض سب ظہور -----

"فیض سب کو اسی ذات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچ رہا ہے تمام معاملے اُدھر سے طے ہوتے ہیں لیکن اگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں، عقائد میں ذرا سی بھی کمی کریگا، فخر کرے گا، فوراً گرادیا جائے گا۔

سارا ظہور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات کا ہے۔"

----- دعا ----

''خدایا، ذوق و شوق، عشق ومحبت عطافرما!''

----- ولایت کا خلعت ----

''ایک ہاتھی بہ شکل انسان ہوکر کہتا ہے:
'تم کو استقلال اور خدا کو پہچان لینے کی وجہ سے ولایت کا خلعت دیا جاتا ہے'۔''

----- فرمان ----

''حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو میرا عاشق ہے''۔

پھر فرمایا: ''ہمارے عشاق کو سختی، مصیبت، تکالیف سے گذرنا پڑتا ہے۔ اول تو ایسا نہیں، لیکن اگر ہو تو صبر و استقلال وشکر کے ساتھ برداشت کرنا''۔

----- خدا کے نام ----

''خدا کے نام ہر مذہب میں جداگانہ ہیں۔ اعتراض نہ کرنا چاہیئے۔ دیکھو، اللہ میں تین حروف ہیں، اسی طرح رام میں تین حروف ہیں، دیکھو آدھا اندر کو سانس سے ادا ہونا چاہیئے اور آدھا باہر کو، اسی طرح سے رام میں بھی ہے''۔

----- شیر کی طاقت ہرن میں ----

''شیر کی طاقت ہرن میں منتقل ہوجاتی ہے تو ہرن نہیں ڈرا کرتا ہے''۔

----- بہر صورت ٹھہرے رہو! ----

(مرشد کی سختی و درشت روّیہ پر کسی نے سمجھایا):
''مرشد کے پاس بہر صورت تعظیم کی خاطر ٹھہرے رہنا چاہیئے''۔

----- تقدیر و تدبیر ----

''دیکھو یہ تحریر لوحِ محفوظی ہے، ہر ایک کی تقدیر جدا جدا لکھی گئی ہے۔ ہر ایک کی پیشانی

اس کی موافق عکس آ تا ہے۔ اور تقدیر کی ہی تدبیریں مہیا ہوا کرتی ہیں''۔

----- پختگی اور مشق ----

''اسی طرح سے جو بھی کچھ ہے۔ حکمت سے خالی نہیں ۔ سمجھو، منسوبات اور ارادات

ہیں ۔ضرورت پختگی اور مشق کی ہے۔

اپنے کو حاوی اور مشّاق کرنا چاہیئے''۔

----- مخالف شرع ----

''حضرت عائشہ ؓ سے عورتیں کچھ مسائل پوچھ رہی ہوتی ہیں: ایک فقیر کی بابت آپ

سے معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ اِس اِس طرح سے شہرت یافتہ ہے۔ آپ فرماتی ہیں:

''جو شرع کا مخالف ہو، وہ کبھی منزل کو نہیں پہنچ سکتا ہے''۔

----- فقر ----

''انتہاء اعمال ابتداء فقر ہے!''

----- عذاب و رحمت ----

''جب گنہگار بڑھ گئے: قہر نے جوش مارا، اُسی میں کچھ نیک بھی سمٹ گئے ۔اور نیکوں

کی کثرت ہوئی ۔رحمت نے جوش مارا تو بد بھی ریلے میں چلے گئے ۔دیکھو، بارش گندگی پر بھی پڑتی

ہے، گھونروں پر بھی پڑتی ہے، سبزہ زاروں کے واسطے تو ہے ہی۔ معاملے عام ہیں''۔

----- الگ تھلگ ----

''ایک بزرگہ سے کہتا ہوں: 'بالکل الگ تھلگ صفائی کے ساتھ رہو'

وہ کہتی ہیں: 'بھلا یہاں مصروف ہو کر کس طرح ایسے ہو سکتا ہے'؟

پھر میں ایک تالاب کے کنارے پہنچ کر ایک ڈھیلا ہاتھ میں لے کر پانی میں ڈبوتا

ہوں ۔ پھر نکال کر، ہلا کر، قطرے صاف کرتا ہوں ۔ ہوا کے ذریعے خشک ہو جاتا ہے، کہتا ہوں:

'بس اس طرح رہنا چاہیئے'۔

وہ کہتی ہیں: 'اچھا اور کچھ بتاؤ'۔

میں کہتا ہوں: 'کسی کا دل نہ دکھنے پائے'۔

وہ کہتی ہیں: 'یہ کیونکر؟ دوسرے اگر ماریں، برا بھلا کہیں تو کیا کرنا چاہیئے'۔

کہتا ہوں: 'بس یہی تو بات ہے'!"

----- بے شمار خزانے ----

"باری تعالیٰ کے ہاں جو سامان ہے، وہ بے انتہا ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں ہے، بے شمار خزانے ہیں ہر ایک شے کے۔ کمی کے ساتھ نہیں ہیں"۔

----- جداگانہ ----

"(سلوک میں) سب کو جداگانہ طریقہ سے رکھا جاتا ہے"۔

-----کیفیت ----

"اس کو کیفیت کہتے ہیں، یہ انسان کے قبضے کی بات نہیں ہے۔ اس میں انسان بے خود ہوتا ہے۔ اور یہی کیفیت اگر زائد ترقی پکڑ جاوے تو اسی میں جان بھی دے دیتا ہے۔

یہ معاملاتِ فقر ہیں ساتھ عشق کے!"

----- حقیقت تعبیر ----

"چونکہ خدا کے بھید سب سے جدا ہیں، جیسا وہ ہے، ایسے ہی اس کے بھید ہیں۔ نہ اسکی کوئی انتہا ہے نہ اسکے بھیدوں کی کوئی انتہا ہے۔ جب سے یہ دنیا آباد ہوئی ہے اس کے بھیدوں کا آج تک پتہ نہ چلا اور ہر ایک پر ایک نیا ہی معاملہ گذرتا رہا اور نیا ہی دکھاتا ہے۔ دیکھو، آپ دس ۱۰ شخصوں کو جمع کیجئے اور ہر ایک اپنا اپنا خواب بیان کرے۔ دسوں ۱۰ کے خواب دس ۱۰ طرح کے ہوں گے۔ کسی کا ایک دوسرے سے ملتا نہ ہوگا گو ایک ہی معاملہ کی تشریح دکھائی جاوے لیکن جدا ہی رنگ ہوگا۔ اس کی اونچ نیچ معاملہ کو دیکھ کر ہی سمجھی جاتی ہے"۔

----- غرور وتکبر کیا معنی؟ -----

''انسان کو اپنی حالت دیکھ کر رہنا چاہیئے، آدمی ہے کیا چیز؟ خاک کا بنا ہوا ہے، خاک کا ہے اور خاک ہی ہو جاتا ہے۔ خاک میں مل جاتا ہے۔ پھر اس خاک پر غرور وتکبر کیا معنی؟ اپنی اصلیت دیکھ کر رہنا چاہیئے۔''

----- عشق -----

''میں عشق کو بہت اچھا جانتا ہوں (بے عشق نتواں خدا را شناخت) اور خدا تک جانے کا ذریعہ عشق ہی ہے اور یہ عشق اہل اللہ کے واسطہ ہی رکھا گیا ہے اور وہی عشق کو سمجھ سکتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ انہوں نے اس کو برتا ہے اور برتنا جانتے ہیں اور برتتے ہیں۔ اور اس عشق سے ان کو بڑے بڑے نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ اور قریب قریب تمام اہل اللہ ان امور سے گذرے ہیں۔ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، بابا صاحب رحمۃ اللہ علیہ، بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ۔ قریب قریب ہر سلسلہ سلوک میں یہ معاملہ بھی چلا گیا ہے۔ لیکن عشق کی حقیقت کو عشق کے نتائج کو وہی جانتے ہیں اور انہی کے واسطے ہے! باقی آج کل جو اہل دنیا وغیرہ کا عشق ہے، وہ عشق فسق ہے، وہ عشق فسق فجور میں ڈال کر عاشق ومعشوق دونوں کو جہنم رسید کرتا ہے، چونکہ وہ حقیقت عشق سے بے بہرہ ہیں۔ اور عاشق اللہ اس سے فیض اٹھاتے ہیں''۔

----- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، ''محی الدین'' -----

''ایک ملا مسائل بیان کرنے کے بعد بڑے پیر صاحب پر اعتراض کرتا ہے کہ ان کو محی الدین کیوں کہا جاتا ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا ہے بھلا کیوں کر ایسا ہوسکتا ہے؟ اسی قسم کی گفتگو کرتا ہے، اس پر بندے کو بہت جلال پیدا ہوتا ہے اور غصہ بھڑک اٹھتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ''جا، چلا جا، تو ملا آدمی ہے، (صرف) شریعت کو جانتا ہے، تو ان باتوں کو کیا جانے، اپنی شرع پر عمل کرتا رہ۔ تجھے دوسروں کی بابت کچھ کہنے سننے سے کیا واسطہ؟ یہ معاملات حقیقت کے ہیں، حقیقت والے ہی

جان سکتے ہیں۔ اہل شرع کو کیا یارا ہے جو ان کو سمجھیں یا دخل دیویں عقائد کے متعلق۔ یہ معاملات ہیں۔ اس مقام میں شرع وغیرہ سب بالائے طاق رکھی جاتی ہے۔ ذرا دیر میں کچھ سے کچھ کر دیا جاتا ہے۔ جس شخص کو جتنا علم ہو، اُتنا ہی کلام کرے۔ آپے سے زیادہ کلام نہ کرے۔ کسی پر اعتراض نہ کرے۔ آپ کو مُحی الدین (کہنا) کیا معنی، آپ کا رتبہ اس سے کہیں زائد ہے۔ دین کے جلانے والے تو اہل اللہ ہیں اور آپؒ تو اس سے کہیں آگے ہیں۔ آپ کی صفت، کیا کسی کو تاب و طاقت ہے، جو ادا کرے۔ جس کی صفت بادشاہ وقت اپنی زبان سے بیان کرے، پھر کیا مجال کہ اُس کی بابت ایک ادنیٰ سا اُس کی سلطنت کا آدمی اس کو کہہ سکے، یا اس کی کچھ تعریف کر سکے۔

''سُنو! جس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے ایک مقام پر چڑھنے کے واسطے کوئی ذریعہ نہ ملا، وہ مقام کچھ اونچا تھا۔ چڑھ نہیں سکتے تھے۔ اور کوئی ذریعہ بھی نہیں تھا کہ یکا یک ایک صورت نمودار ہوئی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کاندھوں پر لے لیا آپ اس مقام پر چڑھ گئے، اور عرض کی: 'باری تعالیٰ! یہ کون صورت ہے؟' حکم ہوا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل رضی اللہ عنہم میں سے ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! کہ جس طرح سے تو نے مجھ کو بلند کیا، اسی طرح سے تو سب پر بلند کیا جائے گا اور بلند ہوگا۔ اب جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور جب اس حکم کا وقت آیا تو باری تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا کہ 'اے دوست! تیرے ذریعے سے میرے دوست کو امداد پہنچی۔ لہٰذا آج میں اس امر کی پابندی کرتا ہوں اور تیرا قدم امت محمدیہ ﷺ کی پشت پر کرتا ہوں اور (میں نے یہ) کیا!۔ اس امر کے ارشاد ہوتے ہوئے جتنے اہل اللہ آپ سے پیشتر گذر گئے تھے۔ سب کے سب باروحانیت آ کر موجود ہو گئے۔ اور آپ کے قدم مبارک کو اپنی اپنی پشتوں پر لیا۔ اور جتنے اس زمانے میں مستعد تھے، آ کر موجود ہوئے اور اپنی اپنی پشتوں پر قدم اٹھائے اور اسی طرح قیامت تک ہوتا چلا جائے گا۔ ۳۹

''پھر خیال آتا ہے کہ یہ جاہل لوگ ہیں۔ کیا جانیں، ان سے تو گفتگو ہی نہ کرنا چاہیئے۔ پھر خیال ہوتا ہے کہ نہیں، حکم یونہی ہے کہ کہتے رہو، کہنے سے ہی کام ہے''!

----- ولایت -----

''.......نبوت ازلی ہے تو ولایت فضلی ہے۔ کسبی نہیں ہے۔ اگر آپ کسبی خیال کر کے عمر بھر ٹکریں مارئے تو ولایت کی بُو بھی آپ کو نہیں پہنچ سکتی ہے۔ ہاں البتہ اس کا صلہ آپ کو ملے گا۔ ولایت سے کیا تعلق''؟

----- مقبولیت و معرفت -----

''.......اور دیکھو، تم یہ خیال کرتے ہو کہ عبادت و ریاضت سے کچھ ہو سکتا ہے۔ عبادت و ریاضت مقبولیت کو نہیں پہنچا سکتی ہے۔ عبادت و ریاضت کرنے سے متقی و پرہیزگار بن جائے گا۔ جنت کا مستحق ہو جائے گا۔ دیکھو، پھل مٹھائیاں آپ کے پاس بہت سی موجود ہیں۔ ان سے آپ کی خواہش پُر ہے، ایک شخص کچھ مٹھائی یا پھل لے کر آپ کے پاس آئے تو دیکھ کر آپ کہہ دیں گے کہ ڈھیروں میں ڈال دو۔ اور ایک بندہ وہ شے لے کر کے آئے جو آپ کے پاس نہ ہو، نہ آپ نے دیکھی ہو تو اس کے دیکھنے کا اور اس کے لے لینے کا آپ کو بڑا اشتیاق ہوگا اور بڑے شوق سے آپ اس کو پاس رکھیں گے اور لانے والے سے بھی آپ کو الفت و محبت پیدا ہو جائے گی۔ اب وہ کون سی شے ہے جس کا یہ درجہ ہے؟ وہ عاجزی و انکساری ہے اور خاکساری کہ اُس کے حکم کی پابندی کرے، منہیات سے پرہیز کرے اور عاجزی و انکساری لے کر اس کے سامنے جائے تو ضرور یہ مقبولیت کو پہنچ جائے گا۔ اب رہی خاکساری و انکساری، یہ کیسی؟ بندہ اپنے اختیارات سے بالکل باہر ہو جائے اور پھر جو کچھ اُس کے اوپر گذرے، اچھا یا برا، درمیان میں دخل نہ دیوے اور سب کو خدا کی طرف سے جانے۔ مثل زمین کے ہونا چاہئے۔ کیا تم زمین کو مثل اپنے جسم پر قادر نہیں جانتے ہو؟ ضرور جس طرح سے تم اپنے جسم پر قادر ہو، اسی طرح سے یہ زمین بھی اپنے جسم پر قادر ہے۔ پھر دیکھو، اس کے

ساتھ مخلوق کیا کیا کرتی ہے، سب کو اٹھائے ہوئے ہے۔ اپنی کسی قدرت کو دخل نہیں دیتی۔ اسی طرح جب بندہ خدا کے ساتھ ہو جائیگا تو وہ مقبول ہو کر اُس کی معرفت کو پاسکے گا، اور خدا آگاہ کر دیگا''۔

------شان عاشقانہ ----

''مرہم لگاتے ہیں یا کپڑا کھینچتے ہیں تو زخم زیادہ ہو جاتے ہیں۔ پھایہ کو منع کرتا ہوں اور کہتا ہوں: ''رہنے دے، جتنا ہم علاج کرتے ہیں، اتنے ہی سوا ہو جاتے ہیں۔ ایک کو بند کرتے ہیں تو دو۲ کھل جاتے ہیں۔ تمام کھال گلی جاتی ہے۔ بس اب رہنے دو، یونہی ہوا لگ کر درست ہو جائیں گے اور اب ہم سمجھے کہ یہ شان عاشقانہ ہے۔ کچھ بھید ہی جداگانہ ہے۔ یونہی ہوا کرتا ہے۔ بس اب تم رہنے دو، فکر نہ کرو۔ وہ اپنے آپ درست کر دے گا''۔

----- رزق کا معاملہ ----

''یہ دنیا ہے۔ اس کی ایسی ہی حالت ہے۔ اس کے ایسے ہی رنگ ڈھنگ ہیں۔ اپنے معاملات کا، اچھے برے کا، انسان کو خود نگران رہنا چاہیئے۔ باقی رزق اس کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا وسیلہ وہ تو خود اپنے آپ کر دیتا ہے''۔

----- معرفت میں حکمت ----

''اس کے کام حکمت کے ہیں۔ رفتہ رفتہ قوت دے کر اپنے معاملات سے آگاہی دیتا ہے۔ اور تھوڑی تھوڑی ترقی کراتا ہے، اگر ایک دم اپنا معاملہ ظاہر کر دے تو کیسا ہی کیوں نہ کوئی ہو، ہیبت سے مر جائے گا۔ اس کے کام حکمت کے ہیں''۔

----- تقدیر اور اہل اللہ ----

''اور تم کیا کہتے ہو کہ جو ہونا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے مقدر ٹل نہیں سکتا ہے۔ مقدر چیز ہی کیا ہے۔ ہونا کس شے کا نام ہے۔ یہ سب کچھ اہل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ان کی توجہ پہ سارے دارومدار ہیں۔ اُلٹے کو سیدھا اور سیدھے کو اُلٹا کر سکتے ہیں، اور کیا ہے اور کرتے رہتے ہیں''۔

----- تنہائی -----

''تنہائی میں کیا شہر چھوڑنے کی ضرورت ہے؟ کوئی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اب تم سمجھو، دیکھو، یہ چار پائی پڑی ہوئی ہے۔ اور اس پر ہم تم بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب اگر ہم کو تنہائی اختیار کرنا ہے تو ان لوگوں میں سے اٹھ کر وہ فاصلے پر علحدہ جو جگہ ہے، جا کر بیٹھ گئے، اور کوئی تعلق تم لوگوں سے نہ رکھا، نہ اچھا نہ برا۔ بس تنہائی حاصل ہوگئی۔ اب یہ کیا ضرورت ہے کہ اس بات کے لئے شہر چھوڑ دیا جائے''۔

----- شرع و عشق -----

''دیکھو، مخلوق خدا ہے۔ ہر رنگ کی ہے۔ کسی کے کچھ خیالات ہیں، کسی کے کچھ خیالات ہیں۔ یہ معاملات عشق کے ہیں اور سنو (بے عشق نتواں خدارا شناخت) خدا اگر ملتا ہے اور خدا کی معرفت بندہ اگر پا سکتا ہے تو عشق ہی سے پا سکتا ہے۔ عشق اور شرع میں بہت تفاوت ہے اور ہے (سب) شرع ہی میں''۔ [۴۰]

-----صحیح راستہ -----

''............آپ کا قول کہ 'اللہ اللہ کرد، اللہ می شوی' خاکسار کی نظروں میں اس کے بر خلاف ہے اور بر خلاف ہی طے منازل ہے۔ چونکہ اس کے موافق بے حد کوشش کی، منزل مقصود ہاتھ نہ آئی۔ جب یوں طے کی یعنی 'اللہ اللہ کرد، اللہ می شوی، محمد ﷺ محمد ﷺ کرد، اللہ می شوی'، [۴۱] منازل ہاتھ آ گئیں اور جستجو بند ہوگئی۔

اب بس صرف اتنی کوشش باقی ہے۔ دعا کہ 'جو کچھ کوزہ کو دیا گیا ہے، ساتھ حفاظت و ہوشیاری کے رکھا رہے۔ ساتھ ضبط کے رہے۔ کوزہ سے باہر نہ چھلکے'۔ چونکہ یہ معاملات سخت ہوتے ہیں اور ان مقدمات کی گرفت بھی سخت ہوتی ہے۔ سمجھو، جتنے بادشاہ کے مقرب ہیں اور جتنے جتنی زیادہ قربت رکھتے ہیں، ہر وقت لرزتے رہتے ہیں قُربِ سلطاں آتش سوزاں بوَد''۔

----- اتفاقات یا اسباب -----

''اب ان معاملات کو اہل ظاہر اتفاقات کہتے ہیں اور حقیقت میں یہ اسباب ہیں جن میں کہ حق تعالٰی نے اپنے آپ کو پوشیدہ کر رکھا ہے۔''

----- پوشیدہ -----

''اس طرح کام کرنا چاہیئے کہ دوسرے کو علم نہ ہووے۔''

----- مکان اور رہن سہن -----

''کسی کے پوچھنے پر کہ آپ کا مکان کہاں ہے اور رہنا کہاں ہے، جواب دیتا ہوں کہ: ''فقیر کا مکان اور فقیر کا رہنا دم کے ساتھ ہے۔''

----- مکمل تعلیم -----

(ہر نبی کے کلام میں کسی نہ کسی بات کی گنجائش رہ گئی تھی) ''دیکھو! کلام عیسوی میں محبت تو ہے تسخیر نہیں ہے۔ اور کلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں کہ دیا گیا ہے۔ مُحبّۃً کَامِلَۃً و تَسخِیراً۔ اب آگے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔''

----- دنیا کی تسخیر -----

''دنیا بھی تسخیر کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔''

-----رابطہ -----

''ایک لوہے کی بڑی چوڑی سلاخ ہوتی ہے۔ اُس کو دیکھتا ہوں۔ تو تار تار اُس میں ٹھوک کر اندر کی ہوتی ہے۔ باہر لا کر دوسروں کو دکھاتا ہوں کہ دیکھو، بجلی یوں جاتی ہے، تار جو یہ لگے ہوئے ہیں، ایک کا سرا دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ اگر ایک بال برابر علیحدہ ہو جائے گا تو پھر روشنی بجلی نہیں جا سکتی ہے البتہ اگر آدھا تار مل جائے اور آدھا علیحدہ رہے تو بھی بجلی اپنے زور میں چلی جائے گی۔ کوئی کہتا ہے کہ پھر بھلا کہاں تک روشنی ہو سکتی ہے؟

''میں کہتا ہوں، لاکھوں کوس تک برابر جا سکتی ہے۔ لندن تک یہاں سے جا سکتی ہے لیکن انجن کی قوت پر ہے۔''۴۲

----- وعدہ کی پاسداری -----

''فقیر وہ جو وعدہ کو وفا کرے۔ جس میں وفا نہیں، وہ فقیر کیسا؟''

----- جستجو -----

''سنو! یہ مقامات سخت ہیں۔ایسے ہی معاملات ہیں!

''دیکھو، جب کوئی شخص ارادہ کرے نواب صاحب سے ملنے کا اور محبت پیدا کرنے کا تو وہ کیا کرے گا۔سپاہیوں سے ملے گا، کوتوالوں سے ملے گا اور ہر وزیر مشیر سے ملے گا۔خدمت گذاروں سے ملے گا۔کیوں ملے گا؟ یوں کہ اُس کو طور طریقے، قواعد، ہر ایک سے ملنے کے، آداب شاہی کلام کرنے کے اُٹھنے بیٹھنے ملنے کے معلوم ہوں۔تب یہ پہنچنے ملنے کے قابل ہوگا۔اسی طرح سے طالب مولٰی کو معاملات درپیش ہوتے ہیں۔لہٰذا ملاؤں، مولویوں، عاملوں، درویشوں، فقیروں، پیروں کے پاس جانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ اُس کو یہ باتیں معلوم ہوں۔ ہر ایک کا ادب، ہر بزرگ کی شناخت، لباسوں سے، صورتوں سے، حالتوں سے اور پھر ان کے ساتھ ملنے کے قواعد عقائد حاصل ہوں۔ ملائکہ کی شناخت ملنے کے قواعد، ان کے ساتھ عقائد۔جب تمام باتیں حاصل کرے گا تو یہ دربار میں پہنچے گا۔

''لہٰذا حاصل کرنے میں بڑی سختیاں پڑتی ہیں۔کام کے ملتے نہیں اور جو مل گیا، تو کہتا ہے: ''واہ، یہ طالب خدا ہیں۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔'' لیکن یہ نہ مانا اور پڑ ہی گیا۔تو ہزار ہا سختیاں وہ اسکے ساتھ کرتا ہے، اگر یہ سب کو اُٹھا گیا اور جنبش نہ کی تو جب اُس نے سمجھ لیا کہ ہاں یہ قابل ہے تو کچھ آ گا ہی دیتا ہے!''

-----راہِ ملامت -----

''سلوک میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگوں کو بدظن کرنے کی غرض سے اپنی بے عزتی کرنے کی وجہ سے ایسے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور یہ راہ سلوک میں ضرور پیش آتا ہے۔ خود مہیا ہو جاتے ہیں یا کرنے پڑتے ہیں۔وہ گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔[۴۳] اور اگر ایسا نہ ہو تو نفس پر قادر نہیں ہو سکتے ہیں۔''

-----خدمت میں مصلحت -----

''دیکھو، پیروں کی خدمت میں یوں رہنے کا حکم ہے، کہ نہیں معلوم کس وقت میں اس کو

مقام دکھایا جائے اور کھلے اسرار تو اس وقت میں جو پاس ہوگا، اس پر توجہ ڈال کر تعلیم کر دی جائے گی اور اس کو معاملہ سے آگاہی دی جاتی ہے۔ کیونکہ تم سمجھ لو کہ ہر وقت تو ایسا معاملہ ہوتا ہی نہیں ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا تو کیونکر معاملات باطنہ پر آگاہی ہوتی۔ اسی واسطے پیر کی خدمت میں رہنا لازم ہے، ورنہ اس کو (پیر کو) خدمت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خود اپنے آپ کو میٹ کر خاک کرتا ہے تو پھر اس کو خدمت کرانے سے کیا واسطہ ہے؟''۴۴

----- مزید کوشش -----

''دیکھو، فقر میں حصے ہیں۔ یہ بھی جگہ جگہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ بزرگانِ دین کی کتابیں اُٹھا کر دیکھو کہ اکثر بہت بہت جگہ پھرتے رہے۔ بہت بہت بزرگوں سے ملے ہیں، بیعت کی ہے۔ فیض حاصل کئے ہیں، کمال کو پہنچے ہیں۔

(سوال) 'پھر کیا ایک جگہ کمال حاصل نہیں ہو سکتا ہے؟'

میں کہتا ہوں، 'دیکھو، جس طرح سے علم ظاہری میں انسان کو جگہ جگہ ٹکریں مارنا پڑتی ہیں۔ جیسے کچھ تم سے آتا ہے، تم سے سیکھا، اور دوسرے سے اور حاصل کیا، تیسرے سے اور حاصل کیا۔ اسی طرح انسان جتنی کوشش کرے گا، جستجو کرے گا۔ حاصل ہوتا جائے گا، ترقی پکڑتا جائے گا، اسی طرح سے فقر کی تعلیمات ہیں، کسی کو کتنی ہیں، کسی کو کتنی، کسی کو کچھ ہے کسی کو کچھ ہے۔ تو یہ جس قدر جستجو کرے گا، تعلیمات حاصل ہوتی جائیں گی ۴۵ اور رہا کمال و بطون۔ تو یہ عنایت باری تعالیٰ ہے، جس کو وہ عطا کر دے۔ اُسی کو ملتا ہے!''

----- کامل -----

''کامل وہ ہے کہ (ہماری مثال) دیکھو، ہماری گنئے ہر قسم کا ذخیرہ (عملیات کا) موجود ہے۔ جس کے پاس ہر قسم کی کُل تعلیم ہو، سب جانتا ہو لیکن ان کو عمل میں نہ لاتا ہو (وہ کامل ہے)۔ عمل ایک اللہ کی ذات کا ہو!

دیکھو، کامل کے اوپر ہزار ہا طرح کی پڑتی ہیں لیکن وہ اُف نہیں کرتے۔ ہزاروں طعنے دیئے جاتے ہیں۔ پرواہ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ ذات باری تعالیٰ کو جوش آ جاتا ہے اور عطا ہو جاتی ہے۔لیکن وہ بے پروا رہتا ہے۔"

----- مقام ذات -----

"یہ مقام بڑا سخت ہے۔شیر کا سامنا ہے۔آنکھ سے آنکھ ہٹی اور پنجہ لگا۔رُوبرُو تو قہری اور جباری شان ہی زائد رہتی ہے۔ بادشاہ کا سامنا ہے۔کوئی مذاق نہیں ہے۔ تمہیں یاد نہیں کہ صابر صاحب بارہ ۱۲ سال تک ایک حالت میں کھڑے رہے۔اور چھتیس ۳۶ برس ایک حالت میں گذر گئے ششدری کے ساتھ پر، ایک بات ہے کہ وہ عاشق بن کر گئے تھے"۔

(۲)

"آج شب کو میں ایک مکان میں تھا۔شجرہ ءملکوتی پڑھتا تھا۔بآواز بلند۔ درمیان میں آہستہ آہستہ پڑھا پھر بلند آواز سے پڑھنے لگا۔ پھر خیال بھی ہوا کہ اس طرح کام کرنا چاہیئے کہ دوسروں کو علم نہ ہووے۔"

....

"میں ایک مقام پر تھا۔ایک لوٹا پاس تھا۔ پاکی وضو کے واسطے ضرورت تھی۔لوٹا لے کر ادھر ادھر دیکھا تو ایک سقابہ نظر آیا۔لوٹا لے کر گیا اور سقابہ سے پانی بھرا۔ برابر میں سقابہ کے ایک غسل خانہ تھا۔اس میں ایک عورت نہاتی تھی۔ بندہ سے کہنے لگی کہ پانی ہم کو دے دے۔ (میرے پاس) رہا نہیں ہے۔غسل خانہ کی دیوار بہت اونچی نہ تھی، اس کو دے دیا اور دیکھ کر بندہ کو سخت نفرت پیدا ہوئی کہ یہ حالت ہے جس پر مخلوق فدا ہے۔"

....

"آج شب کو میں نے دیکھا کہ ایک مکان میں ہوں۔ایک پیالہ پاس ہے۔اس میں شربت وغیرہ ہے۔اسے پیتا ہوں اور دوسرے لوگ جو قریب ہیں۔تھوڑا تھوڑا ان کو بھی پلاتا ہوں اور کچھ بتاشے پاس ہیں۔خود کھاتا ہوں اور ایک ایک بتاشا جو لوگ کئی گروہ کے ساتھ مکان میں

ہیں ہر ایک گروہ کو ایک ایک پتاشا دیتا ہوں۔اب وہاں سے باہر کے دالان میں آتا ہوں تو ایک جماعت بیٹھی ہے۔اس میں ایک شخص ہے جو بڑے بزرگ معلوم ہوتے ہیں۔ پتاشے میرے ہاتھ میں ٹوٹ گئے ہیں۔ٹوٹا ہوا ان بزرگ کو دیتا ہوں۔وہ مصافحہ کرتے ہیں اور بڑی محبت سے کھڑے ہوکر ملتے اور کچھ پڑھتے ہیں۔ ہونٹ چلاتے ہیں اور مجھ پر دم کرتے ہیں۔میں سر جھکا دیتا ہوں اور کچھ چُورا جو بچا ہے۔وہ بھی ان کو دے دیتا ہوں۔وہ کمر کو تھپکتے ہیں اور گلے سے لگا لیتے ہیں۔میں بہت خوش ہوتا ہوں۔

اب وہ اُٹھ کر اندر کو آتے ہیں اور اپنا منہ میرے منہ سے ملا لیتے ہیں اور کچھ پڑھتے ہیں ہونٹ سے ہونٹ ملائے۔میں خوش ہوں کہ یہ فیضان پہنچانے کا معاملہ ہے۔یہ خیال کر کے ان کے ہونٹوں کو چومتا ہوں اور چوستا ہوں۔وہ زیادہ منہ کھولتے ہیں۔جب زیادہ منہ کھلتا ہے اور دانت نظر آنے لگتے ہیں تو اب مجھے اس شخص کی حالت متغیر ہوتے ہوئے معلوم ہوتی ہے۔سؤر کی سی صورت میں تبدیل ہوجاتی ہے میں منہ کو ہٹا لیتا ہوں اور اس کے منہ پر تھوکتا ہوں اور پڑھ کر دم کرتا ہوں: **لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم**۔کہ وہ چت گر جاتا ہے۔میں اور پیچھے کو ہٹ جاتا ہوں۔اور کہتا ہوں: واہ جی واہ! ہے تو تُو بڑا ہی مکار، بڑا ہی دھوکہ باز، ملعون، جا چلا جا! اور میں لا حول پڑھتے ہوئے اُس کے قریب جاتا ہوں، وہ کھڑا ہو جاتا ہے۔اور یہ کہتے ہوئے کہ واہ جی واہ، ہو تو ایسا ہو کہ اس حالت میں بھی میرے پھندے میں نہ آیا اور صاف نکل گیا۔[۴۶] باہر کو چلا جاتا ہے۔"

....

"..........اب اُس جانب سے ایک دروازہ کھول کر ایک شخص آیا جو سپاہیانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔آ کر فوراً دروازہ پر رکا اور کہا۔یہاں نہ آئیے یہ مقام غیر ہے، یہ منزل ہی جداگانہ ہے، یہاں کی آبادی بھی علیحدہ ہے۔کُل زبردست جِنات ہیں، کُل ملک جنوں کا ہے۔یہاں کسی کی اصل و حقیقت نہیں سمجھی جاتی ہے۔عجیب و غریب ان کے حملے ہیں جو اٹھانے نہایت ہی دشوار

ہیں۔ میں نے اس سے کہا، کہ تم جاؤ، اس کی فکر نہ کرو۔ سب دیکھیں گے۔ دیکھا جائے گا۔

یہ سن کر وہ تو چلا گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ اب بندہ نے بھی اس دروازہ کو جس سے وہ آیا تھا۔ بند کر دیا۔ اب دیکھا تو میں ایک گلی میں تھا۔ اِدھر کا بھی دروازہ بند، اُدھر کا بھی دروازہ بند۔ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھرتا رہا لیکن دروازہ تو بند تھا۔ اِس وجہ سے مجبور تھا۔ اب دیواروں کو دیکھا تو بلند نہ تھیں۔ اب بندہ اُڑ کر دیوار پر گیا۔ بہت سے اَجنہ حملہ کرنے کو دوڑے اور حملہ شروع کر دیا۔

بندہ اُڑنے لگا .... چاروں طرف سے اکٹھے ہو کر حملہ کیا ...... میں نے کوڑے کو گھمایا اور **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ﷺ کہہ کر مارا۔ جسے لگا نیچے کو گر گیا۔ اس طرح سب کو نیچے گرا دیا۔ ایک وہاں نہ رہا۔ اب بندہ خوب سنبھل کر اس طاق میں بیٹھ گیا۔ جو آیا گراتا چلا گیا۔"

رام پور ۵ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

....

"میں نے دیکھا کہ میں ایک مکان میں ہوں۔ ایک چارپائی پر صحن میں لیٹا ہوں۔ مکان کے اندر صاحب خانہ کچھ روٹی وغیرہ کے کام میں مصروف ہیں۔ ایک لڑکی نہایت حسینہ و جمیلہ نہا دھو کر آئی اور میرے پاس آ کر میرے چہرہ کو دیکھا تو کچھ نشانات میرے چہرہ پر تھے اور میں نے اس کے چہرے کو دیکھا تو اس کی پیشانی پر بھی تھے۔ اب اس نے میری پیشانی کو بوسہ دیا اور بعد کو اپنی پیشانی سامنے کی۔ میں نے بھی اس تحریر پر بوسہ دیا۔ اب اس نے گلے میں ہاتھ ڈال لئے۔ میں نے ہر چند علیحدہ کیا لیکن وہ علیحدہ نہ ہوئی اور کہا: 'دیکھو تو سہی ہمارے بدن کو، ہمارے جسم کو، سب تمہارے لائق ہے، کیسا عمدہ اور موزوں ہے!' یہ کہتے ہوئے زور سے چمٹ گئی۔ بالکل ننگی ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا: 'اچھا، پھر میں کیا کروں؟'

وہ بولی: 'اچھا، تم میرے جسم کو دیکھو تو سہی۔'

میں نے ساتھ شفقت کے کہا: 'بے شک تو ایسے ہی ہے اور موزوں بھی ہے، لیکن پھر

بھی چھوڑ تو سہی۔'

اُس نے نہ چھوڑا، اور زیادہ چمٹ گئی۔ پیروں میں پیر ڈال لئے اور کہا: 'میری اور بہن بھی ہے لیکن وہ میری سی نہیں ہے۔ میں تو تمہارے لئے موزوں ہوں۔'

میں نے اس سے کہا: 'اچھا پھر کیسے ہو؟'

بولی: 'شادی کے بغیر تو میں تمہاری ہو نہیں سکتی ہوں'!

ایسے ہی حال تھا کہ ایک بچہ مکان میں سے کوئی شے لے کر دینے کے واسطے آیا اور دیدی۔ اور چپکے سے واپس چلا گیا اور صاحب خانہ سے کہا کہ وہ مرد جو گاڑی میں سوار ہو کر آیا ہے اور تمہاری لڑکی بھی اسی گاڑی میں تھی، اُن دونوں کا میل جول ہو گیا اور وہ اُس پر فدا ہے۔ اس اس طرح سے پڑے ہیں۔

بوڑھے نے پوچھا: 'کہاں ہیں؟'

کہنے لگا: 'یہ کیا ہے؟ کروٹ کو صحن میں چارپائی پر پڑے ہوئے ہیں'۔

اب وہ بوڑھا لال پیلا ہو گیا۔ ساتھ غضب اور غصہ کے اُٹھ کر تمام چھوڑ کے چل پڑا۔

لڑکی کو علم ہو گیا اور جلدی سے اُٹھ کر میرے پاس سے ایک کمرے میں جو اس مکان کے برابر میں تھا اور کپڑے وغیرہ بھی اس کے اسی میں تھے، چلی گئی۔

میں نے پوچھا: 'کیوں؟'

کہنے لگی: 'میرا باپ آ رہا ہے، لڑکے نے بتا دیا ہے۔'

اب میں اسی چارپائی پر انجان بنا پڑا تھا کہ بوڑھا آیا اور کہنے لگا: 'تو کہاں گیا تھا؟ کہاں تھا؟'

میں نے کہا: 'کہتے کیا ہو؟ جب سے میں تمہارے پاس سے اُٹھ کر آیا ہوں، اسی چارپائی پر اسی جگہ پڑا ہوا ہوں۔ میں کہاں گیا تھا؟ کب گیا ہوں؟ یہیں پڑا ہوا ہوں۔''

اب اس نے گھبرائے ہوئے بیتناک ہوکر چاروں طرف کو دیکھا، میں نے کہا: 'دیکھو یہ لڑکی چار پائی کے قریب بیٹھی ہوئی ہے۔اس سے معلوم کرلو کہ میں یہاں سے کہیں بھی نہیں گیا ہوں۔ میں کہیں گیا بھی ہوں؟' چنانچہ وہ گھبرایا ہوا مکان سے باہر کو چلا گیا کہ لڑکی شاید باہر کو چلی گئی ہو۔

اب مجھے قدرے اطمینان ہوا کیونکہ لڑکی اندر کمرہ میں جا کر کپڑے وغیرہ بھی پہن چکی تھی۔خوف اس امر کا بہت غالب تھا کہ کہیں یہ اُس کمرہ میں نہ چلا جائے اور لڑکی کو کپڑے پہنتے ہوئے دیکھے تو نہ معلوم ،لڑکی کا کیا حال بنائے اور تیرے ساتھ جانے کیا کرے؟ پرایا مکان، غیر جگہ ہے، اس وجہ سے گھبرایا ہوا تھا۔لیکن جب وہ باہر تلاش کرنے چلا گیا اور لڑکی نے بھی کپڑے پہن لئے تو اب وہ خوف نہ رہا اور چار پائی پر آرام سے بیٹھا رہا اور لڑکی جو قریب بیٹھی تھی، اس سے کہا کہ دیکھ، اس معاملہ کا ذکر نہ کرنا۔

میں بیٹھا تھا کہ دو شخص مکان سے آئے۔ایک زیادہ عمر کا تھا، اور ایک نوجوان لڑکا تھا اور آکر قریب میں چار پائی پر بیٹھ گئے۔دونوں چچا بھتیجے معلوم ہوتے تھے، معلوم ہوا کہ بندہ کی نگرانی کے واسطے آئے ہیں۔ظاہراً تو میں بہت بے تکلفی ، بےفکری کے ساتھ بیٹھا رہا، لیکن دل میں خوف ہوا کہ کہیں بھید کھل جائے تو نہ معلوم یہ کیا کریں گے۔

اب اندر سے روٹی آگئی۔طباقوں میں سالن آیا، گوشت ترکاری تھی، وہ کھانے لگے۔ ایک طباق مَیں لئے ہوئے تھا۔بعد کو وہ بھی ان کو دے دیا۔

بعد فراغ وہ تو اندر چلے گئے۔اب میں نے اپنا بستہ کھول کر قران شریف پڑھنے کے واسطے نکالا کہ اندر سے ایک شخص آیا اور کہا کہ قران شریف دے دو۔

اب میں فکر مند ہوا! کہ کیوں قران شریف طلب کیا جا رہا ہے کہیں گرفت تو نہیں کی جا رہی ہے۔کیونکہ معلوم ہوا کہ اب لڑکی کا باپ بھی باہر سے آگیا ہے اور قران شریف طلب کر رہا ہے۔ پھر خیال ہوا کہ کہیں نامہ تو نہیں نکالا جا رہا ہے۔کیا بھید ہے؟ اتنے میں لڑکی نے بھی

آواز دی کہ قران شریف دے دو۔ اب مجھے تسکین ہوئی کہ وہاں لڑکی بھی موجود ہے۔ میں نے کہا : 'کل بستہ دے دوں یا فقط قران شریف ہی دے دوں؟'

بولا: 'قران شریف ہی دیدو۔'

اب میں نے قرآن شریف اس کو دے دیا وہ لے کر چلا گیا۔ جب زیادہ دیر ہوگئی تو میں مکان میں ٹہلنے لگا اور دروازہ سے جھانک جھانک کر دیکھنے لگا کہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا تو آڑ میں تخت پر قران شریف پڑھا جا رہا تھا۔ چند لوگ جمع تھے۔ پھر میں جلدی سے علحدہ ہو کر ٹہلنے لگا۔

بعد کو ایک شخص قران شریف لے کر آیا اور بندہ کو دیا۔ اب میں لے کر مکان میں ایک جگہ جا کر بیٹھ رہا۔ اور بیٹھا تھا کہ وہ شخص آیا اور بیٹھ گیا۔

وہ بیٹھا تھا کہ ایک بلی آئی اور مجھے آ کر چمٹنے لگی۔ پنجے مارنے شروع کر دیئے۔ بہتیرا مارا لیکن وہ نہ بھاگی۔ اب میں نے اس سے کہا کہ اس کو بلا لو۔ اُس نے اشارہ کیا اور وہ چلی گئی۔

تھوڑی دیر بعد یکا یک دو بلے جو زبردست تھے، آ گئے اور حملہ کرنے کو دوڑے۔ میں اٹھ کر بھاگا اور اس شخص کے چاروں طرف کو چکر کاٹنے لگا۔ لیکن بلے بھی غرش کرتے ہوئے برابر پیچھے پیچھے دوڑتے چلے گئے۔ اب میں اس کے پاس جا کر ٹھہر گیا اور کہا: 'کیوں ہمارا ناک میں دم کرتے ہو؟ اِن کو منع کر دو۔' اس نے آنکھ کا اشارہ کیا۔ بلے علحدہ ہو گئے۔

میں نے اسے کہا: 'ہم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم نے یہ آفت ہمارے سر لگائی ہے کچھ کہو تو سہی، ہم نے آپ کا کیا قصور کیا ہے'؟

اس نے کچھ کہا تو نہیں، کیونکہ کوئی ثبوت نہ تھا۔ چور پکڑا نہ گیا تھا لیکن دل ہی دل میں گھٹ رہا تھا اور کبھی میری طرف کو دیکھ کر مسکرا بھی دیتا اور کبھی سخت نظروں سے گھورنے لگتا اور اب وہ یہ خیال کر کے کہ میں اگر یہاں بیٹھا رہا اور حملہ کر دیا تو یہ میری آڑ پکڑ پکڑ کر بچ جائے گا، اُٹھ کر چل دیا۔

اور جب مکان سے دوسرے کمرے میں اندر داخل ہو گیا تو اب اِن لوگوں کو اشارہ کیا اور خیال کیا کہ

اب کوئی بچانے والا تو ہوگا نہیں، میں چلا آیا ہوں، یہ سب مار ڈالیں گے۔ اور ان کو سخت حکم بھی کر دیا۔

اس کے جانے کے ساتھ ہی بندہ نے قران شریف کھولا تو پرانا تھا۔ کُہنہ اور کچھ گھنا سا بھی گیا تھا۔ کہیں کہیں کیڑے کے لگے ہوئے نشان بھی تھے۔ چھوٹے چھوٹے سوراخ ہو گئے تھے۔ میں پڑھنا شروع کرنا ہی چاہتا تھا کہ یکا یک کئی زبردست جانور داخل ہوئے۔ میں نے ان سے کہا: ' دیکھو، میں قران شریف پڑھ رہا ہوں۔ اِس کا تم کو لحاظ کرنا چاہیئے'۔ لیکن وہ برابر حملہ کرنے اور مارنے کو چلے آئے۔

اب میں نے خیال کیا کہ یوں تو کام چلے گا نہیں۔ قران مجید کو گردان کر بند کیا کہ وہ بھی قریب آ گئے۔

میں جلدی مکان سے باہر ہو گیا اور وہ پکڑنے کو دوڑے۔

میں چبوترے سے بھی نیچے چلا گیا اور اس مکان کی حد سے باہر ہو گیا۔ اب وہ ٹھہر گئے اور میں دوڑ کر چبوترے پر چڑھ گیا اور کہا: 'لو، پکڑ لو!'

وہ پکڑنے کو دوڑے تو جلدی سے پھر علٰحدہ کو چلا گیا۔ وہ پھر واپس چبوترے پر آ گئے اور میں دوسری جانب کو چلا گیا اور کہا: 'لو، پکڑ لو'۔

وہ پھر دوڑ کر آئے کہ میں پھر علٰحدہ کو چلا آیا اور وہ واپس ہو گئے۔

اسی طرح سے بہت دیر تک ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ غصہ سے بھر گئے اور آپے سے باہر ہو کر مکان سے نکل آئے اور پکڑنے کو دوڑے۔

جب میرے قریب آئے تو میں اُڑنے لگا اور وہ مکان گنجان آبادی کے ساتھ تھا۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ اور دروازے بھی اس قسم سے لگے ہوئے تھے کہ ایک سے نکل کر دوسرے میں اور دوسرے سے تیسرے میں۔ اس طرح سے کہ تمام میں پھرتے پھرو۔ پتہ نہ چلے کہ کدھر ہو، کہاں ہو۔

اب میں دوڑا، اِس دروازے میں دوڑ، اُس دروازے میں دوڑ، اِس میں دوڑ، اُس میں، تمام میں چکر لگانے لگا۔ یہاں تک کہ وہ پریشان ہو گئے۔

تب انہوں نے بھی اوروں کو اکٹھا کر لیا۔ اور چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی، اور بہت سے اکٹھے ہو کر چاروں طرف سے آ گئے کہ جدھر کو نکلے، پکڑ لو، جانے مت دو۔

جب میں نے یہ حالت دیکھی تو کود کر مکان کی چھت پر چلا گیا اور بلندی پر جا کر یہ تمام حال دیکھا کہ انہوں نے اس احاطہ کو گھیر لیا ہے۔

'اچھا'، اب میں نے پکار کر کہا: تم سب کیا کر رہے ہو؟ کن خیالوں میں ہو وہ تو ایک بادشاہ کا مکان تھا۔ اس کا مجھ کو پاس ادب تھا، خیال تھا۔ وہاں پر تم چمٹ کر اور پنجے مار کر رہ گئے ہو۔ وہ بات تو وہیں تھی۔ اب بھلا تم چیز کیا ہو، پدی نہ پدی کے شوربے۔ جاؤ، اپنا کام کرو'

اب تو انہوں نے بڑی ٹیڑھی نظروں سے دیکھا، میں نے ان سے کہا: 'اچھا، اگر تمہارے یہی ارادے ہیں تو آؤ، پکڑو تو جھینگر و!'

یہ سن کر وہ غصہ میں دوڑے۔ میں بلند ہو کر اور طیران کرتے ہوئے اس احاطہ سے ہی باہر ہو گیا اور دیکھا کہ اب بڑے بڑے مکان چلے گئے تھے۔ بڑے بڑے بلند، دو منزلہ تین منزلہ، چومنزلہ۔ اِن میں سے ایک سے دوسرے کا راستہ اس طرح نکلتا تھا کہ بڑے پھیر سے ہو کر گئے تو تیسرے میں نہ جا سکے، لیکن میں طیران کر کے ایک سے دوسرے میں اوپر ہی اوپر کو چلا گیا۔

اب وہ بڑی مصیبت سے راستہ تلاش کر کے اس میں آئے تو میں نے کہا: 'اچھا، لیو تو سہی!' اور اڑ کر دوسرے میں چلا گیا۔

وہ اس مکان سے نکل کر راستہ تلاش کر کے بمشکل تمام اس میں داخل ہوئے کہ میں دوڑ کر اور میں چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ پریشان ہو کر مجبور ہو گئے۔

اب میں ایک مکان کی چھت پر اُڑ کر گیا اور اس میں اور اوپر جانے کے واسطے بڑے

ٹیڑھے راستے تھے۔ کہیں زینہ تھا، کہیں نہ تھا۔ کہیں سیدھا تھا کہیں ٹیڑھا تھا، کہیں گھوم کر گیا تھا کہیں پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ لیکن وہ مکان عجیب منظر ہونے کی وجہ سے میں اس کے اوپر چڑھنے لگا، جہاں زینہ ختم ہوا، کود کر چلا گیا، جہاں زیادہ فاصلہ ہوا، اُڑ کر چلا گیا۔ کہیں کانسیں پکڑ پکڑ اوپر کو چڑھا۔

جب بہت بلندی پر چلا گیا، نیچے کو دیکھا تو تمام لوگ جمع تھے، لیکن چڑھنے سے، پکڑنے سے مجبور تھے۔ کسی میں تاب وطاقت نہ تھی کہ چڑھ سکے۔ ٹکر ٹکر دیکھتے تھے۔ ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم کا مضمون تھا۔ بہت سے کوشش بھی کر رہے تھے کہ پکڑیں مگر چڑھتے تھے اور گر پڑتے تھے۔

اب میں نے بلندی پر جا کر دیکھا تو سامنے فاصلے پر ایک سڑک تھی اور سڑک پر وہ صاحب مکان کھڑا تھا۔ لباس عمدہ پہنے ہوئے تھا اور میری طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر میں نے کہا: 'آپ نے کیوں ان بیچاروں کو آفت میں ڈالا ہے؟ 'بیچارے پریشان ہیں!'

اس نے کہا: 'تو ابھی بچا ہوا ہے؟ پکڑا نہیں گیا ہے؟'' میں نے مسکرا کر کہا: کہ: یہ پکڑیں گے؟ اَن کی کیا تاب وطاقت ہے کہ ہاتھ ڈال سکیں ان کو تو جانے دو اور اب تم اپنا زور لگا کر معاملہ بند کرو۔ یہ بیچارے مفت میں پریشان ہیں۔ تم اپنا حملہ کرو تا کہ جھگڑا کٹے۔ قصہ بے باق ہو!''

اُس نے مسکرا کر کہا: 'تو میرے مقابلے کی طاقت رکھتا ہے؟ سہار لے گا؟'

میں نے کہا: 'آپ کریں تو سہی!' اور میں بلندی سے نیچے کو اترا اور ایک چوڑی دیوار تھی جو نیچے کو آ رہی تھی، اس دیوار پر سے ہو کر آیا۔

اس شخص نے ساتھ غصہ کے ایک اینٹ اُٹھا کر میری طرف پھینکی، وہ بڑے زور شور سے مثل بجلی کے کوندتی ہوئی میرے اوپر کو آئی۔ اس سے مجھے دہشت ہوئی لیکن جب وہ قریب کو آئی تو میں نے ہاتھ کی پشت پر روک لی اور ایک جانب کو پھینک دی۔

میں نے اسے کہا: 'بس'؟

اس نے کہا: 'بس، اب چلے آؤ!'

اب میں دیوار دیوار ہو کر اُس کے قریب گیا تو نیچے نیچے وہ لوگ بھی چلے آئے۔ میں نے کہا: 'اب اِن لوگوں سے کہہ دو کہ آرام کریں' اس نے منع کر دیا اور اب اُس کے ہاتھ میں تین اور ڈھیلے تھے۔ میں نے کہا: 'کیا اور مارو گے؟ مارو گے؟'

اس نے کہا: 'اب چلے آؤ!'

جب پاس آ گیا تو اس نے آہستہ آہستہ دو ۲ ڈھیلے مارے وہ لگ کر زمین پر گر پڑے۔ اور تیسرا اور اٹھایا تو میں نے کہا: 'ایک وہ مارا تھا، دو یہ ہو گئے، تین پورے ہو گئے!''

وہ بولا: 'وہ تو ہمارا زور تھا، مقابلہ تھا، یہ قول ہے۔ حملہ نہیں ہے۔' اور تیسرا ڈھیلا بھی مار کر علیحدہ کر دیا۔

اُس نے کہا: 'چلو گھر کو چلو اور تم نے کمال ہی کیا کہ اتنے مقابلے اُٹھائے۔ ورنہ ان سے تو کسی کی کیا تاب ہے کہ بچ سکے۔ شاباش ہے!'

میں نے کہا بیشک ان لوگوں نے بہت دلاوری کی اور یہ تو جنات کے ہی کام ہیں کہ ان مقابلوں میں پہنچ گئے۔ خدا نے جنات کو ہی قوت دی ہے۔ اِنہی کا حصہ ہے۔ باقی مجھ کو تو اس پاک پروردگار نے اپنے فضل و کرم سے وہ قوت اور وہ طاقت عطا فرمادی ہے کہ کیسے ہی جنات کیوں نہ ہوں، مقابلہ سے پست رہیں گے اور اِن مقاموں میں جہاں میں چلا جاؤں گا۔ جنات میں سے کسی کی تاب و طاقت نہیں ہے کہ جا سکے اور واقعی اِن لوگوں نے بہت بہادری کی، اِنہی لوگوں کا حصہ تھا۔

باتیں کرتے ہوئے مکان پر آئے اور مجھے باہر بٹھا کر وہ بادشاہ اندر گیا اور گھر میں سب سے کہا: 'وہ تو عجیب شخص ہے۔ میرے مقابلے کو مثل پھول کے رد کر دیا۔ کسی کی کیا تاب و طاقت تھی کہ میرا مقابلہ کرتا۔ اب تم سامان کرو شادی کا اور وہ لڑکی بھی اس پر عاشق ہے!'

سب راضی ہو گئے اور جہیز وغیرہ نکال کر باہر کو بھیجنے اور سامان جمع کرنے لگے۔

اُس نے کہا کہ دولہا میاں کے واسطے کھانا تیار کرو۔ اچھا اچھا یہ سامان تیار کرنا۔ بھوکے

ہیں، جلدی کرو۔ اور جلدی سے سامان تیار کر دو تا کہ ہم ان کو روانہ کر دیں۔

اس پر مکان والوں کی رائے ہوئی اور آپس میں مشورہ ہوا کہ ابھی دولہا میاں تھکے ہوئے ہیں۔ کچھ سامان ان کے گھر بھیج دو تا کہ گھر والوں کو شادی ہو جانے کی اطلاع ہو جاوے۔ اور (سامان وغیرہ) رکھ کر رخصتی کل کو کر دی جائے گی۔

اب وہ کھانا وغیرہ مکان سے لائے اور کہا ' کھانا کھاؤ، مکان والوں کی سب کی رائے ہے کہ تم تھک گئے ہو، رہو، کل کو رخصتی ہو جائے گی' اور دو شخصوں کے سر پر کڑاہ تھا، نہایت عمدہ رنگا ہوا۔ اس میں کھانڈ وغیرہ تھی اور دوسرے کے پاس ایک خوان۔ اس میں میوہ وغیرہ تھے۔ عمدہ خوشنما خوان پوش ڈھکے ہوئے۔ کہنے لگے: 'یہ تم اپنے گھر کو بھیج دو تا کہ گھر والوں کو شادی ہونے کی اطلاع ہو جاوے، سب کو خوشی ہو جاوے'

وہ تو گھر کو روانہ کر دیئے اور کھانا شروع کیا۔ اُنہوں نے کہا: 'تم کھانا وغیرہ کھالو، برتن بانو آ کر خود لے جائے گی، پہنچائے گی، لے جائے گی'۔

اب میں نے دیکھا تو کھانا بھی قسم غیر سے کئی طرح سے تھا۔ دودھ بھی تھا اس میں لڈو بھی پڑے تھے۔ اور اور شے تھی۔ بندہ نے تھوڑا تھوڑا سب سے کھایا۔ اس خیال سے کہ دولہا کے سامنے کے کھانے کا مکان میں بہت انتظار ہوتا ہے۔ لوگ خوش ہوتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ میں کھانا کھا رہا تھا۔"

رام پور ۲ رجب ۱۳۳۶ھ

ورد حیدری شریف کے چلہ کے اختتام پر

" آج شب کو میں نے دیکھا کہ بھڑ جی کی دکان پر ہوں۔ کچھ چنے لئے ہوئے کھاتا ہوں۔ اور باہر ٹہل رہا ہوں۔ جب وہ ختم ہونے لگے تو پھر جاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ آدھا پیسہ تمہارا

پہلا، چاہے آدھا اور لیو، چنے بھون دو۔ اور آدھا آدھا ایک پیسہ یہ لے لو۔ چنے بھی اس کے پاس ایک پیسے کے تھے۔ سب بھون دیئے کہ آدھے آدھے کردوں گا۔

جب بھون کر چھاننے لگا تو ایک شخص مکہ لایا۔ اس کو بھاڑ میں ڈال کر بھوننے لگا اور چنے بھی چھانتا گیا۔ میں نے باہر کو دیکھا تو والد جارہے تھے۔ میں نے کہا: 'خیر یہ چنے تو لے لو۔ رکھے رہیں گے۔ رفتہ رفتہ کام آتے رہیں گے اور اب کھانا پکے گا، وہ کھائیں گے، بھاڑ کی پشت پر میں کپڑا اڈالتے ہوئے بیٹھ گیا۔ کھیلیں اڑ اڑ کر جو آتی گئیں، کھاتا گیا۔ اس نے کہا 'یہ تم کیا کرتے ہو؟ پرائی ہیں، وہ کیا خیال کرے گا۔'

میں نے کہا: 'ہم نہیں جانتے، ہم کو یہاں بٹھایا کیوں ہے؟'

بولا: 'اچھا، تم اوپر کو آجاؤ'۔ اور اپنے پاس بٹھالیا۔

اب میں نے دیکھا تو اس مکان کی حالت غیر تھی۔ ایک چھت درمیان مکان کے بنی ہوئی رکھی تھی۔ اس کے اوپر ایک اور رکھی تھی۔ لوہے کے شہتیر تھے۔ اوپر سے تختے جڑے ہوئے تھے۔ تھوڑی تھوڑی مٹی پڑی ہوئی تھی۔ اوپر دو چھتیں رکھی ہوئی تھیں کہ ان کو اُٹھا کر ہر جگہ رکھ لیا جائے۔

ایک شخص پھرتا تھا، اِدھر اُدھر کچھ ٹٹولتے ہوئے۔ میں نے کہا: 'کیا کررہے ہو؟ کچھ گڑ بڑ ہو جائے گا۔'

بولا: 'میں کچھ دولہا دولہن کی حالت کی جستجو کررہا ہوں۔ کچھ پتہ چل جائے۔'

میں اٹھا اور دیوار پر ہاتھ مارا کہ یہاں کیا رکھا ہے؟ ایک کھڑکی کھل گئی۔ اس میں دو تختیاں نکلیں۔ کسی دھات کی موٹی موٹی تھیں۔ ان پر کھدا ہوا تھا: 'ماشاءاللہ، دولہا کے کیا کہنے، خوب ہے'۔ دوسری پر کھدا تھا: 'ماشاءاللہ، دلہن کے کیا کہنے، خوب ہی ہے۔'

ایک رسی لٹک رہی تھی۔ اس شخص نے اُسے پکڑ کر باہر کردیا اور کہا: 'یہ کیا ہے؟'

اب میں نے دیکھا اوپر کو تو وہ اسی بلندی پر چلی گئی تھی اور وہاں سے اوپر ہی اوپر ایک

جانب کو مڑ کر باہر کو چلی گئی تھی۔ کئی تار نظر آئے گچھا سے۔ اُس کے پکڑنے سے کچھ حرکت سی پیدا ہوئی اور وہی حرکت باہر کو جاتی نظر آئی۔

میں نے کہا: 'اب اس کو ہاتھ مت لگانا، یہ سیدھی بلاسپور گئی ہے جتنی حرکت یہاں ہو رہی ہے۔ اتنی ہی وہاں بھی ہو رہی ہوگی۔ اگر ذرا اشارہ اور کیا تو فوراً کھٹکا ہو جائے گا۔ بس، اتنی تیز ہے کہ یہاں ہاتھ لگایا اور وہاں کھٹکا ہوا۔ وہ کام میں مصروف ہیں، ادھر کا خیال ہو جائے گا۔'

تب میں نے دیکھا کہ شہر کے باہر کھڑا ہوں اور اس تار کو دیکھتا ہوں۔ آنکھ کی سیدھ میں بڑے بڑے مینار ہیں۔ ان کے اوپر تار سیدھا چلا گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ کثرت سے ہاتھی تار کے نیچے نیچے آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ مجھ سے آگے کو نکل گئے۔ کہا کہ برات آ گئی ہے۔ بڑے بڑے ہاتھی تھے۔ ان کے اوپر جھولیں، سنہری روپہلی پڑی تھیں۔ ماتھوں پر خوشنما ٹیکے بنے ہوئے۔ ہودے عمدہ عمدہ رکھے ہوئے۔ ان میں اچھے اچھے لباس پہنے ہوئے آدمی سوار تھے۔ ہاتھی بانوں کو سر پر منڈاسے رنگین کا مدار بندھے ہوئے تھے۔ ایک ہاتھی کی سونڈ دوسرے ہاتھی پر رکھی ہوئی۔ جھومتے چلے جاتے تھے۔

مجھے کھڑے کھڑے بہت دیر ہوگئی۔ پیچھے کو دیکھا تو جہاں تک نظر جاتی تھی، ایسے ہی ہاتھی چلے آتے تھے۔ خیال کر کے کہ نہیں معلوم یہ کب تک ختم ہوگی، میں چل دیا اور ہاتھی کی سونڈ کے نیچے کو ہو کر پار دوسری طرف گیا تو دیکھا کہ کوئی کدھر سے ہاتھی آ رہا ہے۔ کوئی کدھر ہی سے آ رہا ہے۔ چاروں طرف میدان میں راستہ ہی راستہ ہے۔ چھوٹے چھوٹے پستہ قد کے ہاتھی ہیں۔ خوب سجے ہوئے، زیور طرح طرح کا پہنے ہوئے۔ چھن چھن کرتے ہوئے پہلے ہاتھیوں سے زیادہ سجے ہوئے تھے اور رئیس لوگ سوار تھے چاروں طرف سے آ رہے تھے، خیال کیا کہ یہ شہر کے نیوتہار یئے ہیں۔ ان کے گھروں پر ہاتھی بھیج بھیج کر بلائے جا رہے ہیں۔ اپنے اپنے گھروں سے آ رہے ہیں۔

اب میں اڑنے لگا۔ چونکہ راستہ ٹھیک نہ تھا۔ چاروں طرف کی آمد کی وجہ سے اُڑتے

ہوئے آگے کو گیا تو ایک لائین اور ہاتھیوں کی جا رہی تھی۔ یہ ان سے زیادہ خوب صورت تھے۔ دبلے دبلے ٹھنگنے۔ جھولوں میں گھنگھرو لٹکتے ہوئے اور ماتھے پر ایک پان نما کا بڑا کارچوبی مخمل کا سامان تھا۔ اُس پر جواہرات ہیرے ٹکے ہوئے کہ نظر نہ ٹھہرتی تھی۔ بعض بعض سفید تھے اور سرخ پٹے پڑے ہوئے تھے۔ بڑے نازک بدن تھے جسم شیشہ سا جھلکتا تھا۔ پانی سونڈ میں لیتے تھے سونڈ میں جاتا ہوا نظر آتا تھا ان کے اوپر ہاتھی بان تو بیٹھے تھے اور سوار کوئی نہ تھا۔ چال بھی عجیب نزاکت والی تھی اور ہاتھی بان بھی ایسے ہی سجے ہوئے تھے۔

میں اڑتا ہوا ان سے آگے چلا گیا تو اب شہر قریب آ گیا۔ بگیاں ٹم ٹم، یکے، شکرم، رتھ ہر قسم کی سواری آتی جاتی تھی۔

ایک مقام پر منشی لوگ بیٹھے تھے۔ دوسروں نے آ کر کہا کہ فلاں راستہ میں سپاہی روک لیتے ہیں۔

'کیوں؟'

'کہتے ہیں۔ چار ۴ چار ۴ سوار کیوں ہیں؟'

'وہ کیا کچھ تنبیہ کے خواستگار ہیں؟ انہیں نہیں معلوم کہ آج چھ ۶ چھ ۶ سواریوں تک کے آنے جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ کوئی مانع نہ ہو۔'

اب میں اڑتے ہوئے اور آگے کو گیا تو پیدل لوگ گروہ کے گروہ جا رہے تھے۔ اب مکان قریب آ گیا۔ میں اڑ کر بہت بلند ہو گیا اور مکان میں پہنچا۔ بڑا مکان تھا، ایک پلٹا کھایا، نیچے ہوا۔ پھر پلٹا کھایا۔ اور نیچے ہوا۔ لوٹن کبوتر کی مثل اب تیسرے جھٹکے میں نیچے آیا لوگوں کو دیکھا۔ اپنی جگہ کو دیکھا تو دوسرے ساتھیوں نے اندر بستر لگا لیا تھا اور چند صندوق ٹین کے تھے۔ ان میں سامان رکھ کر حفاظت سے سرہانے رکھ لیا تھا۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے: 'لیو دولہا میاں آ گئے!'

اب بندہ کمرے میں گیا اور جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی جو رنگین تھی۔ دو ڈھکن تھے۔ بیچ میں تو اٹھی ہوئی تھی، کنارے سلے ہوئے تھے۔ میں نے ساتھی سے کہا: 'لاؤ ہمارا قران شریف، اس میں رکھیں گے حفاظت سے!'

اس نے کہا: 'یہ کیسے لے آئے؟

'بڑی مشکل سے لایا ہوں کہ برات کا ہنگامہ ہے۔ قران شریف کی بے ادبی ہوگی لیکن اب کہیں دبنے والا تھوڑی ہوں!'

کمرے کو دیکھا۔ چاروں طرف سے تو کنڈی نہ تھی۔ میں نے کہا: 'خیر، چابی یا کنڈی لگوا کر مضبوط کرالی جائے گی'۔''

۱۱ شوال ۱۳۳۶ ھ

مکتوبہ رویاء کی قدر و قیمت

''(کوئی پوچھتا ہے) 'ایسا بیکار کیوں تحریر کرتے ہو؟'

اول تو بندہ نے کہا کہ ایسے ہی لکھ رہا ہوں۔ پھر کہا:

'آپ بیکار جانتے ہیں؟ اس کا ایک ایک ورق بڑے بڑے کام کا ہے۔ اس کی قدر تو مجھ سے پوچھو۔ اور آپ جانتے ہیں کہ بیکار کوئی بھی محنت کیا کرتا ہے؟ کس کو مفت میں بیکار کاغذ، روشنائی صرف کرنے کی ضرورت پڑی ہے؟ اور بیکار سر مغزی کیوں کوئی کرنے لگا ہے؟'

اب اس نے کہا کہ اچھا پھر کیا ہے؟ بندہ نے کچھ کہنا چاہا کہ سانولے خان نے آنکھ سے اشارہ کیا کہ جتنی جس میں قابلیت ہو، اتنی ہی اُس سے بات کرنا چاہیئے۔ زیادہ طول طویل اچھا نہیں ہے۔ مخلوق ہے! ایسے ہی چلنے دو۔ کیا جانیں؟

اب بندہ نے مسکرا کر کہا: 'ایسے ہی خالی پڑا رہتا ہوں۔ جو دل میں آتا ہے لکھتا رہتا ہوں، ہوتا ہی کیا؟'

رام پور یکم رجب ۱۳۳۶ھ

....

میں نے حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے سنی ہوئی چیدہ چیدہ باتیں جو اپنے ابتدائے سلوک میں ان سے سنیں، لکھ دی ہیں اور اسی طرح حضرت حاجی شاہ عبداللہ ''بادشاہ غوث قُطب'' کے رویاء میں سے کچھ طویل خواب اور حکمت الٰہیہ پر مشتمل کئی نکات جو ان دنوں ان کی ''کتاب نطاب''[۴۷] کی چند جلدوں کے مطالعہ کے دوران میری نظر سے گذرے، یہاں نقل کر دیئے ہیں۔ ان کو نقل کرنے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ اپنے مرشد عالی مقام کی توجہ اور برکت کے ساتھ میرا یہ زادراہ تھا جس کو لے کر میں آگے کمال کے راستے پر سرگرم سفر ہوا۔ میری تمنا ہے کہ یہ سفر کبھی ختم نہ ہو۔ کیونکہ یہ سفر بھی ایسا ہی ہے جیسے یہ راستہ جس کا کوئی اختتام نہیں۔

ان بزرگوں کی درگاہ سے مکمل قلبی وروحی وابستگی کے ساتھ میں نے حضرت شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وجدانی شعور میں منعکس یہ نصیحت دل پر رقم کر لی، جسے میں ایک بار پھر دہراتا ہوں:

> ''دیکھو، جس طرح سے علم ظاہری میں انسان کو جگہ بجگہ ٹکریں مارنا پڑتی ہیں۔ چونکہ کچھ تم سے آتا ہے، تم سے سیکھا، اور دوسرے سے اور حاصل کیا۔ تیسرے سے اور حاصل کیا۔ اسی طرح سے انسان جتنی کوشش کرے گا۔ جستجو کرے گا، حاصل ہوتا جائے گا، ترقی پکڑتا جائے گا۔ اسی طرح سے فقر کی تعلیمات ہیں۔ کسی کو کتنی ہے، کسی کو کتنی ہے، کسی کو کچھ ہے، کسی

کو کچھ ہے۔ تو یہ جس قدر جستجو کرے گا تعلیمات حاصل ہوتی
جائیں گی.........."

انہی دنوں میں نے ایک خواب دیکھا کہ فجر کا وقت ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ مجھے شہر کی گلیوں میں سے ہمراہ لئے جا رہے ہیں۔ آخر میں ذرا بلندی پر واقع ایک مسجد کے صحن میں پہنچے جہاں ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ ان کے سامنے آس پاس کچھ لوگ ذکر کی حالت میں ہیں اور کچھ مراقب بیٹھے ہیں۔ ان میں سے ایک نوجوان درویش نے تو گھٹنوں سے سر اُٹھا کر مجھے دیکھا بھی۔ مگر شاہ صاحب قبلہؒ مجھے سیدھا اس بزرگ کے حضور میں حاضر کر دیتے ہیں۔ شاہ صاحب ان سے کہتے کچھ نہیں بلکہ جیسے کہ شاید پہلے سے طے ہے، میں سامنے بیٹھ جاتا ہوں اور اب میرا ہاتھ بے اختیار آگے بڑھتا ہے مگر میں ہیبت کے مارے آنکھ اُٹھا کر ان کے چہرے کو نہیں دیکھ سکتا۔ صرف ان کی ریش مبارک کے سیدھے لمبے بال میں دیکھ رہا ہوں جن میں کچھ بال سفید بھی ہیں۔ وہ ہاتھ آگے بڑھاتے ہیں اور بڑی بارعب آواز کے ساتھ تحکمانہ لہجے میں فرماتے ہیں:

"اپنے آپ کو اِن بزرگوں کے پاؤں کی خاک سمجھو! اور
اپنے آپ کو چھپا کر رکھو!"

اور خواب ختم۔ شاہ صاحب قبلہؒ کو خواب سنایا تو انہوں نے صرف اس قدر کہا۔
"ہاں، ہمارے پیر صاحبؒ کے آخری سالوں میں داڑھی کے بال ایسے ہی سیدھے تھے جن میں کچھ سفید بال بھی نظر آتے تھے۔"

میں سمجھ گیا کہ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے ہی مجھے اپنے مرشد کے حضور میں حاضر کیا اور وہاں سے مجھے یہ ہدایات تلقین ہوئی ہیں۔ [۴۸]

اپنے تئیں چھپا کر رکھنا تو میرے لئے کچھ مشکل نہ ہوا کیونکہ تب میں نے اپنے ظاہر میں کچھ تبدیلی نہ کی اور عوام کی نظر تو ظاہر پر ہی پڑتی ہے اور وہیں تک رہتی ہے۔ مگر یہ دوسری

عاجزی اور انکساری کی بات، یہ بہت مشکل تھی اور بہت بھاری۔ کہیں ظاہری علم اور کتابی مطالعہ غرور آڑے آتا رہا اور کہیں حسب نسب پر فخر اور تکبر، تاہم جہاں کہیں میں نے حقیقتاً اور واقعۃً بزرگی اور فضیلت دیکھی، ادب سے سر جھکائے رکھا مگر جہاں لوگ صرف جگہ یا مکان کی نسبت سے یا محض حسب نسب کی بدولت تعظیم کے خواہاں تھے، وہاں پر کبھی بھی میں ایسا نہ کر سکا۔

اپنے اس رویہ و عمل کو میں نے اس نصیحت و تلقین کے خلاف بھی نہیں جانا کیونکہ محض حسب نسب اور مجاوری کے پیچھے اصل فضیلت تو روحانی مرتبے اور تقویٰ کی ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر کسی فاسق اور سفیہ کی تعظیم ویسے بھی جائز نہیں۔ اگر کوئی درویش ان کی خالی خولی نسبت کا احترام ملحوظ رکھتا بھی ہے تو اُس درویش کو تو ثواب مل جائے گا مگر جس کی تعظیم کی گئی، اس کو کیا ملا؟

(۷)

تعلقات

صحبت روشن دلاں یک دم دو دم
آں دو دم سرمایہ بُود و عدم

(روشن دل بزرگوں کی صحبت خواہ ایک دو لمحوں کے لئے ہو، مگر وہ دو لمحے اگلے پچھلے زمانے کا سرمایہ بن جاتے ہیں)

فقیری اور درویشی کے راستے پر کوئی بندہ چلنا شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے یہ توفیق بھی عطا کرتا ہے کہ وہ سفر میں اُسکے مقرب بندوں سے ملتا رہتا ہے۔

اس سے پہلے میں ذکر کر چکا ہوں کہ مجھے حلقہ فقر میں آنے کی ترغیب دینے والے جناب پروفیسر وقار احمد وقار تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔ اس کے بعد دوسرے بزرگوں کے تذکرے کے سلسلے میں کوئی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے۔

----- مشائخ صحبت -----

----- جناب پروفیسر وقار احمد وقار -----

تقریباً پینتالیس ۴۵ سال پہلے کی بات ہے (شاید ۱۹۶۳ میں) کہ وقار صاحب کا

تبادلہ بطور مدرس قلات (بلوچستان) کے سرکاری مدرسے میں ہو گیا جہاں میں پہلے سے تدریس کا کام کر رہا تھا۔ ہم اس سے پہلے بھی اکٹھے رہ چکے تھے مگر اب کے جو ملے اور جس طرح کی ہم نے باتیں کیں، اس طرح کا معاملہ ہمارا پہلے کبھی نہ رہا تھا۔ تجدیدِ ملاقات پر ہم نے جو باہمی تعلق دریافت کیا وہ تصوف اور اس کے نظام سے متعلق تھا۔ چنانچہ جب بھی ہمیں موقع ملتا تو ہم گھنٹوں صوفیاءِ کرام اور ان کی روحانیت اور حکمت کے بارے میں باتیں کرتے رہتے۔

میں ہمیشہ ان سے کہتا کہ تصوف ماضی میں اپنا کام کر چکا اور آج نہ وہ تصوف ہی کہیں ہے اور نہ ایسے صوفیاء کہیں ملتے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کے بارے میں صرف تذکروں میں ہی پڑھ سکتے ہیں۔ اس دور میں ایسے بندے کہاں؟

اس کے جواب میں وقار صاحب ہمیشہ حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دیتے جن سے وہ تازہ تازہ کئی بار مل کر آئے تھے وہ اکثر مجھے کہتے: "بھئی، ایسے خدا کے بندے اب بھی ہیں، آپ کبھی جائیں اور شاہ صاحب سے ملیں، آپ یقیناً ان کو ایسے بندوں میں سے پائیں گے جن کا ذکر آپ نے کتابوں میں پڑھا ہے"۔

یوں وقار صاحب ہی تھے جنہوں نے مجھے ایک عظیم المرتبت مرشد سے ملنے کی ترغیب دی کہ جن سے مجھے ملنا چاہیئے اور خود معلوم کرنا چاہیئے کہ وہ کیسے صوفی بزرگ ہیں؟ - یہ وقار صاحب کا مجھ پر ایسا احسان ہے جس نے میری زندگی پر دوررس اثرات ڈالے۔

وقار صاحب پیدائشی لحاظ سے برہمنوں کی عالی نسب ذات شرما سے تعلق رکھتے ہیں۔ مڈل اسکول میں پڑھتے تھے کہ اِن پر ایک اہل دل مسلمان استاد کی نظر پڑ گئی جو خود ایک طریقِ تصوف سے وابستہ تھے۔ انہوں نے اور ان کے ہم مسلک رفقاء نے ان کو اسلامی تعلیم کی طرف راغب کیا۔ مڈل کلاسز کے طالب علم کے طور پر بھی وہ مذہب کی ان باتوں کو سمجھ سکتے تھے اس لئے ان کے استادوں نے ان کا نام "علامہ" رکھ دیا تھا۔ (اہل خاندان اور پرانے جاننے والے اب

تک ان کو علامہ میاں کہتے ہیں)۔

ان کے استاد کا نام سجاد علی قیصر رامپوری تھا۔۶۵ انہوں نے جناب ڈاکٹر سید ابرار حسین زیدی (جو ہسپتال میں ڈاکٹر تھے) کے ساتھ مل کر انہیں مشرف بہ اسلام کیا۔ یہی ڈاکٹر سید ابرار حسین زیدی صاحب پھر ان کے خسر بنے۔ مگر یہ کافی مدت بعد کی بات ہے۔

وقار صاحب اکثر مجھے اپنی ابتدائی دور کی زندگی کے بارے میں بتاتے رہتے تھے۔ جب وہ پیدا ہوئے تو ان کے والدین انہیں ایک گرو کے پاس لے گئے جس نے ان کی جنم پتری کی روشنی میں بتایا کہ جب یہ بچہ جوان ہوگا تو اپنا دھرم بدل دے گا اور دور کہیں پہاڑوں میں چلا جائے گا۔ یہ بات سچ ثابت ہوئی کہ انہوں نے ہندو دھرم چھوڑ کر دین اسلام قبول کر لیا اور برِ صغیر کی تقسیم کے بعد پاکستان چلے آئے اور اپنے آپ کو ایک مدرس کے طور پر کام کرتے ہوئے بلوچستان کے پہاڑوں میں پایا۔

ایک بار ان کی والدہ انہیں کمسنی کے ایام میں ایک گرو کے پاس لے گئیں جو کسی پہاڑی کی چوٹی پر ایک کٹیا میں رہتا تھا۔ اس کی لمبی عمر کا کسی کو کچھ اندازہ نہ تھا۔ سال میں ایک بار کچھ دنوں یا ہفتوں کے لئے وہ غار سے باہر آتا اور درشن دیا کرتا تھا۔ ان کی والدہ نے جو بچے کو برکت کے لئے یوگی کی خدمت میں پیش کیا تو اس نے بچے پر مہربانی کی نظر کی، اُسکے پاؤں کو چوما اور فضا میں ہاتھ اُٹھا کر ایک چنبیلی کا پھول پکڑ لیا جسے اُس نے بچے کے ہاتھ میں تھما دیا۔

بچے کی ماں اور اس کے ساتھ آنے والے لوگوں کو اس نے کہا: ''اس بچے کو لے کر یہاں زیادہ دیر مت ٹھہرو اور واپس گھر چلے جاؤ''!

میں سوچتا ہوں کہ چنبیلی کا پھول پیش کرنے میں بھی شاید یہ اشارہ ہو کہ یہ بچہ بڑا ہو کر وہاں جائے گا جہاں یاسمین کے پھول کھلتے ہیں یعنی کوئٹہ اور قلات کے علاقوں میں۔

وہ اکثر مجھے ایسے واقعات سناتے رہتے جن کی بنا پر انہوں نے اسلام قبول کیا۔ وقار

صاحب ہمیشہ بزرگوں کی کرامات کے دل دادہ رہے۔ ان میں پیدائشی طور پر عقیدت کا عنصر وافر طور پر موجود ہے۔ اب بھی جب وہ لوگوں کو بزرگوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی کرامات کا تذکرہ کرتے ہیں کیوں کہ یہ ایسا راستہ ہے جو سب کے لئے ہے اور عوام وخواص مافوق العادت کاموں اور عملیات کے اثرات سے ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ ۶۶

گو اسلام کی طرف لانے والے اِن کے استاد گرامی سجاد علی قیصر تھے مگر ان کے اولین استاد حضرت سید ابرار حسین زیدی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ جب انہوں نے وطن رام پور سے ہجرت فرمائی تو وقار صاحب کو بھی ساتھ لے لیا وقار صاحب کے عزیز واقارب کو ذرا دیر بعد پتہ چلا۔ اُنہوں نے سرحد تک پیچھا کیا مگر معجزانہ طور پر یہ گرفتاری سے بچ گئے۔ وہ جب پہنچے تو یہ لوگ سرحد پار کر چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقرری چمن (بلوچستان) کے ہسپتال میں ہوئی اور وقار صاحب ایک مقامی سکول میں مدرس ہو گئے۔ اب مرشد نے جب اپنے مرید کو وطن سے دور تن تنہا دیکھا تو فرطِ شفقت سے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی اِن سے کردی۔ وقار صاحب کی ازدواجی زندگی اب تک مثالی رہی ہے۔ بیوی کی دلداری، بچوں کی تربیت اور ان کے رشتے۔ اس وقت ان کے چاروں لڑکے ڈاکٹر ہیں: میجر جنرل ڈاکٹر محمد امین وقار (اے ایف آئی پی راولپنڈی) ڈاکٹر محمد نعیم وقار (اٹامک انرجی کمیشن) میجر ڈاکٹر محمد قسیم وقار (حال نوشہرہ سرحد) ڈاکٹر محمد وسیم وقار (کوئٹہ) اور بچیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں خوش وخرم ہیں۔

وقار صاحب شروع سے ہی اوراد و وظائف پڑھتے آئے ہیں اور ان کے ان اشغال کے اثرات ان کے روزانہ زندگی میں بھی دیکھے گئے۔ طویل اوراد میں دعائے سیفی اور دعائے حیدری نمایاں ہیں۔

ایک بار میں نے وقار صاحب سے پوچھا کہ جب بھی آپ کسی افسر یا حاکم کے پاس کوئی غرض لے کر جاتے ہیں تو خواہ وہ آپ کا مخالف بھی ہو تو آپ کا کام ضرور کر دیتا ہے۔ یہ کیسے

ہے؟ تو انہوں نے بڑی لاپرواہی سے کہا۔ ''بھئی ہم تو کچھ بھی نہیں کرتے، بس اللہ کے فضل سے کوئی کام رکتا نہیں ہے۔ البتہ ہم یا عزیز یا عزیز پڑھ کر جاتے ہیں''۔

ایک بار میں ان کے گھر میں مہمان تھا، ان دنوں میری ایک داڑھ بڑی حساس ہو رہی تھی۔ گھر میں ہم ناشتہ کر رہے تھے۔ جونہی چائے ڈاڑھ سے لگی درد کی ٹیس اٹھی۔ میں نے وقار صاحب سے کہا بھئی، کچھ دم درود کر دو۔ وقار صاحب نے بڑی بے نیازی اور انکساری سے سیدھی انگلی سے رخسار کے قریب اشارہ کیا اور درد ختم۔

اِن کو اس بات کا حق الیقین حاصل ہے کہ اُن کے مرشدوں کی ارواح ان کی اور ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتی ہیں۔ ایک بار وقار صاحب کی کہیں محکمانہ مخالفت ہو رہی تھی۔ اتفاق سے میں ان دنوں حضرت شاہ صاحب سے آ کر کلیانوالہ میں ملا تو حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ''کیا بات تھی، علامہ کس مشکل میں تھے کہ ہمیں حکم ملا۔ کلر والی جگہ پر جا کر علامہ کے لئے دعا کرو''۔ (اس وقت کلیانوالہ کے غربی جانب ایک وسیع رقبہ کلر کی وجہ سے ویران پڑا تھا۔ شاہ صاحب کو وہاں تنہا ویرانے میں جا کر دعا کرنے کا الہام ہوا)۔

میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ کتابی علم میں مجھے کبھی کمی محسوس نہ ہوئی مگر تصوف کے حلقے میں کئی واردات سے میں ان کی وجہ سے یا ان کے ذریعے شناسا ہوا۔ اردو شاعری اور زباندانی میں ان سے خاصا استفادہ کرتا رہا اور ہندو اساطیر میں بھی میری معلومات بڑھیں۔ تصوف پر ہندوستانی سلوک کے اثرات پر بھی ان کی نظر گہری ہے۔

ہماری دوستی ایک اور سطح پر بھی رہی ہے۔ وہ اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں اور شروع سے کبھی کبھی مجھے مخاطب کر کے بھی غزلیں لکھتے آئے ہیں۔ حتیٰ کہ جب ان کا مجموعۂ شاعری ''کلام وقار'' چھپا تو اس کے دیباچے میں ایک غزل کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر شرافت عباس نے لکھا ہے: ''......اسی غزل میں پروفیسر وقار اپنے ہمدم دیرینہ حضرت ہمدانی کو بھی یاد کرتے ہیں:

اپنا کہیئے،   مجھ سے سنیئے

حال   دل   بھائی   ہمدانی

'اور یہ بھائی ہمدانی اکثر فکر سخن میں ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں:

وقار اس آہ زاری پر تڑپ اٹھے ہیں ہمدانی

شریک غم کا شیوہ ہے دلِ رنجور ہو جانا

آپ نے تعلق خاطر کا استحکام ملاحظہ فرمایا۔ ہمدانی ہر وقت وقار کے ساتھ ہیں۔ خلوت وجلوت، بزم ناز، غم ومجبوری، منزلِ درد وارمان، غرض وقار انہیں کبھی بھی فراموش نہیں کرتے ....'' (صفحہ ۲۴)

وقار صاحب کی ساری زندگی ہماری طرح درس و تدریس میں گذری۔ آخر میں وہ پرنسپل کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

جوانی میں داڑھی کے بغیر سوٹڈ بوٹڈ بھی رہے۔ شیروانی اور جناح کیپ بھی پہنی مگر اب آخری عمر میں انہوں نے داڑھی بڑھالی ہے اور لباس میں کوئی خاص تمیز نہیں، دیکھنے میں وہ بہت بڑے شیخ نظر آتے ہیں جو درحقیقت وہ ہیں بھی۔

چونکہ انہوں نے از خود اپنے پورے شعور کے ساتھ اسلام قبول کیا، اس لئے تمام نومسلموں کی طرح وہ کسی کو اسلامی شعائر میں رعایت یا چھوٹ دینے کو تیار نہیں جب کہ میں اس معاملہ میں خاصہ لاپرواہ واقع ہوا ہوں وہ اکثر مجھے تنبیہ بھی کرتے رہتے ہیں لیکن میں آخر میں صرف اتنا اور بتادوں کہ وقار صاحب نے اسلام کے لئے بہت بڑی قربانی دی۔ وطن سے نکلے، والدین اور عزیز اقربا کو چھوڑا، اپنی موروثی روایات کو پس پشت ڈالا اور پھر فقر وتصوف کی منزلیں طے کیں۔ اسلام کے لیئے اس قدر قربانی دینے والا ہی اسلام کی قدر کو سمجھ سکتا ہے۔ اسی لئے وہ پیدائشی مسلمانوں میں جب کوئی کمی دیکھتے ہیں تو کڑھتے ہیں اور انہیں صراط مستقیم پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

----حضرت ڈاکٹر سید ابرار حسین زیدی رحمۃ اللہ علیہ----

حضرت ڈاکٹر صاحب ہی تھے جو سب سے پہلے مجھے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں لے گئے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب میرا تعارف کرا رہے تھے تب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت ڈاکٹر صاحب اس سے پہلے شاہ صاحب کی خدمت میں میرا ذکر کر چکے تھے یا کرتے رہے تھے۔ (وقار صاحب مجھے بتاتے ہیں کہ کئی بار وہ اور ڈاکٹر صاحب غائبانہ طور پر میرے لئے شاہ صاحب سے دعا کے لئے کہہ چکے تھے)۔

حضرت ڈاکٹر صاحب سے تعارف ہوا جب ہم خضدار (بلوچستان) میں مدرس تھے اور وہ مقامی ہسپتال میں وہاں میڈیکل آفیسر تھے۔ ان کے صاحب زادے سید جرار حسین زیدی اور ان کے داماد جناب وقار صاحب ہمارے رفقائے کار تھے۔

ڈاکٹر صاحب بہت عابد و زاہد ولی تھے خضدار میں بھی باقاعدہ میلاد کی محفلیں منعقد فرمایا کرتے تھے۔ جن میں ہم لوگوں کو باقاعدہ شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ اُن دنوں مجھے طریقت اور تصوف سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔

اب کے جو حضرت ڈاکٹر صاحب سے نیا تعلق قائم ہوا تو وہ کلیا نوالہ کی درگاہ کی نسبت سے ہی تھا۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ ہمارے مرشد حضرت شاہ صاحب کے پیر بھائی اور حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز تھے۔

جب میں باقاعدہ طور پر حضرت شاہ صاحب کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب نے میری بہت مدد فرمائی۔ میں جو باتیں حضرت شاہ صاحب سے براہ راست نہیں پوچھ سکتا تھا ڈاکٹر صاحب قبلہ خود ان کی وضاحت فرما دیتے تھے یا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں درخواست پیش کر دیتے تھے۔ بہت بے نیاز اور قانع سید

تھے۔ تنخواہ سے جو کچھ پاتے یا پریکٹس سے کچھ کماتے تھے۔ وہ سب درگاہ کے اخراجات کے لئے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد سب اہل درگاہ نے سجادہ نشینی کے لئے عرض کی مگر آپ نے خادم درگاہ مجاور مستری عبدالجبار مرحوم کو یہ منصب پیش کر دیا۔ گو آپ کو بعدازاں اندریں بارہ کچھ مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑا مگر آپ نے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ سب کچھ برداشت کیا جیسے سادات کا خاصہ ہے۔

-----جناب سید جرار حسین زیدی-----

آج کل جناب جرار حسین زیدی، آپ کے صاحبزادے، کلیانوالہ درگاہ کے سجادہ نشین ہیں وقار صاحب سے پہلے ہماری دوستی ان کے ساتھ ہوئی۔ خضدار میں ہم تو محض لاابالی اور آوارہ مزاج آدمی ہی تھے مگر جرار صاحب باقاعدہ اپنے والد صاحب کے ساتھ میلاد کی محفلوں کا اہتمام کیا کرتے تھے۔

بعدازاں جرار صاحب مدرسی چھوڑ کر اپنے والد کے ساتھ میڈیکل کے پیشے سے متعلق ہو گئے۔

آپ نے اپنے والد مکرم اور حضرت سید وراثت حسین شاہ سے فیض پایا۔ اب وہ خود اس فیض و برکت کے نمائندہ ہیں۔ درگاہ میں اب بھی تعمیر کا کام نہایت ذوق و شوق سے جاری رکھتے ہیں۔ اللہ انہیں مزید توفیق عطا فرمائے۔

طبیعت میں جذب، انداز میں قلندرانہ صفت اور اخلاق رویوں میں منکسر المزاج۔ یہ ہیں جرار صاحب۔ میرے ساتھ ان کی دوستی اب بھی ہے مگر اب وہ درگاہ کے سجادہ نشین ہیں اور میں درگاہ کا ایک خادم ہوں۔

ان کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد رضا کا جو عرس کے موقع پر انتظام و انصرام میں ان کے ساتھ شامل رہتے تھے، حال ہی میں ایک حادثے میں ان کا انتقال ہوا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

----- حضرت مولانا ظفر الاسلام ؒ -----

(Round the world)

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے کے بعد مجھ پر کچھ ایسی جذب کی لطیف کیفیت طاری ہوئی کہ میں شعوری طور پر ریاضتیں بھی کرنے لگا۔ ایک شام روزے کی حالت میں کہیں دوستوں میں بے چین کھڑا تھا کہ افطار کا وقت ہو چکا تھا۔ اور میں اپنا روزہ کسی پر ظاہر بھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ایسے میں کہیں سے مولانا ظفر الاسلام گھومتے گھامتے آ گئے۔ سفید ریش، میانہ قد، سر پر دیہاتی انداز کا عمامہ مگر ننگے پاؤں۔ اور وہ جیسے اضطراری اور مضطرب انداز میں میرے گرد منڈلانے لگے۔ ہم میں سے کوئی صاحب ان کو جانتے تھے، انہوں نے شاید ان کا نام بھی لیا مگر میں نے ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی۔

اس زمانے میں میرے ہمراز چودھری محمد دین مرحوم تھے۔ اگلے دن ان کی دوکان پر گیا تو مولانا ظفر الاسلام وہاں بیٹھے تھے۔ میں نے انہیں گھر آنے کی دعوت دی تو وہ آنے جانے لگے۔ مگر ان کا آنا جانا چند ہفتوں میں ہی میرے لئے دوبھر ہو گیا۔ وہ ان دنوں نیم مجذوبی کے حال سے گذر رہے تھے۔ کسی سے باتیں کرتے ہوئے یکلخت اپنے آپ سے باتیں کرنے لگتے یا بے محل خاموشی اختیار کر لیتے۔ مشکل یہ پیش آئی کہ کسی کتاب پر کوئی تصویر دیکھتے یا کوئی اور توجہ ہٹانے والی چیز، تو لپک کر فوراً پھاڑ دیتے یا پھینک دیتے تھے۔ میں تنگ آ گیا۔

ایک شام کو آئے تو کہنے لگے: ''میں آج آپ کے ہاں رہوں گا''۔

خواجہ ابراہیم یکپاسی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس اس طرح منانا شروع کیا ہے کہ دور دور سے علماء وفضلاء اور شعراء ونعت خوان حضرات کو دعوت دیتے ہیں۔ اور بلوچستان کے ہر کونے سے لوگ اس عرس میں شریک ہوتے ہیں۔

مجھے شروع سے جناب سید علی محمد شاہ صاحب یاد فرماتے رہے اور میں ان تقریبات میں شریک ہوتا رہا ہوں۔ میں نے کئی ایک مضامین کے علاوہ حضرت خواجہ سید ابراہیم یکپاسی پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جو چھپ چکی ہے۔[۷۵]

مجھے روحانی طور پر خوشی ہوتی ہے کہ سید علی محمد شاہ صاحب کے ذریعہ چشتیہ سلسلہ کی ایک شاخ سے میرا یوں رابطہ قائم ہوا۔ اس پر میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں۔

خانوادہ اویسیہ پروکہ شریف

یہ ہمارے مرشدوں کا خانوادہ ہے کیونکہ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔ حضرت حاجی شاہ عبداللہ بادشاہ غوث قطب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ پیر محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ تھے اور آگے اس طریق میں بھی حضرت سید وراثت حسین شاہ اپنے مرشد سے خلافت کی سند رکھتے تھے۔[۷۶]

اس وقت حضرت مولانا محمد اسمٰعیل اپنے والد کی گدی پر بیٹھے ہیں اور ان کے بھائی مولانا محمد اسحٰق مدرس رہے ہیں اور اب اپنے صاحب زادے کے ساتھ کلیانوالہ میں اپنے مدرسہ دینیہ کا اہتمام فرماتے ہیں جہاں کئی سو (۱۰۰) طلباء زیر تعلیم ہیں۔

اس سارے علاقے میں ان کے خاصے مرید ہیں اور ادھر ادھر کچھ اصلاح کے جو آثار نظر آتے ہیں وہ انہی کے رشد وہدایت کے مرہون منت ہیں۔

میں ان کی کرم فرمائی پہ جو مجھ پر ہے، شکر گذار ہوں۔

حواشی

۱۔ دربار کلیانوالہ شریف۔ تحصیل سمندری، ضلع فیصل آباد پنجاب۔ آج کل تو راستہ سیدھا ہے یعنی فیصل آباد پہنچ کر سمندری اور وہاں سے بذریعہ بس یا کار کلیانوالہ۔ اس زمانے میں فیصل آباد ساہیوال روڈ پر ایک مقام کھِدّروالہ سے ٹانگہ کے ذریعہ کلیانوالہ پہنچنا پڑتا تھا۔

۲۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اس مرشد کو آزاد فقیر لکھا ہے جو کسی خانقاہی نظام یا رسمی قواعد وضوابط سے بے نیاز زندگی بسر کرتا ہے اور ہر حال میں سچ کہتا ہے۔

۳۔ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے اور وہ فقیری میں پڑ کر معاشرے سے رابطہ قطع کر لیتے ہیں۔ دراصل تنہائی یا خلوت ایک ربی عمل ہے۔ درویش صرف یہ کر سکتا ہے کہ ہر اُس کام یا بات سے پرہیز کرے جو اس کے ذکر وفکر میں رکاوٹ بنے۔ پس میرے ساتھ ایسا ہی ہوا، مجھے دوسروں کے درمیان رہ کر بھی الگ رہنے کا ڈھنگ آ گیا۔ حضرت حاجی شاہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے رویاء میں پڑھ لیجئے، واقعہ میں یہی تعلیم دی گئی ہے۔

۴۔ اپنے مشاہدات وتجربات اور رویاء وکشوف، وواردات کا استفادہ میں نے دیکھا۔ ہر دینی ودنیاوی اور باطنی وروحانی امر میں حکمت مجھ پر منکشف ہونے لگی تھی۔

۵۔ ''عصر حاضر اور مسائل تصوف'' دستگیر اکاڈمی۔ دربار حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ پنجاب یا ناشاد بکڈپو۔ ریگل پلازہ۔ کوئٹہ بلوچستان۔

۶۔ سید ادریس شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے سلوک کی تین منازل بیان کی ہیں:

ا : جب آدمی مرشد کے حلقے میں داخل ہوتا ہے تو اُسے انبساط اور طمانیت کا احساس ہوتا ہے۔

ب : جب اس کی تعلیم مکمل ہوتی ہے تو پھر اسے کسی شغل یا دھندے میں لگا دیا جاتا ہے۔

ج : جب اُس میں پختگی پیدا ہوتی ہے تو پھر اسے محاذ پر صف آراء ہونے کا حکم ملتا ہے۔ اس منزل پر جب اسے مختلف چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو پھر اس کے لئے احکام اور معمولات بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ آخری منزل کو ہم نے بہت کٹھن پایا۔ اللہ اور اُسکے رسول ﷺ اور مرشدین سلسلہ کی روحانی معاونت ہی یہاں استقامت بخشتی ہے۔

۷ واردات کی کسی ایک نوعیت کو مستقل نہیں سمجھنا چاہیئے۔ یہ آتی جاتی رہتی ہیں۔ بس اللہ کی ہدایت پر نظر رہے!

۸ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلاَّ هُو (اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر وہی آپ) قران مجید ۷۴:۳۱

۹ میرا رویہ ملنے والوں کے ساتھ طبعاً اور عملاً مختلف ہے۔ شاید اس لئے کہ میں ساری عمر ایک مدرس رہا ہوں۔ مجھ سے کوئی بات تصوف کے کسی موضوع پر پوچھی جائے تو میں بلا تکلف مفصل طور پر بیان کر دیتا ہوں۔

۱۰ زیادہ تر آپ الله الصَّمد پڑھتے رہتے تھے میں نے اذکار اور اوراد میں اِس کا ذکر کیا ہے۔ اس کے پڑھنے کا طریق آپ عموماً دوسروں کو بھی تلقین فرماتے تھے۔

۱۱ رشد ہدایت سب سے بڑی خدمت ہے اسی لئے ولی اور معلم اور پیغمبر مخدوم ہوتے ہیں۔ ہر ولی کا جب عروج سے نزول ہوتا ہے تو کوئی نہ کوئی خدمت اس کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ وہ اس خدمت پر مامور ہوتا ہے۔

۱۲ مرشد وہی بن سکتا ہے جو پہلے خود مختلف راستوں سے گذر کر اس منصب پر فائز ہوا ہو۔ اب میں سمجھتا ہوں، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو میری رہنمائی فرمائی تو وہ خود اس تشکیک کی کیفیت سے گذر چکے تھے۔

۱۳۔ دراصل حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا مسئلہ حل کر دیا تھا مگر ایک فقیر نے دوسرے فقیر کا لحاظ کیا کہ شاہ صاحب قبلہ جس فقیر کی ولایت سے گذر کر سلطان صاحب تک پہنچے تھے اسی کے ہاں جا کر وہ اپنے منصب یا مرتبے پر بحالی کی نوید سنیں۔

۱۴ مرشد سے محبت ان لوگوں کے تجربے سے باہر ہے جو کبھی فقیروں اور درویشوں کے حلقے میں نہیں آئے۔ مولانا روم نے تو مرشد کے عشق میں سینکڑوں غزلیات لکھ ڈالیں۔

۱۵ دیکھیئے مشائخ صحبت میں ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں نوٹ۔

۱۶ آپ نے طریقہء چشتیہ صابریہ اور طریقہء اویسیہ دونوں میں خلافت پائی۔

۱۷ اسی صبح مجھے کسی نے کہا اور اس کی آواز میں نے اپنے قلب میں سنی: ''وصال ہو گیا!'' فوراً خیال حضرت شاہ صاحب کی طرف منتقل ہوا اور بعد ازاں تصدیق ہو گئی۔

۱۸ ''تذکرہ غوث قطب'' میں راقم نے لکھا ہے: ''روحانیت کبھی فنا نہیں ہوتی بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس کی قوت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور شیخ کامل اور مرشد روحانی کا فیض اس کی وفات کے بعد بھی درویشوں کے باطن کو منور کرتا رہتا ہے:

برسر خاکِ ما بیا، نغمہ زعشق برسَرا
کز جذباتِ شوقِ تو نعرہ ز خاک برزنم
بعداز ہزار سال اگر برلحدم گذر کنی!
مُشک شود ہمہ غبارِ من، روح شود ہمہ تنم

(ہماری قبر پر آکر عشق کا ایک نغمہ گاؤ، تاکہ تمہارے جذبات شوق سے میں قبر میں ایک نعرہ لگاؤں۔ ہزار سال کے بعد جب تمہارا میری لحد پر گذر ہو، تو دیکھو گے کہ میرا غبار مشک ہو جائے گا اور میرا تمام جسم روح بن چکا ہوگا۔)

ہزار سال تو دور کی بات ہے: ''کون جیتا ہے تیرے زلف کے سر ہونے تک''
ہم نے تو یہ دیکھا کہ قطب العالم والزماں حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کے وصال کے معاً بعد بعض عقید تمندوں کے قلوب پر زوروں کی تجلّیات شروع ہوئیں حتّٰی کہ ان کا اخفا ضبط سے باہر ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کا بشری وجود اُٹھ جانے سے ایک بند ٹوٹ گیا ہے اور روشنیوں کا دریا قلوب پر بہنے لگا ہے۔" (صفحہ ۱۲۶۔۔۱۲۷)

۱۹ یہ ملفوظات دراصل میری کتاب تذکرہ غوث قطب کے ساتھ شامل ہونے چاہیئے تھے مگر کتاب عجلت میں چھپوادی گئی۔ آئندہ انشاء اللہ کتاب کا نیا ایڈیشن چھپا تو یہ صفحات کتاب میں شامل کر لئے جائیں گے۔

۲۰ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عارف تک مراتب زیادہ تر اکتساب کے مرہون منت ہیں مگر ولایت محض اللہ کے فضل کی محتاج ہے۔ جسے چاہے وہ عطا کر دے۔

۲۱ ہوس و عشق کا امتحان ضرور ہوتا ہے:

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر (میر)

۲۲ جن طریقوں میں تصور سے ابتدا کی جاتی ہے جیسے حضرت سلطان باہو کا طریقہء سروری قادری، ان میں مرشد کی توجہ اور قوت قدسیہ طالب کو ضبط میں رکھتی ہے۔ سلطان صاحب نے فرمایا ہے: "عارفِ کامل قادری بہر قدرتے قادر و بہر مقام حاضر" یعنی مرید جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا ہے، مرشد ہر جگہ اس کے ساتھ دستگیری کے لئے حاضر رہتا ہے۔

۲۳ اہل خدمات سے مراد دراصل طبقہ ابدال (اوتاد، اخیار، اقطاب، غوث) کے اولیاء اللہ ہیں جو پوشیدہ رہ کر کام کرتے ہیں۔

۲۴ انگریزوں کی پالیسی ہندوستان اور نوآبادیات میں دوغلی رہی یعنی سیاسی اور حکومتی سطح پر وہ ہمیشہ ہر قسم کا فریب اور ناانصافی روا رکھتے تھے مگر عوام میں وہ ہمیشہ انصاف کرتے تھے۔

۲۵ جوش ملیح آبادی اور شاہد احمد دہلوی نے مولانا نیازیؒ پر خوبصورت خاکے لکھے ہیں۔ شاید مولانا کا تعلق کچھ اولیاء اللہ کے روحانی تکوینی نظام کے ساتھ بھی تھا۔

۲۶ اولیاء خاص الخواص اور اولیا خاص الاخص دراصل طریقوں کے بانی مشائخ تھے مگر اب نئے طریقے نہیں آئیں گے، بس وہی پرانے طُرق رہیں گے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے رنگ ڈھنگ بھی انتخابی ہوں گے۔ جیسا کہ عملی طور پر ہو رہا ہے۔

۲۷ مجھے اس کا ذاتی تجربہ ہوا ہے۔ اور یہ وہ حالت ہے جس کے بارے میں یگانہ چنگیزی نے کہا ہے:

علم کیا ، علم کی حقیقت کیا جیسی جس کے گمان میں آئی

۲۸ اقبال نے فرمایا:

حسن بے پروا کو اپنی بے حجابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بَن پیارے تو شہر اچھے کہ بَن؟

۲۹ اُلٹے لٹک جانے سے مراد یہ ہے کہ ایک دنیا دار آدمی جن اقدار کے تحت عمل پیرا ہوتا ہے۔ فقیری میں ان اقدار کے الٹ چلنا پڑتا ہے۔ مثلاً معاشرے میں دولت، اقتدار، مقابلہ، مسابقت کو پسند کیا جاتا ہے۔ جب کہ فقیروں کے ہاں ترک حب دنیا انکساری، قناعت اور ایثار کو اہمیت دی جاتی ہے۔

۳۰ یہ کتاب دربار کلیانوالہ سے ۱۹۷۸ء میں چھپی تھی، پھر اس کے بعد نہیں چھپ سکی۔

۳۱ کورٹ میں اعلان شاید اس لئے مقصود تھا کہ ہندو مسلم فساد کا خدشہ نہ رہے۔

۳۲۔ یہ مرشد حضرت خواجہ محمد ابراہیم اویسی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ آپ نے ان کی زیرِ نگرانی اویسی طریقت میں تکمیل کی۔ اس کے بعد مرشد کی اجازت سے اِدھر اُدھر گئے۔

۳۳ اسی کتاب میں اپنے مقام پر شجرہ طریقت درج کیا گیا ہے۔

۳۴ اِن یاداشتوں سے آپ کے اسفار کی تاریخ رقم کی جا سکتی ہے۔

۳۵ ابھی یہ کتابیں نظروں سے پوشیدہ ہو گئی ہیں۔ میں نے جو حوالے نقل کیئے ہیں، ان سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کے اندر کس قدر تعلیم کا ذخیرہ موجود ہے۔

۳۶ عام طور پر اللہ کی حکمتیں اور مصلحتیں ولیوں پر رویا اور کشوف میں کھلتی ہیں۔

۳۷ جب ظاہر و باطن ایک ہو جاتے ہیں تو پھر ولیوں کا ہر فعل و عمل کرامت ہو جاتا ہے۔ اور رویا و کشوف میں ان پر حقائق روحانی منکشف ہوتے ہیں۔

۳۸ آپ نے خواب میں ایک تختی دیکھی جس کے ایک طرف لکھا تھا کہ گمراہ رہے گا اور دوسری طرف لکھا تھا ''بادشاہ غوث قطب ہوگا''۔ پہلی بات آپ کے بھائی کے بارے میں تھی اور دوسری بات آپ کے لئے بشارت تھی۔

۳۹ ''احوال مقامات سلطان باہوؒ'' میں راقم نے اس کی تشریح کی تھی کہ امت میں جس کو بھی کوئی درجہ ملا وہ دراصل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنات کا پرتو تھا۔ یہاں تمثیلی پیرائے میں جو حضرت غوث الاعظم کا ذکر ہے تو وہ بھی حَسَنَةٌ مِنْ حَسَنَاتِ خَتَمِ الرُّسُلُ ہیں حضور کی اپنی ہی ایک خوبی کے طور پر ظاہر ہوئے۔

۴۰ حضور کی سنت کو اگر جامع انداز میں ملاحظہ کیا جائے تو وہاں شریعت اور عشق سب یکجا ہیں۔

۴۱ مطلب یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور آپ کی سنت پر عمل پیرا ہونے سے آدمی کے اندر اخلاق اللہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں ''جب فقر تمام ہوتا ہے تو وہی اللہ ہے''!

۴۲ یہ قوت بزرگوں کے سلسلے میں آکر پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایک زنجیر کی طرح ہے کہ ہر کڑی جڑی ہوئی ہے۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اگر کوئی مرشد سلسلے کے ساتھ وابستہ ہے اور وہ کہیں مرید کی تربیت میں کوتاہی کرتا ہے تو پچھلی کڑی کے مرشد آگے آکر مرید کا ہاتھ پکڑ لیتے ہیں اور اسے اکیلا نہیں چھوڑتے۔ اس لئے کسی بھی سلسلے کے ساتھ منسلک رہنا چاہیئے۔

۴۳ ہر وہ فقیر ملامتی ہوتا ہے جو اپنے تئیں ظاہر نہیں کرتا۔ لوگوں کے درمیان عام لوگوں کی طرح رہتا ہے۔ اور ارد گرد کے لوگوں کو گمان نہیں ہوتا، کہ ان کے آس پاس ایک فقیر کامل موجود ہے۔

۴۴ خدمت اس لئے لی جاتی ہے کہ مریدوں کی اصلاح ہو، ان کی انا کے اندر تکبر ختم ہو یا مرشد کے قریب رہ کر وہ فقیری اور درویشی کے رنگ ڈھنگ سیکھ سکیں۔

۴۵ آدمی ہر جا سے فیض حاصل کرے اور اپنے سلسلے کے مرشدوں کے ساتھ بھی وفاداری کا رویہ بحال رکھے، اس کے لئے بڑے توازن کی ضرورت ہے، یہ توازن سلوک میں تکمیل سے پہلے پیدا نہیں ہوتا۔

۴۶ جاویدنامہ میں ایک موقعہ پر اقبال شیطان سے کہلواتے ہیں:

اے خدا، یک زندہ مردِ حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست

(اے خدا، مقابلے میں کوئی تو زندہ مرد حق پرست ہو کہ میں شکست بھی کھا جاؤں مگر مزا تو آئے!)

۴۷ صوفیوں نے عام لوگوں سے معنی خفیہ رکھنے کے لئے لفظ باطن کے حروف الٹ دیئے۔ ب ا ط ن کو الٹا لکھا تو ن ط ا ب (نطاب) بن گیا۔ ایسی کتب نطاب دراصل ان کے باطن کی ڈائریاں تھیں۔

۴۸ ان دنوں شاید مجھے کچھ وہم سا تھا کہ حضرت شاہ صاحب مجھے رسمی طور پر بیعت کیوں نہیں کیا کرتے۔ اس کیفیت میں خواب دیکھا تھا تو پریشانی دور ہوگئی۔

۴۹ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرد فقیری کا ایک جوہر اپنے اندر رکھتا ہے، اگر وہ اس سے آگاہ ہو جائے اور اسے مناسب ماحول (کسی مرشد کی تربیت اور مطالعہ ومشاہدہ) میسر آجائے تو اسے فیض از خود مل جاتا ہے اور شاید دوسروں سے زیادہ۔

۵۰ لہراں۔ ستمبر ۱۹۶۷ء لاہور۔

۵۱ اللہ والے کی قومی دوکان شاید اب ختم ہو چکی ہے مگر دوسرے اداروں نے سلطان صاحب کی کتب اب متون کے ساتھ چھاپنی شروع کر دی ہیں۔

۵۲ المعارف اپریل ومئی ۱۹۷۳ء (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور)

۵۳ پہلی بار ۱۹۸۱ء میں المعارف، گنج بخش روڈ، لاہور نے شائع کی۔ بعد ازاں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

۵۴ سید سرفراز حسین شاہ شاید آج کل کہیں کراچی میں ہیں۔ جانے اب کس حال میں ہیں۔ جب میں ملا تھا تو عبدالقادر حسن اور ممتاز مفتی اپنی تحریروں کے ذریعے ان کے تعارف میں پیش پیش تھے۔ ممتاز مفتی مرحوم نے الکھ نگری لکھی تو ان کے نام معنون کی۔ بعدازاں انہیں سستی شہرت کا طالب گرداننے لگے تھے۔

۵۵ یہ سلطان صاحب کا کرم ہے کہ انہوں نے ''نورِ توفیق'' میرے ساتھ کر دیا ورنہ کہاں میں اور کہاں دربارِ سلطانی!

۵۶ حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ کی طرف سے۔

۵۷ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاکبر ولایت مکاشفات واسرار کے خاتم ہیں پھر ان جیسا کوئی نہ ہوا۔

۵۸ نومسلم صوفی سکالرز کا ایک پورا گروپ ہے: رینے گینون، شوآن، ٹائٹس برکھارٹ، مارٹن لنگز، حسین نصر وغیرہ۔ حسین نصر تو خیر پیدائشی مسلمان تھے مگر یہ دوسرے لوگ تو ابن العربیؒ کو پڑھ کر اسلام اور تصوف کی طرف آئے۔ انہی کے ساتھ ولیم سی چٹک بھی شامل ہے۔ جس نے رومی اور ابن عربی پر کتابیں لکھی ہیں۔

۵۹ میں نے کچھ باتیں اپنے سفرنامہ ''قدم بر قدم'' میں حضرت شاہ بلاولؒ کے بارے میں لکھی ہیں۔

۶۰ میں نے اپنی کتاب ''شمع جمال'' میں حضرت شاہ ہمدان کے نظریہ تصوف کے بارے میں مفصل نوٹ لکھا ہے۔

۶۱ اگر تصوف کے احوال مقامات کی تعریف پڑھنا مقصود ہو تو ان دونوں کتب میں کلاسیکل انداز کی شرح مل سکتی ہے۔

۶۲ شیخ سعدی کے یہ اشعار معروف ہیں:

مرا پیر دانائے مرشد شہاب
دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش
دِگر آنکہ بر غیر بد بیں مباش

٦۳ مطلب یہ ہے کہ لمحۂ موجود پر توجہ مرتکز رہے ورنہ تصور میں حافظے نے پچھلی یادوں کے ذریعہ دوئی پیدا کر دی تو جمعیت ختم ہو جائے گی اور مراقبہ کی غرض و غایت صحیح طور پر پوری نہ ہوگی۔

٦۴ قدم کو قِدَم بھی پڑھا گیا ہے اور قَدَم بھی:

قِدَم کا معنی ہے: اُلوہی افعال کا مطالعہ۔

قَدَم کا معنی ہے: اولیاء اللہ اور انبیا کے نقش قدم کی پیروی۔

اب جسے جن معنوں میں چاہیں، پڑھیں۔

٦۵ سجاد علی خان قیصر رام پوری شاعر بھی تھے اور رند طرز کے صوفی بھی۔ وقار صاحب اِن کی تعلیم و تربیت سے ظاہری و باطنی طور پر مستفیض ہوئے۔

٦٦ ان کے خود نوشت سوانح میں کرامات کا ذکر تفصیل سے ہے۔ بعض اوقات میں ان سے ازراہ مذاق کہتا ہوں کہ آپ کا طریق ''کراماتی'' ہے۔

٦۷ کلام وقار۔

٦۸ بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے تذکروں میں ایسی نماز کا ذکر ہے۔

٦۹ اکثر تو یہ مجاذیب ہوتے ہیں جو فقہی نقطۂ نظر سے مرفوع القلم شمار ہوتے ہیں۔

۷۰ اخبار الاخیار میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے حضرت غوث الاعظم کے بارے میں لکھا ہے:

''نیز آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالٰی نے مجھے وہ رجسٹر عنایت کیا ہے جس میں میرے ان دوستوں اور مریدوں کے نام درج ہیں جو قیامت تک میری ارادت میں آتے رہیں گے۔ یہ رجسٹر اللہ نے عنایت کر کے فرمایا، میں نے اِن سب کو تیری وجہ سے بخش دیا۔''

(ترجمہ اخبار الاخیار از مولانا اقبال الدین احمد ص ۴۴، دار الاشاعت کراچی ۱)

۷۱ کشف میں حضرت غوث الاعظم کی زیارت کے بعد ہی تو مولانا ظفر الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے قصیدہ غوثیہ پڑھنے کی ترغیب دی تھی۔

۷۲ بحوالہ کتاب ''نور اللہ محبوب اللہ'' ۔تمہید۔

۷۳ وادی سون سکیسر مؤلفہ ملک محمد سرور خان اعوان۔ الفیصل لاہور۔

۷۴ جناب سلطان حمید نے حضرت سلطان باہو اکیڈمی کی بنیاد رکھی۔ میری کتاب ''حضرت سلطان باہو، حیات وتعلیمات'' وہیں سے شائع ہوئی۔

۷۵ Hadrat Khawaja Ibrahim Yakpasi (R.A)

(A Living legend in Balochistan.)

۷۶ خلافت اویسیہ: ترتیب وار: حضرت شاہ صاحب،

حاجی عبداللہ شاہ اویسی حضرت خواجہ ابراہیم اویسی

حضرت خواجہ شہاب الدین اویسی حضرت سلطان بالا دین اویسی

حضرت خواجہ محکم الدین اویسی حضرت خواجہ عبدالخالق اویسی

از خواجہ اویس قرنی خلیفہ سرکار دو عالم سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

۷۷ امیر کبیر سید علی ہمدانی۔ سیدہ اشرف ظفر بخاری صہ ۴۷

۷۸ اس موضوع پر میری کتاب ''اسرار ھُو'' کے نام سے ارمغان باہوؒ۔ دربار سلطان باہو سے مل سکتی ہے۔ اس میں اذکار اور اوراد و وظائف سلطان باہو کی تفصیل سب موجود ہے۔

And the man he wished to be.

کارِ مردان روشنی و گرمی است

(رومی)

"تم پہنچ چکے ہو، اب تمہیں کسی اور طرف نہیں جانا ہے۔ تم وہاں ہو جہاں تمہیں ہونا چاہیئے تھا۔ اس لمحے کوئی مستقبل اور ماضی نہیں ہے لیکن تم اسے اپنے تئیں ہدیہ میں دیکر مقدس بنا دیتے ہو۔ بس اپنی کہانی کا تخم زندگی کو ہدیہ کردو۔ محبت کے ساتھ اسے کھولو تو زندگی اس کا عملی جواب دے گی۔ زندگی تمہارا تخم حاصل کرے گی اور اسی قلب عالم کے اندر رکھ دے گی جہاں یہ اس آگ کو زندہ رکھے گی جو وہاں جلتی ہے۔۔ جو قلوب عالم کے قلب کے اندر جلتی ہے۔

یہ تمہاری پیشکش ہے۔ یہ وہ سب کچھ ہے جو تم کبھی ہدیہ میں دے سکتے ہو۔ آہستہ آہستہ زندگی ایک نئے محور پر گھومنا شروع کردے گی۔"

Llewellyn Vaughan - Lee

Academy Manzil
Publisher & Printer
2-B-11, Commercial Area
Nazimabad # 2, Karachi.
Ph: 0213-6688749 Cell: 0300-2761279
E- mail: mazil6263@yahoo.com